بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ
لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى ٱلسَّمَآءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ ٱللَّهُ ٱلرِّجْسَ
عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهَٰذَا صِرَٰطُ رَبِّكَ
مُسْتَقِيمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ:

پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار کر دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵، ۱۲۶)

راہ اسلام

اسلامی علوم و معارف اور علمی و ثقافتی افکار و عقائد کا ترجمان

شمارہ: ۲۲۷۔۲۲۸ مارچ تا اگست ۲۰۱۴ء

خصوصی شمارہ

ردِّ تکفیریت

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۱۸۔ تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱

فون: ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس: ۲۳۳۸۷۵۴۷

newdelhi@icro.ir

http://newdelhi.icro.ir

شمارہ: ۲۲۷۔۲۲۸ مارچ تا اگست ۲۰۱۴ء

چیف ایڈیٹر: علی فولادی

مشاورین علمی

آقایان احمد عالمی، ڈاکٹر اختر مہدی رضوی، مولانا نذرِ امام و سید غلام حسین رضوی

مدیر اجرائی : احمد عالمی

ایڈیٹر : ڈاکٹر اختر مہدی رضوی و مولانا نذر امام

مترجمین مقالات:

منہال حسین، سید اصغر رضا، عباس اصغر شبریز، نثار احمد زین پوری،
حسنین باقری، مہدی باقر و سید محمد کوثر جعفری

تزئین جلد : عائشہ فوزیہ

صفحہ آرائی و کمپوزنگ : قاری محمد یاسین

ناظر چاپ : حارث منصور

پریس : الفا آرٹ، نوئیڈا، یو۔پی

ISSN: 2349 – 0950

ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا ضروری ہے۔ اگر ممکن ہو تو ٹائپ شدہ MSword فائل ارسال فرمائیں۔ صرف غیر مطبوعہ مقالہ ہی ارسال فرمائیں۔

مقالہ کے متن میں جن مآخذ و مدارک کا استعمال کیا گیا ہو ان کا ذکر ضرور فرمائیں۔

اگر ممکن ہو تو مقالہ، بذریعہ ای میل ichdelhi@gmail.com پر ارسال فرمائیں۔

مقالہ ایران کلچر ہاؤس کے پتہ پر پوسٹ بھی کر سکتے ہیں۔

مقالے کی اشاعت کے لئے ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

آپ کے ارسال کردہ مقالہ کی اشاعت یا عدم اشاعت کے لئے ادارہ کو اختیار ہوگا۔

نوٹ: آپ اپنا مقالہ ۲ مہینہ کے اندر ادارہ کو ارسال کر دیں۔ مذکورہ شرائط نہ پائے جانے کی صورت میں مقالہ، شامل اشاعت نہیں ہوگا۔

فہرست

شمارہ: ۲۲۷۔۲۲۸ مارچ تا اگست ۲۰۱۴ء

اداریہ:		ز
صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تکفیری رجحان کی نفی وتردید	ابوالفضل قاسمی	۱
تکفیر قرآن کی نظر میں	احمد سارمی	۲۵
تکفیریت کے مقابلہ کا لائحہ عمل۔ایک اہم ضرورت	احمد عالمی	۴۴
اہلسنت کے نزدیک تکفیر کی حرمت	آخوند ابوبکر خوجملی	۵۰
نفاق اور تکفیر کے درمیان رابطے کی تحقیق	رحیم نوبہار	۶۷
اسلامی سماج کے لئے تکفیر ایک عظیم خطرہ	صلاح الدین سنوسی حسن	۹۱
تکفیری رجحانات کی فکری اساس	عبدالصمد کریم زائی	۱۰۰
حرمت تکفیر قرآن وسنت کی نظر میں	عبداللطیف عرب تیموری	۱۲۶
اسلام صلح ودوستی اور رافت ورحمت کا آئین	علی جان محمدی	۱۵۰
رسول اسلامؐ کی سنت اور مسلمانوں کا عقیدۂ تکفیر۔ایک تجزیہ	علی رضا سبحانی	۱۹۲
قرآن وسنت کی تفہیم میں تکفیریوں کے طرز عمل۔۔۔	علی فتحی	۲۰۷
تکفیری فکری کی پیدائش اور وسعت پر ایک تجزیہ۔۔۔	محمد رضا وحیدی نژاد	۲۶۱
علمائے اسلام کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر	نذیر احمد سلامی	۳۰۰
تکفیریت کے خاتمہ کے لئے قرآنی راہ وروش	وحید خورشیدی	۳۰۶
شیوخ الحدیث کانفرنس کا مجوزہ شرعی منشور	رپورٹ	۳۳۸

اداریہ

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ بعض اوقات ایسے عقائد سامنے آئے ہیں جن کے سبب کچھ ایسے صاحبان عقیدہ، دین کے دائرہ سے خارج ہو جاتے ہیں جو مثال کے طور پر یہ کہیں کہ ہم مسلمان ہیں مگر حضور اکرمؐ کو پیغمبر اسلام کے طور پر نہیں مانتے تو بہر حال وہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص اعتقادات اسلام میں سے کسی ایک کا انکار کرے اور اس کا انکار اصل اسلام سے انکار کا سبب قرار پائے تاہم وہ شخص یہ بات جانتا بھی ہو تو ایسی صورت میں وہ انسان نہ صرف دین سے خارج ہو جائے گا بلکہ اسے ہم قابل مذمت بھی قرار دیں گے یا فرض کریں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں مانتا ہوں نماز کا ذکر قرآن میں ہے اور یہ اسلام کے مسلّمات میں سے ہے مگر میں اسے نہیں مانتا گو کہ پیغمبر اکرمؐ نے بھی یہ حکم فرمایا ہے مگر میری نظر میں یہ قابل قبول نہیں ہے ایسا انسان فقہا کی رو سے مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا چنانچہ اس سلسلے کی تفصیل فقہی کتابوں میں درج ہے۔

البتہ تکفیری کارنامے کہ جو غیر اسلامی رجحانات کے حامل ہیں پورے طور پر دینی ضابطوں کے برخلاف اور ارتداد فقہی سے بھی ماوراء ہیں۔ اسلام میں ارتداد سے متعلق احکام میں ملتا ہے کہ یہ اسی وقت ثابت ہوتا ہے جب کسی اصل دین کے انکار یا شبیہ انکار کا مسئلہ ہو در حالیکہ تکفیری رجحانات جو بعض ممالک میں دانستہ یا نا دانستہ طور پر سر گرم عمل ہیں بنیادی طور پر اسلام کی شبیہ کو مخدوش کرنے پر آمادہ ہیں۔

تکفیری لوگ بجائے اس کے کہ افہام و تفہیم اور علمی مذاکرات کو بنیاد قرار دیں انہوں نے افراد کو اسلام سے خارج کرنے پر بنا رکھی ہوئی ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ انکا بنیادی نصب العین ہی افراد کو دین سے خارج قرار دینا اور پھر اسلحہ کی منطق سے انہیں اور دنیا کو سمجھانے کی کوشش کرنا انکا اصل لائحہ عمل ہے۔ در حالیکہ اسلام ہتھیار اٹھانے، زور زبردستی کرنے، خون خرابے اور دہشت گردی کا دین کبھی نہیں تھا بلکہ اس کی منطق، منطق گفتگو ومذاکرہ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :

"فبشّر عبادی الّذین یستمعون القول فیتّبعون احسنہ:" یہی نہیں بلکہ اسلام نے مناظرہ کے مرحلہ میں کبھی یہ طے کرکے گفتگو نہیں کی کہ جو سامنے ہے وہ باطل ہی ہے حق صرف ہماری طرف ہے بلکہ اس کا شعار یہ رہا ہے: " انّآ أو ایّاکم لَعلیٰ ھُدًی اَو فی ضَلالٍ مّبینٍ" (سورہ سبا، آیت ۲۴)

چنانچہ تکفیریت کا سب سے بنیادی نقصان اس زمانہ میں، اسلام کی توہین ہے۔ مذکورہ رجحان سے نہ صرف دنیا والوں کے سامنے اسلام کی شبیہ کریہہ نظر آئے گی بلکہ یہ معاشروں اور دین کے رشتوں کے ٹوٹنے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ یہ وہی فکری رجحان ہے جس کے نتیجہ میں لوگوں نے صدر اسلام میں حضرت علیؑ کے خلاف تحریک چلانا شروع کردی تھی جس میں آپؑ پر گمراہ ہونے کی تہمت بھی لگائی گئی یہی نہیں بلکہ انہیں خوارج میں سے ایک شخص ابن ملجم کے ہاتھوں آپؑ کی شہادت بھی واقع ہوئی۔

ہم مجلّہ "راہ اسلام" کے اس شمارے میں تمام تکفیری سرگرمیوں کے جائزوں کے بعد اسے یکسر طور سے مسترد (Condemn) کرتے ہیں جیساکہ اس شمارے میں جملہ مؤلّفین کی کوشش ہے۔ قرآن کریم، سنت رسولؐ اور سیرت پیغمبرؐ وائمہ معصومینؑ کی روشنی میں تکفیریت کی کج فکری کو جو کہ روح اسلام اور تعلیمات نبویؐ سے قطعاً سازگار نہیں ہے اور اسلامی تہذیب وثقافت سے عاری ہے تاہم نہ صرف یہ کہ تاریخ اسلام میں اس کا کوئی معتبر مقام نہیں ہے بلکہ اسلامی تہذیب اس سے خود کو جدا اور اس سے مقابلہ کے لئے خود کو آمادہ کئے ہوئے ہے ان سب کو لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے۔

یہ موضوع اس سے قطع نظر کہ عہد حاضر کی بنیادی ضرورت ہے دیگر جہات سے بھی متعدد فوائد کا حامل ہے جیسے تکفیریت کی کمزور ہوتی وہ جڑیں جو بعض گروہوں کے ذریعے طشت از بام ہوچکی ہیں اور ممکن ہے مستقبل میں بعض جگہوں پر کسی نہ کسی رخ سے سر اٹھائیں۔

والسّلام علی من اتبع الھدیٰ

علی فولادی

رایزن فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تکفیری رجحان کی نفی وتردید

ابوالفضل قاسمی[1]
ترجمہ: منہال حسین

خلاصہ

وہابی حضرات چونکہ اپنے آپ کو سلف صالح اور اصحاب رسول ﷺ کا تابع سمجھتے ہیں لہٰذا حقیقت کا سراغ لگانے کے لئے تکفیری وہابیوں کی مورد اعتماد دو روائی کتابیں، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی طرف رجوع کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ مذکورہ دونوں روائی کتابوں کی روشنی میں تکفیر کے مسئلہ کی تحقیق ہوسکے اور یہ واضح ہوسکے کہ تکفیری وہابیوں کا عقیدہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روسے قابل تائید ہے یا نہیں؟

حیرت کی بات یہ ہے کہ جب ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حدیث کی کتابیں مسئلہ تکفیر کی مخالف ہیں اور جو کچھ تکفیری وہابی انجام دیتے ہیں وہ ان کتابوں میں مندرج روایتوں کے خلاف ہے۔

اس تحقیق کے بعد جو نتیجہ برآمد ہوا ہے اور نفی تکفیر کے سلسلہ میں جو دلیلیں حاصل ہوئی ہیں وہ ملاحظہ ہوں؛

تکفیری وہابیوں نے آیتوں اور حدیثوں میں کفر کے معنی کی طرف ہرگز توجہ نہیں کی لہٰذا لفظ "کفر" کا مذکورہ دونوں کتب میں کہیں بھی اسلام سے خارج ہونے کے معنی میں نہ ہونا، ان لوگوں کا مسلمان ہونے کے معیارات سے بے خبر رہنا، کفر کی نسبت کے متعلق شارع کی حساسیت اور مسلمانوں کو کافر کہنے سے منع کرنے کی طرف توجہ نہ دینا، اسی طرح تکفیری وہابیوں کے دو بنیادی نظرئے یعنی مسئلہ تکفیر اور مسلمانوں کو مشرک سمجھنے پر بھی تحقیق کی گئی ہے اور تحقیق کے بعد یہ واضح ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کو کافر کہنا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایتوں کے

خلاف ہے اس لئے کہ جس انداز میں تکفیری وہابی بڑے پیمانہ پر مسئلہ تکفیر کو بیان کرتے ہیں ، پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد ایسی مشکل اسلامی معاشرہ میں ہر گز پیش نہیں آئی۔

بنیادی کلمات : تکفیر ، صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، کفر ، مسلمانوں ، تکفیر حاکم، شرک

مقدمہ

تکفیری وہابی اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں یعنی سلف صالح کا پیروکار سمجھتے ہیں ، وہ لوگ ان روایتوں پر عمل کرتے ہیں جو سلف صالح سے نقل ہوئی اور ان کی اسناد معتبر ہیں ، اسی لئے اس مقالہ میں کتاب " صحیح بخاری ۲" اور " صحیح مسلم " ۳ کی روشنی میں مسئلہ تکفیر پر تحقیق کی جائے گی، اس لئے کہ اہلسنت کے درمیان یہ دونوں کتابیں سب سے زیادہ معتبر سمجھی جاتی ہیں اور ان کا اعتبار اس حد تک ہے کہ مشہور بلکہ اہلسنت کا اجماع ہے کہ ان دو کتابوں کے سلسلہ میں کسی کو کوئی شک نہیں ہے مخصوصا وہ روایتیں جو دونوں کتابوں میں موجود ہیں ، ان کا اعتبار اور ہی زیادہ ہے اسی لئے انہیں " متفق علیہ " کہا جاتا ہے ، مورد بحث موضوع کے بنیادی مباحث میں وارد ہونے سے پہلے چند ضروری نکات کی توضیح ضروری ہے جنہیں ہم بیان کرتے ہیں؛

الفاظ کی وضاحت

تکفیر

کلمہ تکفیر مادہ " ک ،ف ،ر" باب تفعیل سے ہے ، لغت میں کفر کے معنی چھپانے کے ہیں "کفرا وکفرا الشئ": اس چیز کو چھپا دیا۔ ابن فارس(متوفی ۳۹۵ ھ) لکھتے ہیں :" یہ لفظ، واحد معنی پر دلالت کرتا ہے یعنی اس کے معنی چھپانے کے ہیں"۔ ۴

اس کلمہ کو دوسرے معانی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن ان سب کو ملاحظہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی چھپانے کے معنی کی طرف پلٹتے ہیں ، جیسا کہ مٹی کو بھی کافر کہا جاتا ہے اسلئے کہ اسے جو کچھ بھی دیا جاتاہے وہ اسے اپنے اندر چھپالیتی ہے ۵ انہیں معانی میں سے ایک کفارات بھی ہیں جن کے ذریعہ گناہوں کو چھپا یا جاتا ہے ۶ اسی طرح بے ایمان انسان کو بھی کافر کہا جاتا ہے چونکہ اس نے حق کو چھپا دیا ہے ۷ اور خدا کی نعمتوں کو مخفی کردیا ہے۔۸ تکفیر کے معنی ہیں؛ کسی کی طرف کفر کی نسبت دینا اور اسے کافر کہنا۔ ۹

صحیح مسلم اور صحیح بخاری

برادران اہلسنت کے درمیان صحیح بخاری تمام روائی کتابوں میں سب سے زیادہ معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے جسے ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری نے تالیف کی ہے اور اس کا نام " الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ وسننہ وایامہ " رکھا ، صحیح بخاری کی روایتوں کی تعداد اگر مکررات کو حذف کردیا جائے تو" ابن صلاح" کے نظریہ کے مطابق تقریبا چار ہزار ہیں۔ ۱۰ صحیح بخاری میں ۹۷ کتاب اور تین ہزار سے زیادہ ابواب ہیں لیکن اس میں تکفیر کے نام سے کوئی بھی باب درج نہیں ہے گرچہ مختلف ابواب میں اس موضوع سے متعلق پراکندہ حدیثیں موجود ہیں ، بلکہ بعض ابواب اس موضوع سے مرتبط بھی ہیں بعنوان مثال " کتاب الایمان " میں کچھ ایسے ابواب ہیں جو موضوع تکفیر سے مربوط ہوتے ہیں جیسے باب : " قول النّبی بنی الاسلام علی خمس "۔ کتاب صحیح مسلم کو ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری نے تالیف کیا ہے جو صحیح بخاری کے بعد تمام صحاح کے درمیان ہر ایک سے زیادہ معتبر سمجھی جاتی ہے ، صحیح مسلم میں ۵۴ کتاب اور ۷۲۷۵ روایتیں جمع کی گئی ہیں لیکن اس میں بھی کوئی مستقل کتاب یا باب موضوع تکفیر سے متعلق نہیں ہےبلکہ صحیح بخاری کی طرح اس کتاب میں اس موضوع کے متعلق مختلف کتابوں اور ابواب میں حدیثوں کی جستجو کی ضرورت ہےاور جس طرح صحیح بخاری کے بعض ابواب، موضوع تکفیر سے متعلق ہیں اسی طرح اس میں بھی بعض ابواب اس موضو ع سے متعلق ہیں جیسے "کتاب الایمان " ۔

ان دو کتابوں میں بیان کی گئی حدیثیں نہایت معتبر ہیں خصوصاً وہ حدیثیں جو ان دو کتابوں میں یکساں پائی جاتی ہیں ان کے متعلق ابن صلاح (متوفی ۶۴۳ ھ)لکھتے ہیں:

" صحیح ہونے کے اعتبار سے سب میں اعلی حدیث وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ میں اہل حدیث کا اتفاق ہو اور اسے " صحیح متفق علیہ " کا عنوان دیا جاتا ہے ، یہاں اتفاق سے مراد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا اتفاق ہے ، نہ امت کا ، گرچہ بخاری اور مسلم کے اتفاق سے امت کا اتفاق لازم آتا ہے۔۱۱ اسی طرح نووی (م ۶۷۶ ھ) صحیح مسلم کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے بعد سب سے صحیح کتاب، صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہے اور امت نے اسے مقبول ہونے کے مترادف سمجھا ہے ۔ ۱۲ اسی مضمون کے تحت ابن حجر (متوفی ۸۵۲ ھ) ۱۳ اور سخاوی (متوفی ۲۰۹ ھ) ۱۴ نے بھی مذکورہ باتوں کی تائید کی ہے ۔ اس مقام پر جس نکتہ کو بیان کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مقالہ کے مختصر ہونے اور اس کی زبان کے اردو ہونے کی وجہ سے حدیثوں کے تراجم متن میں لائے گئے ہیں اور خود حدیث کو حاشیہ میں سند کے بغیر ذکر کیا گیا ہے اور ہمارے لئے جہاں تک ممکن ہوسکا ہم نے ضرورت کے مطابق حدیث کو ذکر کیا ہے۔ اسی طرح جو حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یکساں پائی جاتی ہیں ، انہیں بیان کرنے کے بعد صرف صحیح بخاری کا حوالہ دیا ہے اور اسی کا متن بھی ذکر کیا ہے۔

کفر کی قسمیں

قابل تحقیق نکات میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ قرآن اور سنت میں جہاں بھی لفظ کفر استعمال ہوا ہے ، کیا ان تمام مقامات پر کفر سے مراد اسلام سے خارج ہونا ہے ؟ یا اس کے دوسرے معنی بھی ہوسکتے ہیں ؟ کفر کے اصلی معنی کو جاننا بہت اہم ہےجس کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے اس لئے کہ جو لوگ مختلف بہانوں سے مسلمانوں کو کافرکہتے ہیں وہ قرآن و سنت میں استعمال ہونے والے لفظ کفر سے غلط معنی مراد لیتے ہیں اور مسلمانوں کی طرف کفر کی نسبت دیتے ہیں ، یہ وہ خطائیں ہیں جو تکفیر کے مسئلہ میں پیش آتی ہیں اور ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ لوگ آیتوں اور روایتوں میں استعمال ہونے والے لفظ کفر کی قسموں کو آپس میں خلط کردیتے ہیں لہٰذا جو آیتوں اور روایتوں میں استعمال ہونے والے لفظ کفر کو وقت کے بغیر ملاحظہ کرے اور اس میں اتنی صلاحیت نہ ہو کہ وہ کفر کی قسموں کو پہچان سکے کہ یہاں پر کفر کی کونسی قسم مراد ہے تو وہ بہت بڑی خطا کا مرتکب ہوگا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایسی روایتیں نقل ہوئی ہیں جو واضح طور پر نشاندہی کررہی ہیں کہ کفر کی مختلف قسمیں اور مراتب ہیں اور ہر جگہ کفر سے مراد، دین سے خارج ہونے کے نہیں ہیں، اسی بات کو صحیح بخاری میں باب "کفردون کفر" میں بیان کیا گیا ہے ۔

عبد اللہ بن عباس پیغمبرؐ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں ، آنحضرتؐ فرماتے ہیں:
جب مجھے دوزخ کا حال دکھایا گیا تو میں نے دیکھا کہ دوزخ میں سب سے زیادہ عورتیں ہیں جو کفر میں مبتلا تھیں، کسی نے سوال کیا :کیا ان لوگوں نے خدا کا کفر کیا تھا؟ فرمایا :نہیں بلکہ وہ پنے شوہروں کے حق میں کفر کرتی تھیں ، ان کے احسان اور نیکیوں کا کفران کرتی تھیں، اسلئے کہ اگر تم ایک عمر، ان کے ساتھ احسان کرو اور اچانک کوئی ایک کام ان کی مرضی کے خلاف کر دو تو وہ تم سے کہیں گی کہ میں نے تم سے کوئی خیر نہیں دیکھا۔ ۱۵؎
یہی روایت صحیح مسلم میں بھی وارد ہوئی ہے ۔ ۱۶؎
ابن بطال (متوفی ۴۴۹ ھ) مذکورہ باب کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
اس باب میں بھی کفر کے معنی وہی ہیں جو گذشتہ باب میں ہم نے بیان کیے ہیں یعنی گناہوں کی وجہ سے ایمان کم ہوتا ہے لیکن یہ اس کفر کا باعث نہیں ہوتا جو جہنم میں خلود کا سبب ہو ، اس لئے کہ جب لوگوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ وہ عورتیں کافر ہوگئی ہیں تو لوگوں نے خیال کیا کہ ضرور ان عورتوں نے خدا کا انکار کیا ہوگا تو سوال ہوا : کیا خدا کا کفر کیا ہے تھا؟ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا :انہوں نے اپنے شوہروں کے حق میں کفر کیا تھا اور اس طرح رسول اللہ ﷺ نے واضح کیا کہ یہاں کفر سے مراد شوہروں کے حقوق کا کافر ہونا ہے جو ایمان میں کمی کا موجب ہے ۔ ۱۷؎
اسی طرح ابن حجر (متوفی ۸۵۲ ھ) صحیح بخاری کی شرح کتاب " فتح الباری " میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں : " قاضی ابوبکر بن عربی نے اس حدیث کی شرح میں بیان فرمایا ہے:
"مصنف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اطاعت، ایمان کی پہچان ہے اسی طرح گناہ، کفر کا باعث ہے اور کفر کے مطلق استعمال ہونے سے مراد دین سے خارج ہونا نہیں ہے۔ " ۱۸؎ عینی (متوفی ۸۵۵ ھ) نے بھی کتاب " عمدۃ القاری " میں اسی مطلب کو بیان کیا ہے۔ ۱۹؎

اسی طرح صحیح مسلم کی شرح کرنے والے نووی (متوفی ۶۷۶ ھ) لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں کفر کا مطلق ہونا، حقوق کا کفران کرنا ہے اس لئے کہ انہوں نے خدا کا انکار نہیں کیا تھا۔ (شرح النووی علی مسلم ، ج ۶، ص ۳۱۲)

قرآن کریم میں کفر کے متعدد معنی بیان ہوئے ہیں جس کی طرف مفسرین نے اشارہ بھی کیا ہے بعنوان مثال ؛ آیت "انّ الذین کفرواسواءٌ علیھم أانذرتھم أم لم تنذرھم لایؤمنون" ۲۰؛ بیشک جو لوگ کافر ہوئے انہیں فرق نہیں پڑتا ،چاہے انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ہر گز ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

اس آیت کے ضمن میں مشہور مفسر طبری لکھتے ہیں: " اس آیت میں کفر سے مراد انکار ہے اس لئے کہ مدینہ میں یہودی علماء نے پیغمبر اکرم ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور اس حقیقت کو لوگوں سے پنہاں رکھا اور آپ کی رسالت کو چھپا دیا جب کہ آپ کو اپنے بچوں کی طرح پہچانتے تھے"۲۱

لیکن آیت " فاذکرونی اذکرکم واشکروالی ولاتکفرون" ۲۲؛ پس مجھے یاد کرو تو میں بھی تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور ہر گز میرا کفر نہ کرنا۔

یہاں مذکورہ آیت میں کفر سے مراد خدا کا انکار نہیں ہے بلکہ نعمت کو چھپانا اور کفران نعمت کرنا ہے جیسا کہ قرطبی نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے : " یہاں کفر سے مراد جھٹلانا نہیں ہے بلکہ نعمتوں کو چھپانا ہے "۲۳

علماء نے بھی اس مطلب کو مختلف تعبیروں کے سہارے بیان کیا ہے اور کفر کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں۔

بعض علماء نے کفر کی دو قسمیں بیان کی ہیں ؛ کفر اکبر اور کفر اصغر ، بعنوان مثال، ابن قیم (متوفی ۷۵۱ ھ) لکھتے ہیں: " کفر کی دو قسمیں ہیں : کفر اکبر اور کفر اصغر "۔ ۲۴

ابن اثیر کفر کی قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" کفر کی دو قسمیں ہیں :اصل ایمان سے کفر اور فروع دین کی کسی فرع سے کفر ،لیکن فرع سے کفر کرنا ایمان سے کفر کا باعث نہیں ہوتا"۔ ۲۵

مروزی (متوفی ۲۹۴ ھ) بھی لکھتے ہیں: " کفر کی دو قسمیں ہیں؛ جس میں سے ایک قسم اسلام سے خروج کا باعث ہے اور دوسری قسم اسلام سے خروج کا باعث نہیں ہے "۔ ۲۶

مذکورہ بیانات کے پیش نظر کفر کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں؛

۱۔ ایک وہ کفر جو اسلام سے خارج ہونے کا باعث ہے ۔

۲۔ دوسرا وہ کفر جو اسلام سے خارج ہونے کا باعث نہیں بلکہ ایمان کے ناقص ہونے کا باعث ہے۔

مسلمان ہونے کا معیار

جو مشکل، اسلامی فرقوں کے دامن گیر ہوسکتی ہے ، و ہ یہ ہے کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے ماننے والوں کو اختلافات کی وجہ سے کافر کہیں اور اپنی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے انہیں اسلام سے خارج گردانیں ، اگر کوئی شخص اپنی رائے سے مسلمان ہونے کے معیار کو معین کرے تو یہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور اسی طرح خونریز فسادات کا باعث ہوگا ، اس مشکل سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے فرمودات کی طرف مراجعہ کیا جائے تاکہ معلوم ہوسکے کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں ہے ،اس طرح جس میں بھی پیغمبر اکرم ﷺ کے بیان کئے گئے معیار ہوں گے وہ مسلمان ہوگا وگرنہ نہیں ہوگا ،چاہے وہ ہمارا ہم عقیدہ نہ ہو ، اس مقالہ کی روش کے پیش نظر اس مسئلہ کے سلسلہ میں تحقیق کے لئے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی طرف رجوع کیا جائے گا ، ان دو کتابوں میں متعلقہ موضوع کے لئے دو قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں:

۱۔ قسم اول :کلمہ " لا الہ الا اللہ " کی گواہی دینا

اس قسم کی تمام روایتوں میں مسلمان ہونے کی شرط کلمہ " لا الہ الا اللہ " کی گواہی کافی سمجھی گئی ہے ۔ ۲۷

اسی مطلب کو صحیح مسلم میں بھی بیان کیا گیا ہے ۔ ۲۸

پیغمبر اکرم ﷺ سے جب سوال کیا گیا کہ کب تک دشمنوں سے جنگ کی جاسکتی ہے تو آپؐ نے فرمایا :جب تک کہ وہ کلمہ "لا الہ الا اللہ " کی گواہی نہ دیں ، لہٰذا جو بھی اس کلمہ کی گواہی دے

گا اسکی جان اور مال امان میں ہوگا مگر یہ کہ اس کے خلاف عمل کرنا برحق ہواور اس کا حساب و کتاب خدا کے ذمہ ہوگا۔

البتہ اس روایت کے آخر میں ایک عبارت "الا بحقہ وحسابہ علی اللہ " وارد ہوئی ہے ، جس کی وضاحت ضروری ہے ۔

کلمہ " بحقہ " سے مراد وہ موارد ہیں جن کے احکام کو اسلام نے بیان کردیا ہے جیسے کہ ایک مسلمان فرد کوئی ایسا کام کرے جس سے کوئی حق ضائع ہوجائے اور اسلام نے اس حق کو بیان بھی کیا ہو ، اس حق کے بموجب اسے سزائے موت دی جائے؛ جیسے کہ کوئی شخص جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کردے یا کوئی زنائے محصنہ کا مرتکب ہوجائے تو ایسی صورت میں اسلام میں بیان کئے گئے شرائط کے تحت وہ موت کا مستحق ہوگا ،یہ مطلب اہلسنت کی معتبر کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ بیان ہواہے ؛ پیغمبر اکرم ﷺ سے سوال ہوا : " وماحقھا " قال: زنی بعد احصان أو کفر بعد اسلام أو قتل نفس فیقتل بہ " آپ کی مراد کلمہ " بحق " سے کیا ہے ؟ فرمایا: کوئی شخص شادی شدہ زنا کرے یا وہ شخص جو اسلام لانے کے بعد کافر ہوجائے یا وہ شخص جو کسی جرم کے بغیر کسی کو قتل کردے ، تو ایسے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی " ۲۹

لیکن جملہ " حسابہ علی الاسلام " کے متعلق صحیح مسلم کی شرح نووی میں وارد ہوا ہے :" جو بھی اسلام کا اظہار کرے اور اپنے کفر کو مخفی رکھے تو اس کا ظاہری اسلام قبول کیا جائے گا۔یہ عقیدہ، اکثر علماء نے اپنایا ہے" ۳۰

قسم دوم: مسلمان ہونے کی پانچ شرطیں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مسلمان ہونے کی پانچ شرطیں بیان کی گئی ہیں ،اس موضوع سے متعلق بے شمار روایتیں ہیں جو مختلف تعبیروں کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔

ان میں سے بعض روایتیں قسم اول کی روایتوں کی طرح ہیں لیکن جو جواب آنحضرتؐ نے دیا ہے اس میں خدا کی وحدانیت کے اقرار کے علاوہ دیگر شرطوں کی طرف بھی اشارہ ہوا ہے ۔ ۳۱

ان روایتوں کا مضمون یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے:

۱۔ کلمہ شہادتین کی گواہی دینا
۲۔ نماز کو قائم کرنا
۳۔ زکات دینا
۴۔ حج کرنا
۵۔ رمضان کے روزے رکھنا۔ ۳۲

البتہ صحیح مسلم میں اور بھی روایتیں ہیں جو اسی روایت کے مضمون سے بہت مشابہ ہیں بس فرق اتنا ہے کہ ان روایتوں میں جملہ "شهادة ان لا اله الا الله وان محمداً عبده و رسوله " کے بدلے جملہ " علی ان یوحد الله " موجود ہے ۔ ۳۳ اسی طرح ایک دوسری روایت میں ایک دوسرا جملہ "علی ان یعبد الله ویکفر بما دونه " مندرج ہے۔ ۳۴

اسی مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے نووی کہتے ہیں:

"لیکن چوتھی روایت میں کلمہ شہادتین میں سے صرف پہلی شہادت کی گواہی کی طرف اشارہ کرنا یا تو راوی کی کوتاہی کی وجہ سے دوسری گواہی مذکور نہیں ہے یا پھر یہ روایت اسی شکل میں وارد ہوئی ہے اور دوسری گواہی کا ذکر نہ ہونا قرینہ کی وجہ سے ہو کہ جب ایک گواہی کا تذکرہ ہوگیا ہے تو لامحالہ اس کے بعد دوسری گواہی کی ضرورت ہوگی " ۔ ۳۵

" مذکورہ تمام روایتوں میں کلمہ شہادتین کی گواہی اور اسلام کے کچھ ظاہری احکام کی پابندی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ، ایک مجہول انسان کے اسلام اوراس کے مسلمان ہونے کا پتہ لگانے کے لئے اسلام میں کچھ شرطیں بیان کی گئی ہیں جنہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

۱۔ گفتار : کلمہ شہادتیں " اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمّداً رسول الله " کی گواہی دینا۔

۲۔ کردار : مسلمانوں سے مخصوص اعمال کو بجا لانا جیسے؛ نماز پنجگانہ ،ماہ رمضان کے روزے اور حج۔

لا الہ الا اللہ کی گواہی کے بعد قتل ممنوع وحرام

صحیح بخاری اور مسلم میں کچھ ایسی روایتیں ہیں جو دوسروں کو کافر کہنے کے متعلق اسلام کی خاص حساسیت کو نمایاں کرتی ہیں ، جیسا کہ ایک روایت میں پیغمبر اکرم ﷺ اپنے اصحاب کو سمجھاتے ہیں کہ ہر گز اس کافر کو قتل نہ کرو جو خوف و ترس کی وجہ سے اپنی زبان پر کلمہ شہادتین کو جاری کرتا ہے ، کیونکہ ایسی صورت میں ایک مسلمان کو مذہبی اختلافات اور اسلام کی غلط تفسیر کی وجہ سے کافر اور اس کے قتل کا بھی حکم دیا جاسکتا ہے ۔

اس مدعیٰ سے متعلق روایتیں:

" اسامہ بن زید نقل کرتے ہیں: " پیغمبر اکرم ﷺ نے ہمیں ایک قبیلہ سے جنگ کے لئے روانہ فرمایا ، جب صبح ہوئی تو ہم قبیلہ جُھینہ کے حرقہ نامی قبیلہ والوں کے درمیان تھے ، میں نے اس قبیلہ کے ایک فرد کا تعاقب کیا ، وہ مجھے دیکھ کر سہم گیا اور خوف سے کہنے لگا " لا الہ الا اللہ " لیکن میں نے اسے اپنے نیزے سے ختم کردیا ، اس کے بعد اپنے اندر احساس کرنے لگا کہ میرا یہ کام غلط تھا لہٰذا اس کام کی خبر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی تو آپؐ نے فرمایا : " أقال لاالہ الااللہ وقتلتہ؟" کیا تم نے ایک ایسے شخص کو قتل کردیا جس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا؟ میں نے عرض کیا : " ہاں !انماقالھاخوفامن السلاح " اس نے میرا اسلحہ دیکھ کر خوف و ترس سے یہ کلمہ اپنی زبان پر جاری کیا تھاتو حضرتؐ نے فرمایا : " أفلا شققت عن قلبہ حتی تعلم أقالھا أم لا ،فمازال یکرّرھا علیّ حتی تمنیّتُ انی اسلمت یومئذ"؛ کیا تم نے اس کا سینہ شگافتہ کرکے دیکھا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ کہہ رہا ہے ، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جملہ باربار دہرا رہے تھے اور یہ دیکھ کر میں یہ آرزو کررہا تھا کہ اے کاش! میں آج کے روز مسلمان ہوا ہوتا"۔۳۶

ایک دوسری روایت جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں وارد ہوئی ہے اس میں اس نکتہ کی طرف تاکید ہوئی ہے کہ ہر گز اسے قتل نہ کرو جس نے اپنی زبان پر " لا الہ الا اللہ " جاری کردیا ہے ، روایت کا مضمون ملاحظہ ہو؛ " میں نے رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا :جب ہم کفار سے جنگ کرر ہے ہوں تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک کافر مجھ سے برسر پیکار ہے اور میرا

ہاتھ کاٹ دیتا ہے لیکن جب میں پلٹ کر اس پر حملہ کرتا ہوں تو وحشت سے درخت کے پیچھے چھپ جاتا ہے اور اپنی زبان پر کلمہ " لا الہ الا اللہ " کو جاری کرتا ہے اور اسلام کا اظہار کرتا ہے تو کیا میں ایسی صورت میں اس کے اظہار اسلام کے بعد اسے قتل کرسکتا ہوں حضرت نے فرمایا : تمہیں اسے قتل کرنے کا حق نہیں ہے ، میں نے کہا : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! اس نے اس وقت اسلام کا اظہار کیا جب اس نے میرا ہاتھ زخمی کردیا اور جب میں نے اس پر پلٹ کر حملہ کیا تب اس نے اقرار کیاتو کیا اسے قتل کرسکتا ہوں آنحضرتؐ نے فرمایا :اگر تم نے اسے کلمہ " لا الہ الا اللہ " کہنے کے بعد قتل کیا تو وہ تمہارے ہی جیسا ہے یعنی وہ تمہارے جیسا ایک مسلمان ہے اور اگر اسے قتل کردیا توتم بھی اس کے اسلام لانے سے پہلے کی طرح اسی کے جیسے ہوجاؤ گے "۔ ۳۷

نووی (متوفی ۶۷۶ ھ) مذکورہ حدیثوں کے سلسلہ میں کہتے ہیں:

" حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان ظاہر کا پابند ہے اور اس اقرار کا پابند ہے جو زبان سے جاری ہو ، اسلئے کہ کسی کو نہیں معلوم کہ کہنے والے کے دل میں کیا ہے ، اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ کے ظاہر پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے انہیں متوجہ کیا اور ان کے عمل کو غلط قرار دیا۔ ۳۸

مسلمانوں کی تکفیر سے منع کرنا

تکفیری جماعت بڑی آسانی سے ان لوگوں کے کفر کا فتوا دیتی ہے جو ان کے موافق نہیں ہے اور انہیں اسلام سے خارج قرار دیتی ہے ، تکفیر کا مسئلہ خود ان کے درمیان بھی پایا جاتا ہے اور وہ بھی اپنے درمیان ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں ، نمونے کے طور پر دومثالیں ملاحظہ کریں:

پہلا نمونہ : شیخ عبداللطیف بن عبد الرحمٰن نے امیر عبداللہ بن فیصل کو عثمانی حکومت سے مدد مانگنے کی وجہ سے ان کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا لیکن جب امیر عبداللہ بن فیصل شہر ریاض پر قابض ہوگیا تو بڑھ کر اس کی بیعت کرلی اور فتویٰ دیا کہ وہ دوبارہ مسلمان ہوگیا ہے ۔ ۳۹

دوسرا نمونہ : حسن بن فرحان مالکی نے اپنی کتاب " داعیة ولیس نبیا" کی تیسری فصل میں غیروں کی تکفیر کے ستائیس (۲۷) موارد سند کے ساتھ بیان کئے ہیں ، منجملہ:

اہل مکہ اور اہل مدینہ سب کے سب کافر ہیں اور جس نے بھی محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کو قبول کرلیا ہے لیکن اس کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کے اجداد مسلمان اس دنیا سے گئے ہیں تو وہ بھی کافر ہے، اشاعرہ بھی کافر ہیں اسلئے کہ انہیں شہادتین کا مطلب نہیں معلوم "۔ یہ فتویٰ اس وقت دیا گیا تھا جب ان لوگوں نے وہابیوں کی پیروی نہیں ۴۰؎

سالم البہنساوی اپنی کتاب کی چھٹی فصل میں لکھتے ہیں:

ایک گروہ جو "الجماعۃالمومنۃ" کے نام سے مشہور تھا اوراس کے افراد تکفیری ٹولے کی حمایت میں ہجرت کے عنوان سےاخبار وغیرہ نکالتے تھے ، اچانک وہ اندیشہ تکفیر کی حمایت کرنے والوں سے الگ ہوگئے اسلئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ جو بھی اپنی جان محفوظ رکھنے یا قیدخانہ سے بآسانی باہر نکلنے کے لئے حکومت کا ساتھ دے اور جو بھی ایک ایسے شخص کے سلام کا جواب دے جو تکفیری ٹولے سے نہیں ہے وہ کافر ہے اسلئے کہ سلام کا جواب دینا اس شخص کے مومن ہونے کی گواہی دینے کے مترادف ہے جب کہ اصل یہ ہے کہ پورا سماج اور اسلامی معاشرہ کافر ہوچکا ہے ۔ ۴۱؎

جب کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد روایتوں میں کسی مسلمان کو کافر کہنے کے لئے منع کیا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت اس حد تک شدید ہے کہ ایک مسلمان کو کافر کہنا خود کے کافر ہونے کے برابر سمجھا گیا ہے ،ایسی روایتیں مختلف مضامین کے ساتھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں وارد ہوئی ہیں۔

ایک روایت میں منقول ہے:

" اگر کوئی شخص کسی ایک مسلمان شخص کو کہے : یا کافر !تو یہ کفر ان میں سے کسی ایک طرف پلٹے گا۔" ۴۲؎

مذکورہ روایت میں ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف کفر کے پلٹنے کی توضیح دیتے ہوئے قسطلانی کہتے ہیں:

"جو شخص کسی دوسرے شخص کو کفر سے متہم کرتا ہے اگر وہ اپنے قول میں سچا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کافر ہے لیکن اگر اس نے جھوٹی نسبت دی ہے یعنی اس نے اپنے گمان میں ایمان کو کفر گردانا ہے تو ایسی صورت میں وہ خود کافر ہوگیا ہے ۔ ۴۳؎

وہ روایتیں جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کسی مسلمان کو کافر کہنے سے ممانعت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں ، ان کے مضامین مختلف ہیں:

بعض روایتوں کو کسی مومن کی طرف کفر کی نسبت دینا اسے قتل کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔۴۴ یا ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے یا یہ کہے :اے خدا کے دشمن ! جب کہ وہ شخص ایسا نہ ہوتو یہ تمام نسبتیں خود کہنے والے کی طرف پلٹ جاتی ہیں۔ ۴۵

تکفیری ٹولے نے مسلمانوں کو جن مشکلات سے روبرو کیا ہے ان میں سے ایک مشکل ان کا قتل عام اور اسلحوں سے ڈرانا دھمکانا ہے ، جس کی وجہ سے بہت سے مسلمان بے گھر اور دوسرے شہروں کی طرف ہجرت کے لئے مجبور ہوگئےجب کہ بے شمار روایتیں ایسی وارد ہوئی ہیں جن میں مسلمانوں کو اسلحے سے ڈرانے یا دھمکانے سے منع کیا گیاہے بعنوان مثال صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں دو باب اسی موضوع سے متعلق موجود ہیں:

" باب قول النبی ؛ من حمل علینا السلاح فلیس منا " و "باب النھی عن الاشارۃ بالسلاح الی مسلم " اور ایک روایت جو دونوں کتابوں میں یکساں وارد ہوئی ہے ، اس کا مضمون ملاحظہ ہو :" پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :تم میں سے کوئی بھی دوسرے کو اسلحہ سے اشارہ نہ کرے (یعنی اسلحہ سے نہ ڈرائے)۔۔۔" ۴۶

ایک روایت جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں وارد ہوئی ہے ، اس کا مضمون یہ ہے کہ : مسلمانوں کے درمیان جنگ جہنم میں داخل ہونے کا باعث ہے" یا ایک دوسری تعبیر بھی وارد ہوئی ہے کہ قاتل و مقتول دو نوں جہنم میں ہیں اور اس میں سبب کو بیان کرتے ہوئے وارد ہوا ہےکہ مقتول اسلئے جہنم میں جائے گاکہ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے کے سلسلہ میں بہت زیادہ حریص تھا"۔ ۴۷

ایک دوسری روایت میں مسلمانوں کو قتل کرنا کفر کے برابر جانا گیا ہے ۔ ۴۸ اس روایت میں کفر کی تعبیر کے سلسلہ میں نووی کے بیان کے مطابق اسلام سے خارج ہونے کے معنی میں نہیں ہے ۔ ۴۹ بلکہ یہاں کفر سے مراد کفر اصغر ہے۔

شرک، مسلمانوں کی تکفیر کا ایک سبب

محمد بن عبد الوہاب کے افکار کو نجد میں جنم لیتے ہی مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے لئے جس بہانے کو دلیل بنایا گیا، وہ شرک کا مسئلہ تھا، یہی بہانہ آج تکفیری ٹولہ کا بھی ہے جب کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایتوں کے پیش نظر پیغمبر اکرم ﷺ نے بارہا اپنی امت کے مشرک نہ ہونے کی تاکید کی ہے لہٰذا آج مسلمانوں کے سماج میں شرک ہرگز ایک عظیم مشکل نہیں بن سکتی، اسلئے کہ عملی طور پر ایک مسلمان خدا کی وحدانیت اورآنحضرتؐ کی رسالت کے اقرار کے بعد ہرگز مشرک نہیں ہوسکتا، پس محمد بن عبد الوہاب کا اوراسکے بعد تکفیری ٹولے کا اپنے مخالف مسلمانوں کو شرک سے متہم کرنا حقیقت میں پیغمبر اکرم ﷺ کے فرمودات سے بالکل متضاد ہے۔

متعدد روایتوں میں وارد ہوا ہے: "وإنّی واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی " خدا کی قسم ! میں اپنے بعد تمہارے مشرک ہونے سے خائف نہیں ہوں، یہ تعبیر متعدد روایتوں میں وارد ہوئی ہے۔ ۵۰

حاکم اوررعیت کی تکفیر

آج تکفیری ٹولہ اپنی جنایتوں اور ظلم وجور کی توجیہ اور ان پر پردہ پوشی کے لئے حکام اور ان کی حکومت میں رہنے والی عوام کی تکفیر کو بہانہ بنائے ہوئے ہے، اس دور میں زیادہ تر اسلامی حکمراں حکومت چلانے اور احکام کو نافذ کرنے میں اسلامی و غیر اسلامی قوانین سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، یہی امر باعث ہوا کہ آج تکفیری ٹولہ قرآن کی آیت " و من لم یحکم بما انزل اللہ فأولئک ھم الکافرون" ۵۱ (اور جو بھی خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ کرے تو وہ کافروں سے ہے") کو ہتھکنڈہ بناتے ہوئے حکام اور ان کے سائے میں رہنے والے مسلمانوں کو کافر کہہ رہا ہے، بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

محمد عبد السلام فرج اپنی کتاب "الفریضۃ الغائبہ" میں اس طرح لکھتے ہیں:

" جو احکام مسلمانوں کے درمیان رائج ہیں وہ کفر کے احکام ہیں بلکہ یہ وہ قوانین ہیں جنہیں کفار نے وضع کئے ہیں اوراس طرح لوگوں نے مسلمانوں کی زندگی سے متعلق نظام معین کردیا ہے جب کہ خداوند عالم سورہ مائدہ میں فرماتا ہے : " ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاُولئک ھم الکافرون" : جو بھی خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ کرے وہ کافروں سے ہے ۔ لہٰذا جو بھی کفار کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرے وہ کافر ہے اور اس کا قتل واجب ہے یہاں تک کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے احکام کی طرف پلٹ آئیں۔ ۵۲

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اسلامی حکمران کے متعلق روایتوں کی جستجو سے پہلے ضروری سمجھتے ہیں کہ مذکورہ آیت جسے تکفیری ٹولے نے ہتھکنڈا بنایا ہے اور اس سے استدلال کرتے پھر رہے ہیں اس کے سلسلہ میں کچھ توضیحات پیش کریں:

حقیقت تو یہ ہے کہ مذکورہ آیت ان لوگوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے جو حکم خدا کے منکر ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں اور ہرگز وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو نفسانی خواہشات یا لاپرواہی کی وجہ سے ان پر عمل نہیں کرتے ، اسی آیت کے ذیل میں ابن ابی حاتم جناب ابن عباس سے ایک روایت نقل کرتے ہیں:

"جو بھی خدا کے نازل کردہ احکام کا انکار کرے وہ کافر ہے لیکن جو اسے مانتا تو ہے لیکن اس کے مطابق حکم نہیں کرتا وہ ظالم و فاسق ہے "۔ ۵۳

اسی طرح وہ رسالے جو اہل سنت کے عقائد کے سلسلہ میں تحریر کئے گئے ہیں ، ان تمام رسالوں میں ظالم حاکم کی پیروی اور اس کے خلاف خروج نہ کرنے کی بڑی تاکید ہوئی ہے جیسے کہ رسالہ " العقیدۃ الطحاویۃ" جو اہلسنت کے عقائد کا ایک مشہور مجموعہ ہے نیز سلفیوں اور وہابیوں کی مرجع کتابوں میں سے ہے اور اب تک اس کی متعدد شرحیں لکھی جاچکی ہیں ، ایسی مشہور کتاب میں واضح طور پر ظالم حاکم کی پیروی اور اس کے خلاف خروج نہ کرنے کی طرف ایک مسلم عقیدہ کی حیثیت سے اشارہ کیا گیا ہے ۵۴ اور اسی مطلب کی طرف مذکورہ کتاب کی شرح کرنے والوں نے بھی اشارے کئے ہیں۔ ۵۵

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ایسی روایتیں مذکور ہیں جن میں ظالم حاکم کی پیروی اور اس کے خلاف خروج نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے گرچہ ان روایتوں میں اتنا ضرور وارد ہوا ہے کہ اگر ظالم حاکم، شریعت کے خلاف کوئی دستور دے تو اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے لیکن اسے قتل اور اس کے ساتھ جنگ نہیں کی جاسکتی۔

صحیح بخاری میں اسی موضوع سے متعلق ایک باب "باب السمع والطاعة للامام " کے نام سے موجود ہے جس میں ایک روایت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہوئی ہے ؛ آپ فرماتے ہیں:

" سننا اور اطاعت کرنا حق ہے مگر یہ کہ گناہ کا حکم دیا جائے لہٰذا جب گناہ کا حکم دیا جائے تو پھر کوئی سننا اور اطاعت کرنا نہیں ہے " ۵۶۔ یہی روایت اسی مضمون کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی وارد ہوئی ہے ۔ ۵۷

شرح ابن بطال (متوفی ۴۴۹ ھ) جو صحیح بخاری کی شرح ہے ، اس میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے : خوارج اس حدیث کے ذریعہ احتجاج کرتے تھے اور ظلم و ستم کے وقت ظالم حکمرانوں کے خلاف، خروج اور ان کے ساتھ جنگ کرنے کو واجب سمجھتے تھے جب کہ جمہور علماء کا عقیدہ ہے کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف قیام کرنا اور انہیں معزول کرنا واجب نہیں ہے مگر یہ کہ وہ ظالم و جابر حکمراں مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوجائے اور نماز کو قائم کرنا چھوڑ دے لیکن اگر معاملہ اس حدتک نہ ہو تو پھر قیام اور اس سے جنگ واجب نہیں ہے ،جب تک ظالم حکمراں کا حکم چلتا ہو اور لوگ اس کی اطاعت کرتے ہوں ، اس کے خلاف قیام نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ اس کے خلاف قیام نہ کرنے سے مال و ناموس اور خون محفوظ رہتا ہے لیکن ان کے خلاف قیام کرنے کی وجہ سے اختلاف اور فتنہ و فساد برپا ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ان کے ظلم کے خلاف قیام کرنا جائز نہیں ہے ۔ ۵۸

جس طرح اس روایت میں ہےاور اسکی شرح جسے ایک زبردست اہلسنت کے عالم دین نے لکھی ہےاس میں بھی مذکور ہے کہ خوارج کے علاوہ پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ظالم حاکم کے خلاف قیام کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ دین سے خارج ہوگیا ہویااس نے نماز پڑھنا

چھوڑ دیا ہو ، اورخونریزی کو روکنے اور مسلمانوں کی جان و مال کو بچانے جیسے امور کے لئے ظالم حکمراں کے خلاف قیام کرنا جائز نہیں ہے ۔

اسی مطلب کو صحیح مسلم میں بھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ باب " باب وجوب الانکار علی الامراء فیما یخالف الشرع و ترک قتالھم ما صلّوا و نحو ذٰلک " میں وارد ہوا ہے : کیا وہ حکمراں جنہیں قبول نہیں کیا گیا ان کے ساتھ جنگ کی جاسکتی ہے ، آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا : نہیں، جب تک کہ وہ نماز قائم کررہے ہوں۔ ۵۹

یا ایک دوسری روایت جو باب " باب الامر بلزوم الجماعۃ عند ظھور الفتنِ و تحذیر الدعاۃ الی الکفر" میں وارد ہوئی ہے ، اس میں حاکم کی اطاعت اور اس کے خلاف قیام نہ کرنے کی واضح الفاظ میں تاکید وارد ہوئی ہے ، پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

" میرے بعد ایسے رہنما اور حکمراں آئیں گے جو میرے راستے پر نہیں ہوں گے اور میری سنت پر عمل پیرا نہیں ہوں گے اور ان کے درمیان ایسے لوگ ہوں گے جن کے انسانی بدن میں شیطانی دل ہوں گے ، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا : یا رسول اللہ ﷺ ! اگر ہم ایسے حالات سے روبرو ہوئے تو ہمارا وظیفہ کیا ہوگا آنحضرتؐ نے فرمایا :اپنے حاکم کی اطاعت کرنا گرچہ تمہاری پشت پر مارا جائے اور تمہارا مال لوٹ لیا جائے لہٰذا حاکم کی سننا اور اطاعت کرنا"۔ ۶۰

عورتوں اور بچوں کا قتل عام

منجملہ وہ موارد جنہیں تکفیری ٹولے پیغمبر اکرم ﷺ کی سنت کے خلاف انجام دیتے ہیں "عورتوں اور بچوں کا قتل عام ہے" ، جب کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے کھلے الفاظ میں عورتوں اور بچوں کے قتل عام سے منع کیا ہے ، اس سلسلہ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایسی روایتیں ہیں جو اس مطلب کو بیان کرتی ہیں ، یہاں بطور نمونہ صرف ایک روایت کو بیان کیا جاتا ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یکساں وارد ہوئی ہے:

کسی جنگ میں پیغمبر اکرم ﷺ کو خبر دی گئی کہ ایک عورت ملی ہے جس کا قتل ہوا ہے ، یہ سن کر پیغمبر ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنے کا فرمان صادر کیا۔ ۶۱

نتیجہ

جو روایتیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں وارد ہوئی ہیں ، ان کے پیش نظر آج تکفیری ٹولے جو کچھ اسلام کے نام پر انجام دے رہے ہیں وہ پیغمبر اکرم ﷺ کی سنت کے خلاف ہے اسلئے کہ پیغمبرؐ کی سنت کا معیار یہ ہے کہ مسلمانوں کے اعمال کو ظاہر پر حمل کیا جائے لہٰذا وہ لوگ جو اپنی زبان پر کلمہ شہادتین جاری کرتے ہیں اور بعض اعمال جیسے نماز پر ایمان رکھتے ہیں وہ مسلمان ہیں، فقط وہ چند موارد جن میں اسلام کی مقدس شریعت نے مسلمانوں کی جان و مال اور خون کو محفوظ جانا ہے ، جیسے کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو قتل کردے یا خدا کا انکار کردے اور کافر ہوجائے تو اسلامی فقہاء نے پیغمبرؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ایسے اعمال کے لئے حدیں معین کی ہیں او ر جو لوگ حکام کو کافر قرار دیتے ہیں وہ حقیقت میں صحیح بخاری اور مسلم میں منقول سنت کے خلاف عمل کررہے ہیں اسی طرح عورتوں اور بچوں کے ساتھ براسلوک بھی پیغمبر اکرم ﷺ کی سنت کے خلاف ہے ۔

حوالے:

۱۔ مؤسسہ تحقیقاتی دار الاعلام لمدرسۃ الاہل البیت کے محقق

۲۔ صحیح بخاری ، محمد بخاری (ابوعبد اللہ محمد ابن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بخاری جعفی) (۱۹۴ ۔ ۲۵۶ ق) امام بخاری کے لقب سے مشہور ہوئے اور یہ کتاب اہل سنت کے درمیان سب سے زیادہ معتبر جانی جاتی ہے ۔

۳۔ صحیح مسلم ، مسلم نیشاپوری (۲۰۶۔۲۶۱ھ)اس کتاب میں آنحضرتؐ سے منقول روایتیں جمع کی گئی ہیں،اور صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم، مسلم نیشاپوری اہلسنت کے درمیان سب سے زیادہ معتبر ہے۔

۴۔ابن فارس ، معجم مقاییس اللغۃ ، ج ۵، ص ۱۹۱

۵۔ابن منظور ، لسان العرب ، ج ۵، ص ۱۴۸

۶۔الازہری ، تہذیب اللغۃ ، ج ۱۰،ص ۱۱۴

۷۔ابن فارس ، معجم مقاییس اللغہ ج۱۰، ص ۱۹۱

۸۔جوہری ، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ ، ج ۲، ص ۸۰۸

۹۔ابن منظور ، لسان العرب ، ج ۵ ص ۱۴۴

۱۰۔ابن صلاح ، مقدمہ ابن صلاح فی علوم الحدیث ، ص ۲۳

۱۱۔ابن صلاح ، مقدمہ ابن الصلاح (معرفۃ انواع علوم الحدیث) ص ۲۸ : أعلاھا الاول ، وھو الذی یقول فیہ اھل الحدیث کثیراً صحیح متفق علیہ" ، یطلقون ذلک ویعنون بہ اتفاق البخاری و مسلم لا اتفاق الامۃ علیہ لکن اتفاق الامہ علیہ لازم من ذلک وحاصل معہ"۔ ان تمام حدیثوں میں سب سے الی اور معتبرین ترین حدیث وہ ہے جس کے لئے اہل حدیث نے بارہا کہا ہے" صحیح متفق علیہ " اس نام کو درجہ اول کی حدیثوں پر اطلاق کرتے ہیں اور ایسی حدیثوں کو " اتفاق بخاری اور مسلم" کا عنوان دیتے ہیں ، یہاں اتفاق امت مراد نہیں بلکہ اتفاق امت اس امر کا لازمہ ضرور ہے۔

۱۲۔شرح النووی علی مسلم ، ج ۱، ص ۱ :" اتفق العلماء رحمھم اللہ علی أن أصح الکتب بعد القرآن العزیز الصحیحان البخاری و مسلم وتلقتھما الامۃ باالقبول "۔

۱۳۔ ابن حجر ، نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر ، ص ۶۰

۱۴۔سخاوی ، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث ، ج ۱، ص ۷۳ : " قد وافق اختیار ابن الصلاح جماعۃ من المتاخرین مع کونہ لم ینفرد بنقل الاجماع علی التلقی بل ھو فی کلام امام الحرمین ایضا؛ فانہ قال لإجماع علماء المسلمین علی صحتھما وکذا ھو فی کلام ابن طاھر وغیرہ ولاشک ۔ کما قال عطاء۔ ان ما اجمعت علیہ الامۃ اقوی من الاسناد۔"

۱۵۔ صحیح البخاری ، ج ۱، ص ۱۵، بابکفر دون کفر، قال: قال النبی ":اریت النار فاذا اکثر اھلھا النساء یکفرن" قیل: أ یکفرون باللہ؟ قال: یکفرن العشیر، ویکفرن الاحسان لو احسنت الی احداھن الدھر ثم رات منک شیئا قالت ما رایت منک خیراً قط"

۱۶۔ صحیح مسلم ، ج ۲، ص ۶۲۶، باب ما عرض علی النبی فی صلاۃ الکسوف من امر الجنۃ والنار۔

۱۷۔ ابن بطال ، شرح صحیح البخاری ، ج ۱، ص ۸۹

۱۸۔ابن حجر ، فتح الباری ، ج ۱، ص ۸۳

۱۹۔ عینی ، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ، ج ۱، ص ۲۰۳

۲۰۔سورہ بقرہ آیت نمبر ۶

۲۱۔جامع البیان فی تفسیر القرآن ، ج ۱، ص۸۶ واما معنی الکفر فی قولہ: فانہ الجحود وذلک ان الأحبار من یھود المدینۃ جحدوا نبوۃ محمد ﷺ وستروہ عن الناس۔

۲۲۔سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۵۲

۲۳۔ قرطبی ، الجامع لاحکام القرآن ، ج ۲، ص ۱۷۳، " أی لاتکفروانعمتی وأیادی ، فالکفرھناسترالنعمۃ لا التکذیب " ۔

۲۴۔مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین ، ج ۱، ص ۳۴۴ : فاماالکفرفنوعان :کفراکبر وکفر اصغر ۔

۲۵۔النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر ، ج ۴، س ۳۴۰

۲۶۔مروزی ، تعظیم قدر الصلاۃ ، ج ۲، ص ۵۲۷: الکفرکفران؛احدھماینقل عن الملۃ والاخر لاینقل عنھا

۲۷۔ صحیح البخاری ، ج ۲، ص ۱۰۵ باب وجوب الزکاۃ: " وقد قال رسول اللہ: امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا: لا الہ الا اللہ فمن قالھا فقد عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ " : اور صحیح البخاری ، ج ۴، ص ۴۸، باب دعا النبیؐ : الناس الی الاسلام والنبوۃ وان لایتخذ بعضھم بعضا اربابا من دون اللہ۔

۲۸۔ صحیح مسلم ج ۱، ص ۳۸، أن اباھریرۃ اخبرہ ان رسول اللہ ﷺ قال:"امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قال لا الہ الا اللہ عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ "

۲۹۔ مجمع الزوائد ، ج ۱، ص ۲۵، طبری ، محمد بن جریر ، جامع البیان ، ج ۱۵، ص ۱۰۳ طبرانی ، لمعجم الاوسط ، ج،۳ ص ۳۰۰

۳۰۔ شرح النووی علی مسلم ،ج ،۱ ص ۲۰۶

۳۱۔ صحیح البخاری ج ،۱ ص ،۱۴ باب: "فان تابوا واقاموا الصلاۃ وآتوا الزکاۃ فخلوا سبیلھم"ان رسول اللہ ﷺ قال: "امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمّد رسول اللہ ، ویقیموا الصلاۃ یوتوا الزکاۃ ، فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دمائھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ" و صحیح مسلم ، ج ۱، ص ۳۹، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

۳۲۔ایضاً باب قول النبی:"بنی الاسلام علی خمس" قال: قال رسول اللہ: بنی الاسلام علی خمس:شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلاۃ وایتاء الزکاۃ والحج ، وصوم رمضان" صحیح مسلم ، ج ۱، ص ۳۴، باب قول النبی ﷺ " بنی الاسلام علی خمس"

۳۳۔سابق حوالہ

۳۴۔سابق حوالہ

۳۵۔شرح النووی علی مسلم ، ج ۱، ص ۱۷۹

۳۶۔ صحیح البخاری ، ج ۵، ص ۱۴۴، باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسامہ بن زید الی الحرقات من جھینہ، یقول: بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الحرقہ ، فصبحنا القوم فھزمناھم ولحقت انا ورجل من الانصار

رجلا منهم فلما غشيناه ، قال: لا اله الا الله فكف الانصاری فطعنته برمحی حتی قتلته فلما قدمنا بلغ النّبی (ص) فقال: یا اسامه اقتلته بعد ما قال لا اله الا الله ، قلت: كان متعوذاً فما زال یكررها ، حتی تمنیت انی لم اكن اسلمت قبل ذلك الیوم وصحیح مسلم ، ج ۱، ص ۹۷، باب تحریم قتل الكافر بعد ان قال: لا اله الا الله

۳۷۔ صحیح البخاری ، ج ۵، ص ۸۵، كتاب المغازی ، اخبره انه قال لرسول الله ﷺ: ارایت ان لقیت رجلا من الكفار فاقتتلنا ، فضرب احدی یدی بالسیف فقطعها ثم لاذ منی بشجرة فقال: اسلمت لله أأقتله یا رسول الله بعد ان قالها؟ فقال رسول الله ﷺ لا تقتله ، فقال: یا رسول الله انه قطع احدی یدی ، ثم قال ذلك بعد ما قطعها؟ فقال رسول الله (ص) "لا تقتله فان قتلته فانه بمنزلتك قبل ان تقتله وانك بمنزلته قبل ان یقول كلمته التی قال" و صحیح مسلم ، ج ۱، ص ۶۶ ،كتاب الایمان ، باب تحریم قتل الكافر بعد ان قال لا اله الا الله۔

۳۸۔ نووی ، شرح نووی بر صحیح مسلم ، ج ۲، ص ۱۰۴

۳۹۔ حسن بن فرحان ، داعیہ لیس نبیا ، ص ۱۲۳، منقول از كتاب " الدر السنیة ، ج ۹، ص ۲۲

۴۰۔ سابق حوالہ ، ص ۱۱۳۔۱۱۷

۴۱۔ ر ، ك : سالم بهنساوی ، الحكم وقضیة تكفیر المسلم (نقد و بررسی اندیشہ ہای تکفیری) ص ۲۰۷۔۲۰۸

۴۲۔ صحیح البخاری ، ج ۸، ص۲۶ ، باب من كفر اخاه بغیر تاویل فهو كما قال؛ ان رسول لله قال : "اذا قال الرجل لاخیه یا كافر، فقد باء به احدهما،" صحیح مسلم ، ج ۱، ص۔۵۶ باب بیان حال ایمان من قال لاخیه المسلم یا كافر،

۴۳۔ قسطلانی ، ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ، ج ۹، ص ۶۵

۴۴۔ صحیح البخاری ، ج ۸، ص ۱۵، باب ماینهی من السباب واللعن"۔۔۔ من لعن مومنا فهو كقتله و من قذف مومنا بكفر فهو كقتله"

۴۵۔ صحیح مسلم ، ج ۱، ص ۵۷ "۔۔۔ بالكفر او قال عدو الله ولیس كذلك إلّا حار علیه"

۴۶۔ صحیح البخاری ، ج ۹، ص ۴۹، باب قول النبی ﷺ : "من حمل علینا السلاح فلیس منا" و صحیح مسلم ج ۴، ص۲۰۲۰ باب النهی عن الاشاره بالسلاح الی مسلم، قال رسول الله ﷺ : " لا یشیر احدكم الی اخیه بالسلاح فانه لا یدری احدكم لعل الشیطان ینزغ فی یده فیقع فی حفرة من النار"

۴۷۔ اذا التقی المسلمان بسیفهما فالقاتل والمقتول فی النار" صحیح البخاری ، ج ،۱ ص ۵۱ و صحیح مسلم ، ج ۸، ص ۱۷۰

۴۸۔ صحیح البخاری ، ج ۱، ص ۱۹، صحیح مسلم ، ج ۱، ص ۵۷، ان النبی قال: "سباب المسلم فسوق و قتاله كفر"۔

۴۹۔ شرح النووی علی مسلم ، ج ۲، ص ۵۴

۵۰۔ صحیح البخاری، ج ۲ ، ص ۹۱، باب الصلوة علی الشهید؛ صحیح البخاری، ج ۵، ص۱۰۳، باب احد یحبنا ونحبه ؛ صحیح البخاری، ج۸، ص۹۰؛ باب مایحذر من زهرة الدنیا والتنافس فیها؛ صحیح البخاری ، ص ۸، ص ۱۲۱، باب فی الحوض

صحیح مسلم ج ۴، ص ۱۷۹۵، باب اثبات حوض نبیناﷺ و صفاته "۔۔۔ والله ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی، ولکن اخاف علیکم ان تتنافسوا فیها"

۵۱۔ سورہ مائدہ، آیت نمبر ۴۴

۵۲۔ محمد عبد السلام فرج، الفریضة الغائبة، ص ۴

۵۳۔ ابن ابی حاتم، تفسیر القرآن العظیم، ج ۴، ص ۱۱۴۲ یقول: من جحد الحکم بما انزل الله فقد کفر، و من اقر به ولم یحکم به فهو ظالم فاسق۔

۵۴۔ جامع الشروح والتعلیقات العلمیة علی العقیدة الطحاویة، ج ۲، ص ۵۲۷، ولا نری الخروج علی ائمتنا و ولاة امورنا وان جاروا ولا ندعوا علیهم، ولا ننزع یدا من طاعتهم ونری طاعتهم من طاعة الله عز وجل فریضة مالم یامروا بمعصیة وندعوا لهم بالصلاح والمعافاة "

۵۵۔ جامع الشروح والتعلیقات العلمیة علی العقیدة الطحاویة، ج ۲، ص ۵۲۷۔۵۴۹

۵۶۔ صحیح البخاری، ج ۴، ص ۴۹: "النبی (ص) قال: السمع والطاعة حق مالم یومر بالمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع و طاعة"

۵۷۔ صحیح مسلم ج ۳، ص ۱۴۶۹: باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة و تحریمها فی المعصیة

۵۸۔ ابن بطال، شرح صحیح البخاری، ج ۵، ص ۱۲۶

۵۹۔ قال: "ستکون امراء فتعرفون و تنکرون فمن عرف بری و من انکر سلم، ولکن من رضی و تابع"، قالوا: افلا نقاتلهم؟ قال: لا ماصلوا" صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۴۸۰

۶۰۔ صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۴۷۶: " یکون بعدی ائمة لا یهتدون بهدای ولا یستنون بسنتی و سیقوم فیهم رجال قلوبهم قلوب الشیاطین فی جثمان انس" قال: قلت: کیف اصنع یا رسول الله! ان ادرکت ذلک؟، قال: "تسمع و تطیع للامیر وان ضرب ظهرک واخذ مالک فاسمع واطع"

۶۱۔ صحیح البخاری، ج ۴، ص ۶۱، صحیح مسلم ج ۳، ص ۱۳۶۴، باب قتل الصبیان فی الحرب: ان عبد الله، اخبره ان امراة وجدت فی بعض مغازی النبی مقتولة، "فانکر رسول الله قتل النساء والصبیان.

منابع

۱۔ ابن ابی حاتم، عبد الرحمٰن بن محمد، تفسیر القرآن العظیم، (ابن ابی حاتم)، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، چاپ سوم، عربستان سعودی ۱۴۱۹ق

۲۔ ابن الاثیر، ابو السعادات المبارک بن محمد الجزری، النهایة فی غریب الاثر، الناشر: المکتبة العلمیة، بیروت ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹م

۳۔ ابن بطال، ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک، شرح صحیح البخاری لابن بطال، تحقیق: ابو تمیم یاسر بن ابراهیم، چاپ دوم، در النشر: مکتبة الرشد، السعودیة، الریاض ۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۳م

۴۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفة، بیروت ۱۳۷۹م

۵۔ نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر، تحقیق: عبد الله بن ضیف الله الرحیلی، چاپ اول، مطبعة سفیر بالریاض ۱۴۲۲ھ، ق

۶۔ ابن صلاح، ابی عمر عثمان بن عبد الرحمن؛ معرفة انواع علوم الحدیث (مقدمه ابن صلاح فی علوم الحدیث)؛ المحقق: نور الدین عتر، الناشر: دار الفکر، سوریا، دار الفکر المعاصر، بیروت ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶م

۷۔ ابن فارس بن زکریا، القزوینی الرازی، ابو الحسین، معجم مقاییس اللغه، المحقق: عبد السلام محمد هارون دار الفکر عام النشر، بیروت ۱۳۹۹ھ۔ ۱۹۷۹م

۸۔ ابن قیم الجوزیة، محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد شمس الدین، مدارج، دار السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین، محقق: محمد المعتصم بالله البغدادی دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۱۶ق۔ ۱۹۹۶م

۹۔ ابن منظور محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر، چاپ سوم، بیروت ۱۴۱۴ق

۱۰۔ الازهری الهروی، محمد بن احمد بن ابو منصور؛ تهذیب اللغة؛ المحقق: محمد عوض مرعب، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۲۰۰۱م

۱۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل صحیح بخاری، تحقیق: محمد زهیر بن ناصر، چاپ اول: دار طوق النجاة ۱۴۲۲ق

۱۲۔ بهنساوی، سالم، الحکم و قضیة تکفیر المسلم (نقد و بررسی اندیشه تکفیر) مترجم: سالم افسری، نشر احسان، تهران ۱۳۹۲

۱۳۔ جوهری فارابی؛ ابو نصر اسماعیل بن حماد؛ الصحاح تاج اللغة و صحاح العربیة؛ تحقیق: احمد عبد الغفور عطار، چاپ چهارم: دار العلم للملایین، بیروت ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷م

۱۴۔ سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن، فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث للعراقی، تحقیق: علی حسین علی، چاپ اول، مکتبة السنة، مصر ۱۴۲۴ھ، ق

۱۵۔ الطبرانی ابو القاسم، سلیمان ابن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی، المعجم الاوسط، المحقق: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن ابراهیم الحسینی، دار الحرمین، القاهرة، (بی تا)

۱۶۔ طبری ابو جعفر بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، چاپ اول: در المعرفة، بیروت ۱۴۱۲ق

۱۷۔ الطحاوی، ابی جعفر احمد بن محمد بن سلامه، جامع الشروح و التعلیقات العلمیة علی العقیدة الطحاویة، چاپ اول، دار ابدایة للاعلام والنشر، مصر ۱۴۳۱ھ۔ ۲۰۱۰م

۱۸۔ عینی ، محمود بن احمد ، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ، دار احیاء التراث العربی بیروت ، (بی تا)
۱۹۔ قرطبی محمد بن احمد؛ الجامع لاحکام القرآن ، چاپ ول : انتشارات ناصر خسرو ، تہران ۱۳۶۴ ش
۲۰۔ قسطلانی،احمد بن محمد، ارشاد الساری الشرح صحیح البخاری ،چاپ ہفتم،المطبعۃ الکبری الامیریۃ ،مصر ۱۳۲۳ ھ ق
۲۱۔ مالکی ،حسن بن فرحان ، داعیۃ لیس نبیا ، دار الرازی ، عمان ، اردن ۱۴۲۵ ، ہ ۴۰۰۲، م
۲۲۔ المروزی ، ابو عبد اللہ محمد بن نصر بن الحجاج؛ تعظیم قدر الصلاۃ ؛ محقق:د۔عبد الرحمٰن عبد الجبار الفریوائی ، چاپ اول :مکتبۃ الدار ، المدینۃ المنورۃ ۱۴۰۶
۲۳۔ مسلم بن حجاج نیشاپوری ، المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل الی رسول اللہ تحقیق :محمد فواد عبدالباقی ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت ۱۴۱۲ ق
۲۴۔ نووی ، یحییٰ بن شرف ، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج ، چاپ اول :دار احیاء التراث العربی ، بیروت ۱۳۹۲ ہ ق
۲۵۔ ہیثمی ، علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد و منبع الفوائد ، تحقیق :حسام الدین القدسی، مکتبۃ القدسی،القاہرہ ۱۴۱۴ ہ ق

تکفیر قرآن کی نظر میں

تالیف: احمد سارمی*
ترجمہ: عباس اصغر شبریز

خلاصہ

اسلام، دین صلح اور دینِ امن وامان ہے۔ یہ دین اس لئے نازل ہوا تھا تاکہ سماج کو جہالت اور نادانی کے اندھیروں سے نکال کر نور ایمان کی طرف لے جائے۔

خداوند عالم نے کافر اور مسلمان کے درمیان تفریق کرنے کیلئے ظاہری علامت کلمہ شہادتین[۱] کا انتخاب کیا تاکہ جو بھی اس کا اقرار کرے وہ مسلمان اور جو بھی انکار کرے وہ کافر کہلائے۔

رسول اسلامؐ کے زمانے میں مسلمان اصول وفروع میں متحد تھے لیکن بہت جلدی وہ خطرناک وقت بھی آیا کہ حالات بدلے اور کچھ مسلمان، اسلام کے سلسلے میں اپنی کج فہمی اور غلط نظریات کی بنا پر گنہگار مسلمانوں کو کافر گردانے لگے۔

یہ وہ بھیانک فتنہ تھا جو روز بروز پھلنے پھولنے لگا، یہاں تک کہ کچھ بڑی ہستیوں کو بھی کفر کے زمرے میں شامل کر دیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد اس فتنہ کی آگ تھوڑی سرد ہوئی اور یہ نظریہ دھیرے دھیرے ماند پڑ گیا لیکن کچھ مسلمانوں کی دینی تعلیمات سے مکمل واقفیت نہ ہونے کی بناء پر کچھ مدت کے بعد یہی فتنہ استکباری طاقتوں کا ہتھیار بن گیا اور فریب خوردہ گروہوں نے اس فکر اور عقیدے کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اس سلسلے میں اپنے ہم مسلک افراد سے ایک قدم اور آگے بڑھ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض خوارج کے شدت پسند افکار کے مطابق جو بھی اس نظریہ کو قبول نہ کرے وہ بھی کافر ہے۔

اس مضمون میں قرآن، سنت، آئمہ اور مجتہدین کی نظر میں تکفیر پر گفتگو کرتے ہوئے کوشش کی گئی ہے کہ تکفیر کے عوامل تلاش کئے جائیں اور مسلم سوسائٹی پر پڑنے والے اس کے منفی اثرات پر ایک نظر ڈالی جائے۔ نیز اس جنجال سے باہر نکلنے کی راہوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور اس ضمن میں مسلم علماء کی ذمہ داریوں اور فرائض کو بھی خلاصۃً پیش کیا گیا ہے۔

---

* حوزہ علمیہ اہل سنت، تربت جام، ایران کے استاد

۱۔ اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمداً رسول اللہ

مستعمل بنیادی اصطلاحین: قرآن، رسول اکرمؐ، اسلام، ائمہ، مجتہدین، تکفیر، تفسیق، متکلمین۔

مقدمہ

اختلافات، تفرقہ اور تکفیر ان، عوامل میں سے ہیں جو ایک دین وامت کی صلاحیتوں اور مادی و معنوی ترقیوں کا سد باب کر دیتے ہیں۔ یہی تفرقہ دشمنان اسلام کیلئے وہ تمام مواقع فراہم کر دیتا ہے جن سے وہ امت مسلمہ کو مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں لے لیتے ہیں۔ امت مسلمہ کے اندر پائی جانے والی اس خطرناک بیماری پر غور و خوض اور اس کے معالجے کیلئے ہر قسم کی کوشش آج کی بنیادی ضرورت ہے۔ کوئی بھی اسلامی فرقہ ہو، ضروری ہے کہ ان خطرناک فتنوں کے مقابلے کے لئے سامنے آئے۔ اگر ہم اسلامی دنیا پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو پائیں گے کہ اس قتل و غارت، خون خرابے اور دھماکوں نے مسلم ممالک کو مصیبتوں کے دلدل میں ڈھکیل دیا ہے۔ فلسطین، شام، عراق، پاکستان، افغانستان وغیرہ میں نہ جانے کتنا ناحق خون بہہ گیا ہے اور نہ جانے کتنے گھر اور گھرانے برباد ہو گئے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ دوسرے ممالک تو ترقی، سائنس، علم، ایجادات اور اختراعات کے راستے پر چل رہے ہیں لیکن امت مسلمہ ایک دوسرے کی تکفیر اور قتل و غارت کے درپے ہے؟ کیا یہ تشدد پسندانہ تکفیری رجحان امت مسلمہ کیلئے کسی عذاب سے کم ہے؟ کیا ہمارے علماء کو اس سلسلے میں ایک عمیق و وسیع لائحہ عمل نہیں بنانا چاہئے تاکہ دشمنان اسلام کے منصوبوں کو ناکام بنایا جاسکے؟ درحقیقت آج اسلامی دنیا کے روبرو سب سے خطرناک مسئلہ یہی تکفیری فتنہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس تکفیریت کا پودا صدر اسلام میں لگایا گیا تھا، اس طرح سے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کے مختلف فرقے دوسرے فرقوں کو کافر کہتے آئے ہیں۔ تکفیر کے سلسلے میں اہم ترین تاریخی واقعہ، خوارج کے ذریعے پھیلایا گیا شر و فساد ہے۔ خوارج، حضرت علیؑ کے دور خلافت میں واقعۂ حکمیت کے بعد معرضی وجود میں آئے تھے اور انہوں نے اپنے لئے "شراۃ" یعنی خریداران جنت یا خداوند عالم کیلئے خود کو فروخت کرنے والے کا لقب انتخاب کیا تھا لیکن مسلمان انہیں خوارج یعنی دائرۂ اسلام سے خارج شدہ کہتے تھے۔ خوارج کا سلسلہ رسول اسلامؐ کے زمانے میں موجود حرقوص نام کے ایک غیر مہذب شخص سے ملتا ہے جس کا لقب "ذوالخویصرہ" تھا۔ واقعہ یوں تھا کہ جنگ حنین کے اختتام کے بعد رسول اسلامؐ مسلمانوں کے درمیان مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ تبھی اس غیر مہذب شخص نے اعتراض کیا اور کہا کہ "یا رسول اللہ! اتق اللہ، یا رسول اللہ اعدل"! اے رسول خدا! اللہ سے ڈریئے اور مال غنیمت کو انصاف کے ساتھ تقسیم کیجئے۔ رسولؐ نے فرمایا کہ اگر میں عادل نہیں ہوں تو پھر کون ہوگا؟ اتنے میں حضرت عمر اور حضرت خالد بن ولید نے کہا کہ اے خدا کے رسولؐ! حکم دیجئے، ابھی اس کی

گردن اڑادیں، رسولؐ نے فرمایا کہ نہیں، تم اس سے کوئی مطلب نہ رکھو۔ یہ جس مذہب کا پیروکار ہے اس سے ایک گروہ پیدا ہوگا جو قرآن کی تلاوت تو کریگا لیکن یہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، مسلمانوں کو قتل کرے گا مگر کافروں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ اگر میں زندہ رہا تو اس گروہ کو قوم عاد کی طرح نابود کردونگا۔[1]

تکفیر کی وضاحت

تکفیر یعنی کسی کو کفر سے منسوب و متصف کرنا جس کے نتیجے میں یہ منسوب شدہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور نتیجہ میں دوسرے اسلامی احکام بھی اس پر عائد وجاری نہیں ہوتے یعنی ایسا شخص مسلمان نہیں ہوتا۔ اس رو سے اگر دیکھا جائے تو سماجی مسائل اور معاملات، معاشرت، عدالت، نکاح اور اکل و شرب وغیرہ میں یہ عنوان کفر بہت اہمیت کا حامل ہے۔

اسلامی سوسائٹی میں شاید ہی ایسا کوئی ہو جو لفظ کفر یا تکفیر سے آشنا نہ ہو لیکن اگر اس لفظ کے عمیق لغوی، اصطلاحی اور فقہی مفہوم پر ایک نظر ڈالی جائے تو غیر مناسب نہیں ہوگا۔

تعریف کفر

لغت میں کفر کسی چیز کو چھپانے یا پہننے یا نعمت کے انکار کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کے مقابلے میں لفظ ایمان آتا ہے۔ مثال کے طور پر کسان اور رات کو کافر کہتے ہیں کیونکہ کسان زمین میں دانوں اور بیج کو اور رات فضا کو چھپاتی ہے۔ کفر، نعمت اور کفران نعمت کا مفہوم نعمت کو چھپانا اور اس کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔

راغب نے لکھا ہے: "الکفر فی اللغة ستر الشئ ووصف اللیل لستره الاشخاص والزارع لستره والبذر فی الارض۔۔۔ وکفر نعمة وکفرانها ستره بترک اداء شکرها"[2]

کفر کا اصطلاحی معنیٰ

شرعی اصطلاح میں کفر یعنی اصول دین کی کسی اصل یا ضروریات دین میں سے کسی ایک کا قول یا فعل سے، علم رکھتے ہوئے، انکار کرنا۔

قرآن کریم نے کافروں کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کی ہیں:

اقسام توحید کا انکار یا خداوند عالم کے لئے شریک قرار دینا

۱۔ رجوع فرمائیں: عبداللہ، عبدالعزیز مہر تلی، خوارج را بہتر بشناسیم

۲۔ المفردات فی غریب القرآن، ص ۴۲۳

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم؛[۱]
یقیناً وہ لوگ کافر ہیں جن کا کہنا یہ ہے کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہیں۔
لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثۃ؛[۲]
یقیناً وہ لوگ کافر ہیں جنکا کہنا یہ ہے کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔

رسالت رسول اکرمؐ کا انکار

فلن یغفر اللہ لھم ذلک بانھم کفروا باللہ و رسولہ؛[۳]
خدا انہیں بخشنے والا نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اللہ اور رسول کا انکار کیا ہے۔

قرآن کریم کا انکار

یقول الذین کفروا ان ھذا الا اساطیر الاولین؛[۴]
کفار کہیں گے کہ یہ قرآن تو صرف اگلے لوگوں کی کہانی ہے۔

قیامت کا انکار

اولئک الذین کفروا بآیات ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم؛[۵]
یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے پروردگار کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا ہے۔

توحید عبادی کا انکار

ویعبدون من دون اللہ ما لا یضرھم ولا ینفعھم؛[۶]
اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ۔

قرآن کریم کا موقف

قرآن کریم نے ہر ایسے مسلمان کو کافر گردانے سے منع کیا ہے جو ظاہری طور پر اسلام لا چکا ہو۔اس سلسلے میں قرآن مجید فرماتا ہے:

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت ۷۲
۲۔ سورۂ مائدہ، آیت ۷۳
۳۔ سورۂ توبہ، آیت ۸۰
۴۔ سورۂ انعام، آیت ۲۵
۵۔ سورۂ کہف، آیت ۱۰۵
۶۔ سورۂ یونس، آیت ۱۸

"یا ایھا الذین آمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السّلام لست مومناً تبتغون عرض الحیاۃ الدنیا فعند اللہ مغانم کثیرۃ کذلک کنتم من قبل فمن اللہ علیکم فتبینوا ان اللہ کان بما تعملون خبیراً "۔[1]

اے ایمان والو! جب تم راہ خدا میں جہاد کیلئے سفر کرو تو پہلے تحقیق کرلو اور خبر دار جو اسلام کی پیشکش کرے اس سے یہ نہ کہنا کہ تم مومن نہیں ہو کہ اس طرح تم زندگانی دنیا کا چند روزہ سرمایہ چاہتے ہو اور خدا کے پاس بکثرت فوائد پائے جاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی شان نزول میں روایت منقول ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے اسامہ بن زید کی سربراہی میں بنی ضُمرہ سے جنگ کیلئے ایک لشکر روانہ کیا تھا۔ یہ لشکر مذکورہ قبیلے کے مِرداس نامی ایک فرد سے روبرو ہوا جس کے پاس بے حساب دولت اور سرخ اونٹ تھے۔ جیسے ہی مِرداس کا سامنا اسامہ کے لشکر سے ہوا اس نے سلام کیا اور فوراً اپنی زبان پر کلمہ شہادتین جاری کرلیا لیکن اسامہ نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی اور اس کو قتل کردیا تاکہ اس کی بے حد و حساب دولت کو مال غنیمت کے طور پر حاصل کرلیا جائے۔ واپسی پر اسامہ کے ساتھیوں نے سارا ماجرا پیغمبر اکرمؐ کے سامنے بیان کرتے ہوئے کہا کہ اے خدا کے رسولؐ! اسامہ نے تو ایک ایسے شخص کو بھی قتل کردیا جس نے لا الہ الا اللہ، محمّد رسول اللہ کا اقرار کرلیا تھا۔ رسولؐ نے سنا تو اسامہ سے فرمایا کہ تم نے یہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کے ساتھ کیا کردیا؟ اسامہ نے عرض کیا کہ اے خدا کے رسولؐ! اس نے صرف اپنی جان کی حفاظت کی خاطر کلمہ شہادتین جاری کیا تھا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر اس کے اندر کا حال پڑھ لیا تھا؟ اسی موقع پر مذکورہ آیت نازل ہوئی اور اسامہ نے قسم کھائی کہ آئندہ ایسے کسی شخص سے جنگ نہیں کریں گے جو کلمہ شہادتین کا اقرار کرلے گا۔[2]

یہ روایت اور دیگر متعدد روایات اس بات کی گواہ ہیں کہ ایسے کسی بھی شخص کو کافر یا مشرک نہیں کہا جاسکتا جس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا ہو۔ اس بہانے سے ایسے کسی بھی شخص کی جان و مال کو جائز نہیں شمار کیا جاسکتا۔

یہی وجہ ہے کہ کسی بھی دینی رہنما یا کسی بھی اہم مذہبی شخصیت نے تکفیر مسلمین کو جائز قرار نہیں دیا ہے اور نہ یہ حضرات، اہل قبلہ پر کافر و مشرک جیسے عناوین کا اطلاق کرتے تھے۔

۱۔ سورۂ نساء، آیت ۹۴

۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج۵، ص ۱۴۲

آیت کریمہ اور روایت اسامہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کا اظہار کرے یعنی شہادتین جاری کرلے تو وہ مسلمان ہے جسکی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ ہمارے پیش نظر اگر صرف یہی ایک آیت اور روایت ہوتی تب بھی ممنوعیت تکفیر اور دیگر تمام اسلامی فرقوں کے احترام کے لئے کافی تھی کیونکہ اگر کوئی شخص شہادتین کو اپنی پناہگاہ قرار دے لے تو اسکا احترام لازم ہو جاتا ہے۔ اب اس میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس غرض سے چشم پوشی کرتے ہوئے کلمہ شہادتین جاری کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا احترام دوسروں سے زیادہ ہوگا اور وہ کہیں بلند مقام کا حقدار ہوگا جس کے ساتھ دشمنی، عناد، لعن و طعن، سب و شتم اور فاسق کہنا اور تکفیر جائز نہیں ہوگی۔

مزید یہ کہ قرآن مجید ایسے دو مسلم گروہوں کے لئے بھی ایمان کا قائل ہے جو آپس میں نبرد آزما ہوں:

"وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احداھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ "الی قولہ تعالی" انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم"[۱]

"اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں جھگڑا کریں تو تم سب ان کے درمیان صلح کراؤ۔ اس کے بعد اگر ایک گروہ دوسرے پر ظلم کرے تو سب ملکر اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ بھی حکم خدا کی طرف واپس آجائے۔"

مزید قرآن میں ارشاد رب العزت ہے:

"مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو۔"

جیسا کہ صحیح حدیث میں منقول ہے کہ رسول اسلامؐ فرماتے ہیں:

"اگر دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار کھینچیں گے تو قاتل و مقتول دونوں جہنم میں ہونگے۔"

امام بخاری نے اس حدیث کے استدلال میں فرمایا ہے:

ارتکاب گناہ، کفر کا باعث نہیں ہوتا ہے۔ رسولؐ نے ایسے لوگوں کے لئے جہنم کی خبر دی ہے لیکن پھر بھی انہیں مسلمان تسلیم کیا ہے، انکی تکفیر نہیں کی ہے۔

تکفیر رسول اکرمؐ کی نظر میں

پیغمبر اسلامؐ نے ایسے حالات اور ایسے ماحول میں اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا جب معاشرۂ جہالت و نادانی، بت پرستی اور گڑھے ہوئے گمراہ ادیان کے جال میں بُری طرح پھنسا ہوا تھا۔ حالت یہ تھی کہ ایک

۱۔ سورہ حجرات، آیت ۱۰۔۹

طرف بت پرستی میں غوطہ زن جاہل عرب اپنی مخالفت میں اٹھنے والی ہر آواز کو دبا دیتے تھے اور دوسری جانب عربوں کے درمیان یہود و نصاری مبلغین، اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ پر اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہے تھے۔

ایک ایسی زہریلی فضا میں آنحضرتؐ نے اپنے پاکیزہ کردار و گفتار کے ذریعہ بے شمار افراد کو اسلامی تعلیمات کا گرویدہ بنالیا تھا اور ایک ایسا ماحول قائم کردیا تھا جس میں کوئی بھی کسی کی بھی تکفیر نہیں کرتا تھا۔ یہ ایک ایسا سالم معاشرہ تھا جس میں نظریاتی اختلاف کے باوجود مناسب انداز نظریات وافکار کا تبادلہ ہوتا تھا۔

رسول اکرمؐ فرماتے ہیں:

"اذ قال الرجل الاخیہ کافر، فھو کقتلہ ولعن المومن کقتلہ"

جو بھی کسی برادر مومن کو کافر کہے یہ ایسے ہے جیسے اس نے اسکو قتل کر دیا ہو اور اسی طرح لعن مومن بھی اسکو قتل کرنے جیسا ہی ہے۔[۱]

انس نے رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

"ثلاث من اصل الایمان :الکف عمن قال لا الہ الا اللہ، لا نکفر بذنب ولا نخرجہ من الاسلام بعمل۔۔۔"

تین چیزیں اصل ایمان ہیں: اس شخص سے ہاتھ اٹھا لینا جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلے۔ ایسے شخص نے جو بھی گناہ کیا ہے یا جو بھی عمل انجام دیا ہے، ہم اس کی تکفیر نہیں کرتے ہیں اور اسے اسلامی امت کے دائرہ سے خارج نہیں کرتے ہیں۔

امام بخاری نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت نقل کیا ہے:

رسول خداؐ کے دور میں عبد اللہ نامی ایک شخص تھا جسکا لقب حمّار تھا، گاہ گاہ وہ رسول اکرمؐ کو ہنسا دیتا تھا۔ ایک بار رسول اکرمؐ نے شراب نوشی کی بنا پر اسکو کوڑے لگائے جانے کا حکم دیا تھا۔ ایک دن پھر اسکو آنحضرتؐ کی خدمت میں لایا گیا۔ پھر اسکو سزا دی گئی۔ اس درمیان کسی نے کہا کہ اے خدا تو اس پر لعنت کر، آخر یہ کب تک شراب نوشی کرتا رہے گا؟

رسولؐ نے فرمایا: لا تلعنوہ فو اللہ ما علمت انہ لا یحب اللہ و رسولہ، اس پر لعنت۔ ملامت مت کرو۔ خدا کی قسم! ابھی مجھے یقین نہیں ہے کہ یہ خدا اور پیغمبرؐ کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

بعض دیگر روایات میں اس طرح آیا ہے:

۱۔ کنز العمال، ص ۸۲۶۴

"لقد علمت انہ یحب اللہ و رسولہ"

میں مطمئن ہوں کہ وہ خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کے مفاد میں اس طرح اظہار فرمایا ہے:

(الف) یہ حدیث اس گروہ کی ردّ میں ہے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر گردانتا ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اس شراب نوش پر لعنت کرنے سے منع فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اس کے لئے دعا کی جائے۔

(ب) یہ حدیث اس حقیقت کو آشکار کر رہی ہے کہ ارتکاب گناہ اور محبت خدا و رسولؐ کے درمیان کوئی تناقض یا تضاد نہیں پایا جاتا ہے جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ یہ شخص ارتکاب گناہ کے باوجود خدا اور اسکے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔

(ج) ارتکاب گناہ بلکہ اس کی تکرار بھی اس بات کی موجب نہیں ہوتی ہے کہ خدا اور اسکے رسولؐ کی محبت دل سے نکل جائے۔[۱]

رسول گرامیؐ فرماتے ہیں:

"اھل لا الہ الا اللہ لا تکفروھم بذنب و لا تشھدوا علیھم بشرک"[۲]

لا الہ الا اللہ کہنے والے پر ارتکاب گناہ کی وجہ سے کفر و شرک کا حکم مت لگاؤ۔

حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے:

"لا تکفروا احداً من اھل القبلۃ بذنب وان عملوا بالکبائر"[۳]

تمہیں کسی بھی اہل قبلہ کو ارتکاب گناہ کی وجہ سے کافر کہنے کا حق حاصل نہیں ہے، خواہ اس نے کتنا ہی بڑا گناہ کیوں نہ کیا ہو۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اکرمؐ سے سنا کہ آپؐ فرمارہے تھے:

لا یرمی رجلاً بالفسوق و لا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ[۴]

دھیان رہے کہ کسی پر گناہ و فسق کی بنا پر کفر کی تہمت نہ لگا بیٹھنا مگر یہ کہ وہ مرتد ہو جائے اور اگر کوئی ایسا نہ ہو اور تم نے اس پر کفر کی تہمت لگائی تو تم خود کافر ہو جاؤ گے۔

۱۔ یوسف قرضاوی، دیدگاہ ہائے فقہی معاصر، ترجمہ نعمتی، ج۱، ص۱۹۱

۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ج۵، ص۹۶

۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ج۱، ص۱۰۷

۴۔ صحیح بخاری، ج۷، ص۸۴

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں:

"ایما رجل مسلم کفر رجلاً مسلماً، فان کان کافراً والا کان ھو الکافر"[۱]

اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر کفر کی تہمت لگائے اور وہ ایسا نہ ہو تو خود تہمت لگانے والا کافر ہو جائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے:

"کفوا عن لا الہ الا اللہ لا تکفروھم بذنب، من اکفر اھل لا الہ الا اللہ فھو الی الکفر اقرب۔"

لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والوں سے ہاتھ اٹھالو اور کسی گناہ کی بنیاد پر انہیں کافر مت کہو۔ جو بھی لا الہ الا اللہ کہنے والے پر کفر کی تہمت لگائے گا وہ خود کفر سے زیادہ قریب ہے۔

تکفیر، حضرت علیؑ کی نظر میں

حضرت علیؑ تو بذات خود ان مذموم تکفیری افکار کے ہجوم میں گھرے ہوئے تھے لیکن آپؑ نے کبھی بھی اپنے مخالفین کے خلاف اس باطل طرز فکر سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اگرچہ خوارج کے سیاسی اور اعتقادی افکار امیر المومنینؑ کے طرز عمل کے بالکل خلاف تھے اور خوارج مسجد کوفہ یا جہاں کہیں بھی موقع دیکھتے تھے، خصوصی و عمومی ہر جگہ امیر المومنینؑ کے خلاف سب و شتم، لعن، تکفیر اور مذاق اڑایا کیا کرتے تھے لیکن حضرتؑ نے ہمیشہ حلم و بردباری سے کام لیا اور کبھی بھی ان پر عتاب نہیں کیا۔ مثال کے طور پر:

ایک موقع پر امیر المومنینؑ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا اور آپ نے فوراً اسکے سوال کا جواب دے دیا۔ خوارج میں سے ایک شخص بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے کہا: "قاتلہ اللہ ما افقھہ"، خدا اسے قتل کرے، کیا عجیب دانشمند ہے! حاضرین نے چاہا کہ اسکو گرفتار کرلیں لیکن امیر المومنینؑ نے روک دیا اور فرمایا کہ اسکو چھوڑ دو، اس نے صرف میرے خلاف بدزبانی کی ہے۔

خوارج مسجد میں تو آمد و رفت رکھتے تھے لیکن چونکہ حضرت علیؑ کو کافر مانتے تھے اسلئے انکی اقتدا نہیں کرتے تھے اور جداگانہ طور پر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات حضرت علیؑ کی نماز میں

۱۔ علاء الدین، متقی ہندی، کنز العمال، ج ۳، ص ۶۳۵

دشواریاں بھی پیدا کرتے تھے۔ دوسروں کے سامنے امیر المومنینؑ کی توہین اور مذاق اڑاتے تھے لیکن حضرت علیؑ ہر موقع پر صبر اور حلم سے کام لیا کرتے تھے۔[۱]

خوارج کے ساتھ حضرت علیؑ کا طرز عمل تاریخ اسلام کا عجیب ترین حصہ ہے۔ حضرت علیؑ اور ان کے درمیان اسی وقت سے انفرادی یا اجتماعی طور پر متعدد مواقع پر گفتگو کا ردوبدل ہوا تھا جب سے ان افراد نے ایک شدت پسند اور کج فکر گروہ کے عنوان سے امیر المومنین سے جدا ہو کر شہر کوفہ کے نزدیک ایک صحرا کو اپنے اجتماعات کا مرکز بنالیا تھا۔ وہیں سے اس گروہ نے سرکشی اور مخالفت کا آغاز کیا تھا اور پھر بیرون شہر خیمے لگا دئے تھے جس کے بعد جنگ نہروان شروع ہو گئی تھی۔ اگرچہ خوارج ان مواقع پر امیر المومنینؑ پر کفر و شرک کی تہمت لگاتے تھے لیکن حضرتؑ وسعت نظری اور ایسے وسیع اسلامی کے ساتھ پیش آتے تھے جس کی بنیاد منطق و استدلال پر ہوتی تھی۔ آپؑ نے کسی بھی موقع پر انہیں کافر کہہ کر خطاب نہیں کیا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ اور آپ کے پیروکاروں کی تکفیر کی خاطر بلند کئے گئے نعرے "لا حکم الا اللہ" کے مقابل بھی امیر المومنینؑ بڑی متانت اور حلم کے ساتھ برہان و استدلال کے ہمراہ فرماتے تھے کہ یہ نعرہ کہ "خدا کے علاوہ کوئی حاکم نہیں ہے، حق ہے" لیکن اس کو باطل مقصد کو حاصل کرنے کیلئے استعمال کیا جارہا ہے۔ معاشرے کو ہر حال میں کسی نہ کسی بشری حاکم کی ضرورت ہوتی ہے جس کی حکومت کے زیر سایہ مومن اپنے نیک امور انجام دیتا ہے اور بے دین و کافر اپنی زندگی سے صرف لطف اندوز ہوتا ہے۔۔ اب یہ حاکم کبھی نیک سیرت بھی ہو سکتا ہے اور کبھی بدکار بھی۔[۲]

تکفیر کے متعلق اہلسنت متکلمین اور فقہاء کے فتاوے

امام ابو حنیفہ، (متوفی ۱۵۰ ہجری) حنفی مذہب کے امام فرماتے ہیں:

"انی لم اکفر احداً من اھل القبلۃ"

میں کسی بھی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتا ہوں۔

اسی موقف کو ابن تیمیہ حرّانی نے بھی بیان کیا ہے:

"واما ابو حنیفۃ انہ لم یکفر احداً من اھل القبلۃ"[۳]

ابو حنیفہ نے اہل قبلہ میں سے کسی کی بھی تکفیر نہیں کی ہے۔

۱۔ مرتضی مطہری، سیری در سیرہ ائمہ، ص ۳۶

۲۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام، خطبہ ۴۰

۳۔ در التعارض، ج ۱، ص ۶۰

اسی طرح مذہب شافعی کے بزرگ فقیہ امام نووی نے بھی امام شافعی سے نقل کیا ہے:

"محکی عن امامنا الشافعی رحمہ اللہ لقولہ اقبل شہادۃ اھل الاھواء لا الخطابیۃ من الرافضیۃ"[1]

میں تمام اسلامی فرقوں کی شہادتین کو قبول کرتا ہوں اور انہیں مسلمان سمجھتا ہوں، یہاں تک کہ انہیں بھی جنہیں میں قبول نہیں کرتا ہوں۔

علم کلام کی ایک بزرگ ہستی امام عضد الدین ایجی فرماتے ہیں:

"جمھور المتکلمین والفقھاء علی انہ لا یکفر احداً من اھل القبلۃ"

اہلسنت متکلمین اور فقہاء کا اجماع ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی بھی تکفیر نہ کی جائے۔

مزید فرماتے ہیں:

"لم یبحث النبی عن اعتقاد من حکم باسلامہ فیھا ولا الصحابہ ولا التابعون فعلم ان الخطأ فیھا اولیس قادحاً فی حقیقۃ الاسلام"

پیغمبر اسلامؐ اور آپ کے صحابہ و تابعین کسی کے بھی عقیدے سے متعلق بحث نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی کہہ دیتا تھا کہ میں مسلمان ہوں تو پھر کوئی جستجو نہیں کرتے تھے کہ آیا واقعی مسلمان ہے بھی کہ نہیں۔ عقیدے میں خطا کے ہونے سے حقیقت اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا ہے۔[2]

علم کلام کے بزرگ عالم امام تفتازانی فرماتے ہیں:

"ان مخالف الحق من اھل القبلۃ لیس بکافر ما لم یخالف ما ھو من ضروریات الدین کحدوث العالم وحشر الاجساد واستدل بقولہ: ان النبی ﷺ ومن بعدہ لم یکونوا یفتنشون عن العقائد وینبھون ما ھو الحق"[3]

اگر کوئی اہل قبلہ میں شمار ہوتا ہو، خواہ مخالف حق ہی کیوں نہ ہو، اس کو اس وقت تک کافر نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ ضروریات دین مثلاً حدوث عالم اور حشر اجساد کا منکر نہ ہو جائے کیونکہ پیغمبرؐ اور آپ کے اصحاب لوگوں کے عقائد کے متعلق کسی طرح کی کوئی جستجو نہیں کرتے تھے اور لوگوں کے عقائد کو حق پر حمل کیا کرتے تھے۔

اسی طرح حنفی فقہاء میں سے ایک مشہور فقیہ ابن نجیم مصری بھی اسی موقف کو بیان کرتے ہیں۔[4]

۱۔ شرح المسلم النووی، ج ۳، ص ۶۰

۲۔ ایجی، المواقف، ج ۳، ص ۵۶۰

۳۔ تفتازانی، المقاصد، ج ۵، ص ۲۲۷

۴۔ البحر الرائق، ج ۱، ص ۶۱۲

مکتب اشاعرہ کے بانی امام ابو الحسن اشعری کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے تمام شاگردوں کو جمع کیا اور فرمایا:

"اشهد علی انی لا اکفر احداً من اهل هذه القبلة لان الکل یشیرون الی معبود واحد وانما هذا اختلاف العبارات"[1]

میری جانب سے گواہی دو کہ میں نے کسی بھی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی ہے کیونکہ سبھی معبود واحد کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور یہ کہ ایک اشعری ہو گیا اور دوسرا معتزلی یا امامی، یہ سب صرف عبارات کے فرق کی وجہ سے ہے۔

اسی طرح آپ ہی کا یہ قول بھی ہے:

"اشهدوا علی انی لا اکفر احداً من اهل القبلة بذنب لانی رأیتهم کلهم یشیرون الی معبود واحد، والاسلام یشملهم ویعمهم"[2]

تم سب گواہی دو کہ میں نے کسی گناہ کی بنیاد پر کسی بھی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی ہے کیونکہ سب کے سب معبود واحد کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اسلام، تمام اسلامی فرقوں کو اپنے اندر شامل کرتا ہے۔

امام ذہبی نے امام ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

وکذا کان شیخنا ابن تیمیة فی الاواخر ایامه یقول انا لا اکفر احداً من الامة"

میرے استاد ابن تیمیہ اپنی عمر کے آخری ایام میں فرماتے تھے کہ میں امت مسلمہ میں سے کسی کی بھی تکفیر نہیں کرتا ہوں۔

"ویقول قال النّبی (ص) لا یحافظ علی الوضوؤ الا مومن فمن لازم الصلوات بوضوء فهو مسلم"[3]

اور فرماتے تھے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ جو بھی باوضو نمازہائے واجب کا پابند ہو، وہ مسلمان ہے۔

طحاوی لکھتے ہیں:

"ونسمی اهل قبلتنا مسلمین مومنین ما داموا بما جاء به النّبی (ص) معترفین قال رسول الله (ص) من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فهو المسلم وان المسلم لا یخرج من الاسلام بارتکاب الذنب مالم یستحله"[4]

۱۔ بیہقی، السنن کبری، ج۱، ص۲۰۷

۲۔ الیواقیت والجواہر، ص۵۸

۳۔ ایضاً

۴۔ سیر اعلام النباء، ج۱۵، ص۸۸

اہل قبلہ اس وقت تک مسلمان و مومن ہیں جب تک کہ وہ پیغمبر اکرمؐ کے دستورات اور احکام کو قبول کرتے ہیں کیونکہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ جو بھی ہماری نماز کو قبول کرتا ہے، ہمارے قبلے کو قبول کرتا ہے، ہمارے ذبیحہ کو کھاتا ہے وہ مسلمان اور مومن ہے۔ارتکاب گناہ کی بنیاد پر مسلمان اس وقت تک دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا جب تک وہ اس گناہ کو حلال اور جائز نہ سمجھ لے۔[1]

مذہب شافعی کے مشہور عالم امام محمد غزالی نے معتزلہ، مشبّہہ اور دیگر مبتدعہ فرقوں، نیز خطا در تاویل کے بارے میں بحث کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ انہوں نے اجتہاد میں خطا کی ہے۔جس نکتے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ یہی ہے۔جب تک ممکن ہو تکفیر سے پرہیز کیا جائے کیونکہ نماز گزاروں اور کلمۂ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والوں کے خون اور مال کو حلال فرض کرنا ہی تو خطا ہے۔ہزار ہا کفار کو زندہ چھوڑ دینے کی خطا مسلمانوں کے خون کو بہانے کی خطا سے کہیں سبک اور چھوٹی ہے۔

بیشک رسولؐ نے فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے جنگ کا حکم دیا گیا ہے مگر یہ کہ وہ اقرار کرلیں کہ: "لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ" لہٰذا اگر وہ اقرار کرلیں تو انکی جان اور مال محترم ہے۔ہاں! کچھ موارد مستثنیٰ ہیں جہاں شرعی حدود کا نفاذ ضروری ہے۔[2]

مالکی مذہب کے فقیہ امام شاطبیؒ اپنی کتاب الاعتصام میں اہل بدعت اور پیروان نفس و امت مسلمہ کے مخالف جن میں خوارج اور غیر خوارج دونوں شامل ہیں، ان سب پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

درحقیقت امت مسلمہ میں ان فرقوں یعنی بڑی۔بڑی بدعتیں پھیلانے والے پیروکاروں کی تکفیر کے سلسلے میں اختلاف ہے لیکن اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو زیادہ جامع یہ نظر آتا ہے کہ بطور قطعی ان فرقوں کی تکفیر کا حکم نہیں دیا جاسکتا جس کی دلیل علمائے سلف صالح کا طرز عمل ہے جو اس دعوے کا واضح ثبوت ہے۔

کیا خوارج کے خلاف حضرت علیؑ کا طرز عمل پیش نظر نہیں ہے؟

آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ تعلقات رکھنے اور جنگ کے سلسلے میں اہل اسلام والا طرز عمل اپنایا تھا جو قرآن کریم کے مطابق تھا کیونکہ خداوند متعال فرماتا ہے: "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما"[1]

۱۔ شرح عقیدہ الطحاوی، ص ۲۸۸ و ۴۲۶

۲۔ امام محمد غزالی، الاقتصاد فی الاعتقاد، ص ۲۲۳

اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں جھگڑا کریں تو تم سب ان کے درمیان صلح کراؤ۔[۲]

چوتھی اور پانچویں صدی کے مشہور عارف شیخ الاسلام احمد جامی فرماتے ہیں:

پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ "مسلمان وہ ہے جو دوسروں کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو اور جو اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو وہ دوسرے کسی بھی مسلمان کے لئے پسند نہ کرے"۔ یہ کلیہ تمام امور میں ایک بہت اہم اصول ہے۔ آج امت یہ سمجھ رہی ہے کہ ایک دوسرے کو بدعت گزار و کافر کہنا، ایک دوسرے پر سب و شتم کرنا، ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا، ایک دوسرے کیلئے مشکلات و مسائل کھڑے کرنا ہی مسلمان ہونے کی علامت ہے لہٰذا یہ سب کچھ بغیر کسی خوف اور جھجھک کے کیا جارہا ہے جبکہ یہ نہ سنت رسولؐ ہے، نہ سیرت صحابہ اور نہ فرمان خدا اور نہ ہی عقل اسکو قبول کرتی ہے، نہ ہی علم اسکی تائید کرتا ہے۔[۳]

شیعی نظریہ

شیعی نظریہ یہ ہے کہ اگرچہ ایمان کے مختلف مراتب و درجات ہیں لیکن جو بھی کلمۂ طیبہ اپنی زبان پر جاری کرلے وہ مسلمان ہے اور اسکی جان و مال محترم ہے۔ پہلا مرحلہ، اقرار اسلام اور توحید کو قبول کرنے کا ہے۔ اس طرح ہر وہ گروہ جو اسلام کے پہلے مرحلے کو انجام دے لے وہ مسلمان ہے، خواہ عملی طور پر انحراف کا شکار ہو اور اگر اس کا فکری و عقیدتی انحراف اس حد تک پہونچ جائے کہ اصول اسلام کی مخالفت ہونے لگے تب بھی وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا بلکہ صرف ایمان سے خارج ہوگا جیسا کہ شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب ہدایہ میں فرمایا ہے:

"الاسلام هو الاقرار بالشهادتين وهو الذى يحقن به الدماء والاموال ومن قال لا اله الا الله محمد رسول الله ﷺ حقن ماله ودمه"[۴]

اسلام شہادتین کی گواہی دینے کا نام ہے جس کی وجہ سے جان و مال محفوظ ہو جاتا ہے۔ جو بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرلے اس کی جان و مال محفوظ ہے۔

حضرت آیت اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:

۱۔ سورہ حجرات، آیت ۹

۲۔ قرضاوی، پدیدہ تکفیر، ص ۸۴

۳۔ احمد جامی، کنوز الحکمہ، ص ۱۳۱، شیخ الاسلام احمد جامی، متولد ۴۴۱ ہجری متوفی ۵۳۶، مشہور عرفاء میں سے ہیں جنکی متعدد تالیفات آج بھی موجود ہیں۔ ان کا مقبرہ شہر تربت جام، ایران میں ہے۔

۴۔ مجید صفا بخش، کتاب تکفیر، ص ۷۷

"تمام اسلامی فرقے، امت مسلمہ کا حصہ ہیں اور وہ ان تمام خصوصیات کا استحقاق رکھتے ہیں جو اسلام نے مسلمانوں کو دی ہیں۔ اسلامی فرقوں کے درمیان تفرقہ اندازی، قرآن کریم کی تعلیمات اور سنت رسول اکرمؐ کے خلاف ہے۔ مزید یہ کہ اس عمل سے مسلمان کمزور ہوتے ہیں اور دشمنان اسلام کو مضبوط ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اس لئے اسلامی فرقوں کی مذکورہ تکفیر کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔[1]

آپ مزید فرماتے ہیں:

"میں ایک بار پھر تاکید کر رہا ہوں کہ ہر ایسا قول و عمل، کفر کے ساتھ تعاون، اسلام کے خلاف خیانت اور شرعاً حرام ہے جس سے مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی آگ بھڑکتی ہو یا جس سے کسی بھی اسلامی فرقہ کی تکفیر ہوتی ہو۔"[2]

تکفیری اقدامات کی بنیاد اور اسکے عوامل واسباب

تکفیری رجحانات کی بنیاد اور اس کے حقیقی اسباب اور دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دینا، دور حاضر کے اہم ترین مسائل میں سے ہے۔ تکفیری افکار و نظریئے اور اس کے بنیادی عوامل پر غور و خوض اور اس کے اسباب کو تلاش کرنا نہایت ضروری ہے۔ یقیناً منفی مقابلہ کرنے کے بجائے مثبت اور ذمہ دارانہ انداز میں تکفیری اقدامات کا مقابلہ کرنے کے لئے تکفیری اقدامات کے صحیح اسباب کو معلوم کرنا بنیادی رول رکھتا ہے۔

تکفیری افکار کے آشکار و مخفی بنیادی ترین عوامل مندرجہ ذیل ہیں:

بے بنیاد شدید تعصب، دینی حقائق کے استنباط میں خود پسندی کا غلبہ اور دوسروں کے افکار کی کفر آمیز نفی و تردید۔

دین کے بنیادی معارف یا اسلامی حدود سے متعلق لاعلمی اور دوسرے فرقوں اور انکے حقیقی مقاصد سے متعلق کفر آمیز افکار۔

اسلام اور مسلمانوں کی تباہی اور ان پر بیگانوں کے مسلط ہونے کے لئے دشمنان اسلام اور استعماری طاقتوں کی سازشیں۔

اخلاقی رزائل جیسے کینہ و انتقام، خود پسندی و تکبر، حسد و بدگمانی، اپنی کمزوریوں کو چھپانا، دنیا پرستی، دولت پرستی وغیرہ۔

۱۔ مکر تکفیر میگزین، ص۸۱

۲۔ ایضاً

ایک دوسرے کے مقاصد، موقف، نظریات اور اصطلاحات سے علماء اور اہل نظر کا واقف نہ ہونا۔

مسلم معاشرے پر تکفیریت کے منفی اثرات و نتائج

مسلمانوں کے درمیان اختلافات اور تفرقہ۔

جنگ اور آپسی رسہ کشی۔ جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے درمیان خونریزی، ان کے اموال کی تاراجی اور انکی ناموس کی بے حرمتی جیسا ماحول سر اٹھائے گا۔

دنیا کے سامنے اسلام کا ناگوار اور فرقہ وارانہ چہرہ پیش کرنا تاکہ لوگ اسلام سے بیزار ہو جائیں۔

مسلمانوں پر کفار کا غلبہ۔ اور اس کا انجام ایک دوسرے کے ساتھ پنجہ آزمائی اور تفرقہ ہوگا۔[۱]

دنیا میں اسلام کی ترویج میں ٹھہراؤ

اندرونی چپقلش اور اختلافات میں الجھے رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کی پسماندگی اور انکی صلاحیتوں کی پژمردگی۔

دانشور، محققین اور جدت پسندی طبقے کی گوشہ نشینی۔

معاشرے میں فکری تعطل، بے روزگاری اور بناوٹی ثقافت کا رواج

ثقافتی دنیا میں تحقیق و جستجو، علم اور افکار نو کا فقدان۔

معاشرے میں بدگمانی اور بدبینی کا پھیلاؤ۔

راہ حل اور تکفیری رجحان سے مقابلے کیلئے علمائے اسلام کی ذمہ داری

عام اجتماعات اور پروگراموں میں تکفیری افکار کے خطرات، نقصانات اور اثرات جیسے غلو وغیرہ کی تبیین، خصوصاً کتابوں، تقریروں اور ثقافتی پروگراموں کے ذریعے ترویج

تکفیری رجحانات اور طرز فکر کا بیان اور کھل کر اس کی مخالفت۔

تہمتوں اور مخالفتوں کے مقابلے میں اسلامی فرقوں کے پیروکاروں کے ذریعے ایک دوسرے کی حمایت اور مدافعت خصوصاً جن باتوں سے تکفیری افکار ترویج پاتے ہوں جیسے قذف اور سبّ صحابہ۔

غلط تفسیروں کے مقابلے میں ایک دوسرے کے عقائد کی صحیح تبیین خصوصاً جن عقائد سے تکفیری افکار ترویج پاتے ہوں۔

۱۔ جبکہ قرآن فرماتا ہے: "لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلاً"

ایسے افکار سے دوری جو تکفیریت کا باعث بنتے ہوں جیسے ایک دوسرے کا استہزاء (مذاق اڑانا) اور افتراء۔ (الزام لگانا)

ایک دوسرے کے مقدسات کی اہانت سے پرہیز۔

خونخوار استکباری طاقتوں اور جلاد صہیونزم کے مقابلے میں امتِ واحدہ کے اندر منصوبہ بندی اور حکمت عملی کا اتخاذ

پلاننگ۔

ناحق تکفیر شدہ افراد کی حمایت اور مدافعت۔

دین میں محکمات کو اصل قرار دینا، نہ کہ متشابہات کو۔

اجتہادی مسائل میں انکار، شدت اور سختی سے پرہیز۔

اپنے بنیادی مسائل اور مشکلات کے حل کے لئے کوشش و جہد مسلسل

متفق علیہ معاملات اور مسائل میں تعاون اور مشارکت

نتیجہ

قرآنی آیات، سیرت پیغمبرؐ اکرم، ائمہ معصومینؑ، اور مجتہدین کے حوالہ سے تکفیری افکار و نظریہ کے سلسلے میں اسلامی کتب سے جو مطالب بیان ہوئے ہیں ان کی روشنی میں صراحت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ دین اسلام جو کہ دین منطق واستدلال ہے، اس نے نہ صرف یہ کہ کسی بھی صورت میں تکفیری حربے کو جائز قرار نہیں دیا ہے بلکہ حق کی مدافعت اور اسکی ترویج کیلئے طاقت و قدرت اور غیر شرعی وسائل سے استفادہ کی قطعاً اجازت نہیں دی ہے۔ کسی بھی حال میں اکراہ، جبر، زور۔ زبردستی، تفسیق (فاسق بنانے) اور تکفیر (کافر بنانے) کو تبلیغ دین اور ہدایت بشری کیلئے تجویز نہیں کیا گیا ہے کیونکہ اس قسم کے اقدامات، شیطانی حربے اور غیر شرعی وسائل ہیں جن کا سہارا لینا غلط، باطل اور بے دینی ہے، خواہ دین کی خاطر ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے تمام افراد جو جبر، زور زبردستی، طاقت و قدرت اور تفسیق و تکفیر کو راہ حل سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، انہیں جان لینا چاہئے کہ یہ ایک شیطانی حربہ اور استعماری ہتھیار ہے۔

اس لئے چاہے کتنا ہی اعلیٰ اور مقدس مقصد یا ہدف کیوں نہ ہو، اس تک رسائی کیلئے اپنے فکری مخالفوں کے خلاف اس راہ و روش کا انتخاب جائز نہیں ہے۔ ہمارے دین نے ہمیں غیر شرعی وسائل مثلاً تکفیر تفسیق، تہمت والزام تراشی کی قطعاً اجازت نہیں دی ہے۔ اسلام نے نہ حق کی حصولیابی کیلئے غلط راستوں پر چلنے کی اجازت دی ہے اور نہ باطل کی نابودی کیلئے باطل راہوں کو جائز قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ، ہم مادہ پرست اور مارکسسٹ بھی نہیں ہیں کہ ان کے اس نظریہ کو مان لیں کہ ہدف، وسیلہ کی توجیہ کر دیتا ہے اور

نہ ہی اسلامی اصولوں میں کسی قسم کی کوئی کمزوری ہے کہ دین اپنے مخالفوں کی منطق و استدلال کے مقابلے میں شکست کھا جائے، نہ ہی قرآن بشری زندگی کے نظام کو آگے بڑھانے سے قاصر ہے کہ اس کے ذریعے اسلام کے حقیقی چہرے کو دنیا کے سامنے پیش نہ کیا جاسکے۔

عصر حاضر میں اسلام اور مسلمانوں بلکہ بنی نوع انسان پر تکفیری افکار اور طرز فکر سے جو خطرات منڈلا رہے ہیں وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہیں۔آج فلسطین خصوصاً غزہ کے مسلمانوں کی دردناک صورت حال اسلامی دنیا کا اہم ترین مسئلہ ہونا چاہئے تھا اور مسلمانوں کو اپنی تمام تر توانائی صیہونیوں سے مقابلے پر صرف کرنی چاہئے تھی لیکن افسوسناک صورت حال یہ ہے کہ تکفیری عناصر اور افکار نے امت مسلمہ کی توانائی اور طاقت کے ایک بڑے حصے کو اپنی طرف مبذول کرلیا ہے،وہ بھی اس طرح کہ بعض مسلم مملکتوں کے سربراہوں نے صیہونی جرائم و مظالم کے سامنے سکوت اختیار کر رکھا ہے اور اس کے بجائے تکفیری عناصر کی حمایت اور نصرت کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے جو کہ حقیقت میں مسلم کشی ہے۔

امید ہے کہ ایک روز وہ بھی آئے گا جب ساری اسلامی دنیا، کلّ کفر یعنی اسرائیل کے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی کیونکہ صیہونی فکر مومنین کی بدترین دشمن ہے جیسا کہ قرآن کریم نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے:

لتجدنّ اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیھود[۱]

منابع و مآخذ

۱۔قرآن کریم

۲۔ابن تیمیہ حرانی، درالتعارض، دارالوطن، ریاض ۱۹۹۷ء

۳۔ایجی، المواقف

۴۔بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، داراحیاء التراث الوبی، بیروت (بے تاریخ)

۵۔بیہقی، السنن الکبری

۶۔تفتازانی، شرح المقاصد

۷۔جامی، شیخ احمد، کنوز الحکمہ

۸۔ذہبی، سیر اعلام النبلاء، دارالقلم، بیروت (بے تاریخ)

۹۔راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، دارالکتاب الوبی، بیروت ۱۳۹۲ ہجری

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت ۸۲

۱۰۔ شاطبی، الاعتصام
۱۱۔ صفا بخش، مجید، کتاب تکفیر، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران ۱۳۸۰ شمسی
۱۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، دار الکتاب الوبی، بیروت ۱۴۲۱ ہجری
۱۳۔ طبری، الجامع البیان فی تفسیر القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۲ ہجری
۱۴۔ طحاوی، العقیدہ الطحاویہ، دار الفکر، بیروت (بے تاریخ)
۱۵۔ عبد العزیز ہر تلی، عبد اللہ، خوارج را بہتر بشناسیم، کردستان پبلیکیشنس، سنندج ۱۳۸۶ شمسی
۱۶۔ عسقلانی، ابن حجر؛ الفتح الباری، دار الکتب العلمیہ، بیروت (بے تاریخ)
۱۷۔ غزالی، امام محمد، الاقتصاد فی الاعتقاد، دار الکتب العلمیہ، بیروت (بے تاریخ)
۱۸۔ فیض الاسلام، علی نقی، ترجمہ نہج البلاغہ
۱۹۔ قرضاوی، یوسف، پدیدہ تکفیر، احسان پبلیکیشنس، ارومیہ ۱۳۷۳ شمسی
۲۰۔ قرضاوی، یوسف، دیدگاہ ہائے فقہی معاصر، ترجمہ احمد نعمتی، احسان پبلیکیشنس، تہران ۱۳۸۴ شمسی
۲۱۔ متقی ہندی، علاء الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال، مکتبہ التراث الاسلامی، بیروت ۱۳۸۹ ہجری
۲۲۔ مسلم بن حجاج نیشاپوری، صحیح مسلم، دار الجیل، بیروت (بے تاریخ)
۲۳۔ مطہری، مرتضی، سیری در سیرۂ ائمہ، صدرا پبلیکیشنس، تہران ۱۳۸۲ ہجری
۲۴۔ نشریہ مکر تکفیر میگزین، شمارہ اول، خرداد ۹۳
۲۵۔ ہیثمی، المجمع الزوائد، اشاعت سوم: موسسہ الرسالہ، بیروت ۱۴۱۰ ہجری
۲۶۔ الیواقیت والجواہر

تکفیریت کے مقابلہ کا لائحہ عمل۔ایک اہم ضرورت

احمد عالمی
معاون کلچرل کاؤنسلر، ایران کلچرہاؤس ، نئی دہلی

عہد حاضر میں امت مسلمہ اور مختلف اسلامی مذاہب کی حیثیت و اقدار کے لئے سب سے بڑا خطرہ تکفیری رجحان ہے۔یہ ایسا پھیلتاہوا عنصر ہے کہ جسے اگر بروقت نہ روکا گیا تو یہ ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔عالمی سطح پر بالخصوص ہندوستان جیسے ملک میں جو امن وبقا کی مثال ہے، ایسے عنصر اور فکر کی دراندازی یہاں اور دنیا بھر کے لوگوں اور معاشرہ کے لئے قطعاً خوش آئند نہیں ہے۔

یہی وہ منفی رجحان ہے جس سے امت مسلمہ کے باہمی تعلقات وتعاملات کے ختم ہوجانے کا اندیشہ ہے اور جس امت میں باہمی ارتباط و تعاملات کا تصور نہ پایاجائے اس کا زوال پذیر ہونا ناگزیر ہے۔جو چیز اعضائے امت کو انتہائی پر امن اورپرمسرت ماحول میں ایک دوسرے سے آپس میں جوڑ سکتی ہے وہ آپسی تعلقات ہیں اور اگر یہی تکفیریت کی نذر ہوجائیں گے تو عالم اسلام کی یکجہتی ویکسوئی کا خاتمہ ہوجائے گا ،اور معاشرہ میں قتل وغارت گری کا بول بالا ہوجائے گا۔

اگرچہ تکفیریت کے عنصر کا وجود تاریخ اسلام کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تاریخ میں ایسے منفی قسم کے سماجی اور فکری رجحانات کے شواہد پہلے سے موجود رہے ہیں تاہم عہد حاضرمیں اس تکفیریت کی شکل پہلے سے بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔۔حال حاضر میں تکفیریت کی درج ذیل چار واضح خصوصیات ہیں:

ا۔اس کا عالمگیر ہونا۔۲۔ اس کا ایک دوسرے سے منظم طریقہ پرمرتبط (channalized) ہونا۔۳۔ اس کے ذریعے ہونے والے غیر قانونی،بہیمانہ اور وحشیانہ قتل عام۔۴۔ عالمی سطح پر دنیا کے لوگوں کے درمیان اسلام کے رحمانی چہرے کو بگاڑ کر پیش کرنا۔

واضح رہے کہ تکفیری عمل اور رجحان سے بڑھنے والے نقصانات کا دائرہ اسلامی سرحدوں کے پار جاپہنچا ہے اور اس تکفیر نے اپنے انسان کشی پر مبنی گھنونے اعمال کے ارتکاب کے لئے

دین وتقدس کا لباس پہن کر نسل انسانی کے خاتمے کا اقدام شروع کر دیا ہے جن کی وجہ سے سب کچھ برباد ہو جائے گا۔

اگر چہ آج کل گاہے بہ گاہے، تکفیریوں سے مقابلہ کرنے کی باتیں سننے میں آتی ہیں پھر بھی ایسا لگتاہے کہ ان سے مقابلہ کرنے کے لئے ابھی تک قابل توجہ عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔

تکفیریت کا کیسے مقابلہ کریں؟

تکفیریت سے کا متعلق دو طرح کے عوامی رد عمل پائے جاتے ہیں: پہلا رد عمل ، لوگوں کے درمیان نفرت کا جاگنااور اجاگر ہونا ہے۔اور دوسری صورتحال یہ ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تکفیریت بری اور حرام ہے اور اس معاملہ میں ان کا یہ موقف یہیں پر اپنے فرض کو مکمل اور ختم شدہ سمجھتاہے،اس کے بعد،یہ تکفیر سے مقابلہ ، اس کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنے اور مقابلہ کرنے کی راہوں کو تلاش کرنے کی بات نہیں کرتے ہیں۔

ہمیں محض اس کے بائیکاٹ کے اعلان پر اکتفانہ کرتے ہوئے اس کے مقابلہ کے لئے سنجیدہ طورپر بحث کے آغاز کی ضرورت ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ تکفیریت سے مقابلہ کے لئے لازمی وسائل کی بھی ضرورت پڑے گی۔سب سے پہلا لازمی وسیلہ : تکفیری معیار اوراسباب وعلل اور اقدامات نیز ان کے افکار سے آشنائی اور واقفیت حاصل کرنا۔پھر دوسرا لازمی وسیلہ: ان کو تشکیل دینے اور معرض وجود میں لانے والے عناصر اور عوامل کی شناخت کرنا۔ ان دونوں بنیادی ذرائع اور وسائل سے آشنائی کے بعد تکفیریت کے وجود میں آنے ، اس کے رشدو نمو کرنے کے امکانات کی شناخت کے بعد، اس کا مقابلہ کرنے اور سدباب کے اقدامات کے لئے راہ حل ڈھونڈنے کے لئے لائحہ عمل تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

تکفیریت کی پہچان کا ذریعہ

۱۔ایسی راہ حل ڈھونڈی جائے کہ جس میں سبھی مذاہب شریک ہوسکیں،اور ان میں باہمی اتفاق رائے اور ان کے لائحہ عمل کو ملحوظ رکھنے جیسی خصوصیات پائی جائیں۔

۲۔تکفیریت کی شناخت کے لئے جب اس کے اوصاف معاشرے میں پائے جائیں تو ان اوصاف کو دیکھ کے بڑی آسانی کے ساتھ اندازہ لگایا جاسکے کہ نمبر ایک تکفیریت پائی جاتی ہے

اور یہی ہے۔ نمبر دو: تکفیریت کی سطح اور میزان کس حد تک ہے۔ نمبر تین: تکفیریت کتنی ہے ۔ نمبر چار: تکفیر کا مقصد وہدف اور راستہ کیا ہے؟اور اس کی انتہا کیا ہوسکتی ہے؟

اس وضاحت کے بعد ، تکفیر کی شناخت کا معیار اور پیمانہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔علی الاعلان تشدد اور اس کا دوام

تشدد، تکفیریت کی سب سے واضح علامت ہے جس کے ذریعہ وہ پہچاناجاتاہے۔حضرت علیؑ نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۱۲۷ میں فرماتے ہیں"سیوفکم علی عواتقکم"! تمہاری تلواریں تمہاری گردنوں تک سونتی ہوئی ہیں ۔ ظاہر ہے کہ تلواروں کی جگہ نیام ہے البتہ جب وہ اس سے نکل کر گردنوں تک پہونچ جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم کسی کا قتل کرنا چاہتے ہیں۔

۲۔بے گناہوں پر ظلم وتشدد

بے گناہ افراد کے مخلوط مجمع پر حملہ اور اجتماعی قتل وغارتگری جو کہ سورہ زمر کی آیت "وَلاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرىٰ " (کوئی بھی شخص دوسرے شخص کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتاہے)کی سراسر مخالفت ہے۔

اسلام نے اس پر تاکید کی ہے کہ باپ کے کئے کی سزا بیٹا نہ بھگتے جبکہ یہ بات تکفیری عقائد کے برخلاف ہے، تکفیری پورے علاقہ کو آگ میں جھونکتاہے۔اوردوسرے کے اقدامات کو اوروں تک پہنچاتاہے یعنی اس کی سزا دوسروں کو بھگتنے پر مجبور کرتاہے۔

۳۔دوسروں کو کافر قرار دینے میں عجلت اور اس کے دائرے میں توسیع

یہ لوگ پہلے عوام کو گمراہ قرار دیتے ہیں پھر انہیں کافر ٹھہراتے ہوئے موت کے گھاٹ اتاردیتے ہیں اور ان کا یہ سلسلہ ایک انسان سے شروع ہوکر گروہوں اور جماعتوں تک پہونچتا ہے پھر گمراہ اور کافر قرار دیئے جانے کے دائرے کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔جیسا کہ حضرتؑ نے اپنے زمانے میں ایسے ہی تکفیری لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا : "اگر تم میری مخالفت پرصرف اس لئے آمادہ ہوکہ تمہارا گمان ہے کہ میں خطاکار ہوں، گمراہ ہوں تو کیوں سب کے خلاف تلوار اٹھائے ہوئے ہواور کیوں گناہگاروں اوربے گناہوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہو"۔ (خطبہ ۱۲۷، نہج البلاغہ)

۴۔دین سے دوری

علمائے اسلام کی کتابوں میں درج ہے کہ تکفیر ی لوگ ، دائرہ اسلام سے خارج ہیں یعنی یہ لوگ دین کے حدود کو پار کرچکے ہوتے ہیں یہ لوگ دینی پیشوا اور علماء سے کنارہ کشی کرتے ہوئے خود کو مکمل عالم دین تصور کرتے ہیں اور دین سے دوری اختیار کرتے ہیں۔

اجزائے تکفیریت

تکفیری اجزائے ترکیبی اور عناصر کی شناخت کے بعد انسان ان کے قریب جانے سے پرہیز کرسکتاہے۔جہالت اور نفسیاتی پریشانی (Ignorance and psychological Complex)تکفیریت کے دوبنیادی عناصر واجزائے ترکیبی ہیں۔

جہالت:

تکفیریوں کے یہاں شریعت کی جگہ جہالت کی حکمرانی ہوتی ہے، ان میں کوئی فقیہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی کوئی فقہ ہے البتہ فقہ سے مراد آج کی مروجہ اصطلاحی فقہ نہیں ہے بلکہ وہ فقہ ہے جو ابتدائے اسلام میں رائج تھی جوفقہ اخلاقی، فقہ نفس اور فقہ وجود پر مشتمل تھی۔

فقہ اخلاقی وفرض شناسی:جواحکام پنجگانہ واجب حرام، مستحب، مکروہ اور مباح وغیرہ کو بیان کرتی ہے۔

فقہ نفس: جو انسان کو دنیاوی زندگی کی رعنائیوں میں مبتلا ہونے سے نجات دیتی ہے اور آخرت کی کامیابی کے لئے ، غفلت سے محفوظ رکھتی ہے۔

فقہ وجود: جو انسان کے وجود کو، رحمت الٰہی پر توجہ کرنے کی توفیق عطا کرتے ہوئے اسے اللہ کی ذات سے جوڑتی ہے۔جو فقہ وجود سے بے بہرہ ہو اس کے دینی اعمال بھی اس کے اندر کسی تبدیلی کا باعث نہیں بن سکتے۔وہ خداسے ارتباط اور اس کی معنویت ورحمانیت کا حسین جلوہ اور مظہر واقع نہیں ہوسکتا ہے۔

فقہ وجود ہی وہ ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دین انسانوں کے لئے محض فرائض کی رسم ادائیگی کانام نہیں ہے چنانچہ روایت ہے کہ کیا دین محبت کے علاوہ اور کچھ ہے؟ " ھل الدین ال الحب"۔

دین یہ چاہتاہے کہ انسان کے دل میں اللہ کے لئے ایک خصوصی انس پایا جائے تاکہ اس کا وجود اس کی محبتوں کامرکز قرار پائے اور پھر اس محبت کا سلسلہ دیگر انسانوں اور اس کی مخلوقات تک جاری رہے۔فقیہ کامل وہ ہے جو لوگوں کو رحمت خدا سے مایوس نہ ہونے دے۔

ہمیں چاہئے کہ ہم لوگوں کو محض روز مرہ کے فرائض کی تعلیم نہ دیں اگرچہ وہ بہت اہم ہیں بلکہ کوشش کریں کہ فقہ نفس،فقہ اخلاق اور فقہ وجود تینوں سے واقفیت بھی ساتھ ساتھ ہو، آج کا انسان الفت وآشتی کا بھوکاہے اور یہ خدا سے ظاہری نہیں بلکہ واقعی ارتباط کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔حالانکہ تکفیریوں کی سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ ان کاان تینوں فقہوں سے کوئی تعلق نہیں ہے مجموعی طورپر وہ ان سب کے قائل ہی نہیں ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ وہ دین سے جڑے ہوئے ہیں حالانکہ جو کچھ ان کے پاس ہے وہ دین نہیں ہے، نہ ہی وہ اس دین کے خدا کو سمجھے ہیں نہ ہی اس دین کے احکام کو اور نہ ہی انہیں مستقبل میں در پیش راہوں کو، یعنی نہ آخرت کے راستوں کا علم ہے اور نہ ہی جہنم کا خوف ہے۔

۲۔نفسیاتی پریشانی

تکفیری افراد ایک فکری اور نفسیاتی گھٹن اور اندرونی دباؤ کا شکار ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا کی تمام چیزوں کو انتہائی شک کے زاویہ سے دیکھتے ہیں اور نتیجہ میں دنیا اور دین دونوں کے دائرہ کو خود پر تنگ کرلیتے ہیں جبکہ دین زحمتوں کے بجائے رحمتوں کے اسباب فراہم کرتاہے۔تکفیری ذہنیت کے لوگ اسلامی نفسیات کے بر خلاف کہ جو خدمت خلق پر آمادہ کرتی ہے، بے گناہ انسانوں کے قتل کے درپے رہتے ہیں۔

تکفیریوں کے کارناموں کے نتائج

اگر معاشرہ میں تکفیریت پھل پھول کر اپنے پیروں پر کھڑی ہوجائے گی تو پھر سماج میں کبھی بھی امن و آشتی اور روحانیت کی فضا قائم نہیں ہوسکتی ہے۔

بہر حال اس کے حل موجود ہیں اور اگر عالم اسلام کے علماء نت نئے راہ حل کی جستجو اور موجودہ راہ حل کی تائید کریں تو اس مشکل کی بیخ کنی کی جاسکتی ہے۔

تکفیریت کا حل

ہمیں جاننا چاہئے کہ دین اسلام تکفیریت کو حرام جانتا ہے اور ہر کلمہ شہادتین جاری کرنے والے کو خواہ وہ کسی بھی فرقہ کا ہو، مسلمان مانتا ہے لہٰذا اس حقیقت کے پیش نظر تکفیریت کے خاتمہ کے لئے میڈیا کا زیادہ سے زیادہ استعمال ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں مزید دیر کرنے اور اقدام نہ کرنے کی صورت میں تکفیریوں کو مزید مواقع فراہم ہوں گے اور یہ اسلام دشمنوں کے لئے انتہائی خوش آئند بات ہوگی۔

البتہ تکفیریوں سے برتاؤ کے وقت میں تقویٰ الٰہی ملحوظ خاطر رکھا جائے اگر کسی گروہ کو کفر کے الزام میں غیر مسلم قرار دینا تکفیریت ہے تو اسی طرح بلا دلیل کسی کو تکفیری گروہ سے جوڑنا بھی غیر اسلامی ہے۔ تکفیریوں سے متعلق یہ ذہن نشین رہے کہ یہ دوگروہوں پر مشتمل افراد ہیں ایک وہ جو ان کے سردار ہیں اورلوگوں کے خلاف کفر اور قتل کا حکم صادر کرتے ہیں دوسرے وہ جو آنکھ بند کرکے اس پر "آمنّا وصدّقنا" کہتے ہوئے عمل کرتے ہیں۔ پہلا والا گروہ قابل گفتگو ومذاکرہ نہیں ہے لہٰذاان سے مسلمانوں اور علماء کو نپٹنے کی ضرورت ہے۔ لیکن ان کے پیروکار وں کو ان کی اندھی تقلید سے گفت وشنید کے ذریعہ باز رکھا جاسکتا ہے۔

امید ہے کہ مذکورہ اقتباسات عصر حاضر کو درپیش اس اہم مسئلہ کے حل میں مددگار ہونگے۔

☆

اہل سنت کے نزدیک تکفیر کی حرمت

آخوند ابوبکر خوجملی، امام جمعہ، نگین شہر
ترجمہ: مولانا نثار احمد زینپوری

اس میں شک نہیں ہے کہ برہانِ قاطع اور واضح ترین حجّت کے بغیر تکفیر ـ کسی کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دینا ـ حرام اور بہت بڑا گناہ ہے، ناحق مسلمان کو کافر سمجھنے والا خود کافر ہے شرط یہ ہے کہ اعتقاد کے ساتھ کافر کہے جیسا کہ "الدرّ المختار" کتاب میں لکھا ہے۔(۱)

۱ـ جو شخص کسی مسلمان کو مخاطب کرکے کہے: اے کافر! تو اسے سزا دینی چاہئے۔ (سوال یہ ہے کہ) کیا مسلمان کو کافر کہنے والا کافر ہے؟ جی ہاں! اگر اس کے کافر ہونے کا عقیدہ نہ رکھتا ہو تو کافر نہیں ہے۔ اس حکم کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ اور یہ نبیؐ کی ایک روایت میں بیان ہوا ہے۔

۲ـ جو شخص اپنے دینی بھائی کو اے کافر کہہ کر پکارے تو کفر کی یہ نسبت ان میں سے ایک کی طرف پلٹے گی۔ اگر مد مقابل کو کافر کہنا حق ہے تو یقیناً وہ شخص کافر ہے جسے اس نے کافر کہا ہے ورنہ کفر کی یہ نسبت خود اس کی طرف پلٹے گی۔ رسولؐ نے فرمایا: دوسرے کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ شخص کفر کی نسبت کا مستحق نہ ہو۔

تکفیر کی روش مسلمانوں کی حرمت و شرافت کو ختم کرنے، ان کے خون کو مباح سمجھنے اور ان کے مال کو غارت کرنے کا خطرناک ترین حربہ ہے۔ کیونکہ اس کام کو شرعی حکم کے عنوان سے انجام دیا جاتا ہے اگرچہ یہ حکم باطل ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ عالم اسلام میں اس کے بہانہ سے بم دھماکے ہوتے ہیں، مسلمانوں عورتوں، بچوں اور بے گناہ اور گناہگار لوگوں کو قتل کیا جاتا ہے، حالانکہ ان جرائم کا ارتکاب کرنے والے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ راہ خدا میں اور اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ اس تکفیر ـ مسلمانوں کو کافر قرار دینے ـ کی کوئی دلیل اسلامی مذاہب کے مشہور و معتبر منابع و مدارک میں نہیں ملتی ہے۔ اسی لئے میں نے اس مقالہ کا عنوان "علماء اہل سنت کے نزدیک تکفیر حرام ہے" رکھا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اسلامی مذاہب کے بزرگ (علماء)، محدثین و مفسرین کے نزدیک تکفیر کا یہ طریقہ مسترد ہے۔

عام اہل سنت والجماعت تکفیر کو حرام سمجھتے ہیں

اہل سنت کے بزرگوں کا قول ہے: اہل سنت والجماعت کے شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگوں سے "فاجر"، "بَرّ" کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا: فاجر، فاسق ہے اور مسلمان ہے اور "بَرّ" عادل و معتدل مسلمان ہے، رسولؐ سے ایک روایت منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: گناہ کی وجہ سے کوئی بھی کافر نہیں ہوتا ہے۔ (۲)

قاعدہ: جس شخص کا اسلام ثابت ہو چکا ہے، شک کی وجہ سے اس کا اسلام ختم نہیں ہوتا ہے۔

اس قاعدہ پر اہل سنت والجماعت کے ان پیشواؤں کا کہ جن کا ورع اور تقویٰ سب سے زیادہ ہے اس پر اجماع ہے کہ کسی مسلمان کو کافر قرار دینا خطرناک بات ہے۔ دلیل و برہان کے بغیر کسی مسلمان کو کافر نہیں کہنا چاہئے۔ جہاں تک ممکن ہو تکفیر سے بچا جائے۔ رسول اکرمؐ نے دلیلِ قاطع کے بغیر ایک دوسرے کو کافر کہنے سے منع کیا ہے۔ فرماتے ہیں: جو شخص اپنے دینی بھائی کو اے کافر کہتا ہے، کفر کی یہ نسبت ان دونوں میں سے ایک کی طرف پلٹتی ہے اگر وہ حقیقت میں کافر ہے تو ٹھیک ہے ورنہ کفر کی نسبت خود کہنے والے کی طرف پلٹتی ہے۔ (۳)

کتاب "الحاوی الکبیر" میں لکھا ہے کہ اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جن میں دس خصوصیتیں پائی جاتی ہیں:

۱۔ خدا کے بارے میں ایسی بات نہیں کہتے جو اس کی صفات کے لائق نہیں ہوتی۔
۲۔ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور قرآن مخلوق نہیں ہے۔
۳۔ جمعہ اور عید و بقر عید کی نماز میں ہر نیک و بد کی اقتداء کرتے ہیں۔
۴۔ تقدیر ـ اس کے نیک و بد ـ کو خدا کی طرف سے مانتے ہیں۔
۵۔ جوتے کے اوپر مسح کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔
۶۔ معاشرہ کے حاکم کے خلاف تلوار کے ساتھ خروج (و شورش) نہیں کرتے۔
۷۔ ابوبکر و عمر اور عثمان و علی کو ایک دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔
۸۔ کسی بھی اہل قبلہ ـ یعنی مسلمان ـ کو کسی بھی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔
۹۔ اہل قبلہ کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں۔
۱۰۔ جماعت کو رحمت اور تفرقہ کو عذاب سمجھتے ہیں۔ (۴)

محقق "ابن ھمام" نے تحریر کے آخر میں اضافہ کیا ہے۔ معتزلہ جیسے بدعتی لوگوں کی نادانی کو معاف نہیں کیا جاسکتا جو کہ خدا کی صفات کو زائد بر ذات نہیں مانتے، عذابِ قبر، شفاعت اور بڑے گناہ کرنے کو اسلام

سے خارج ہونے اور خدا کے دیدار کے قائل نہیں ہیں، کیونکہ اس سلسلہ میں کتاب خدا اور سنت کی صحیح واضح اور بے ابہام دلیلیں موجود ہیں۔ لیکن ایسی باتوں کا عقیدہ رکھنے والا کافر نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس سلسلہ میں اس نے قرآن یا حدیث یا عقل سے تمسک کیا ہے، پھر اہل قبلہ کو کافر کہنے سے منع کیا گیا ہے نیز ان ایسے لوگوں کی گواہی قبول کرنے اور مسلمان کے برخلاف کافر کی گواہی قبول نہ کرنے پر اجماع ہے۔ اور فرقۂ "خطابیہ" کی گواہی کا قبول نہ کیا جانا ان کے کافر ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ ان کی گواہی اس لئے قبول نہیں کی جاتی کہ یہ اپنے ہم عقیدہ شخص کی جھوٹی اور ناحق گواہی کو قبول کرتے ہیں یا اس کے حق پر ہونے کی قسم کھاتے ہیں۔ (۵)

اہل سنت کے ائمہ اربعہ تکفیر کو حرام سمجھتے ہیں

فقہ حنفی

ابوالحسن علی بن احمد فارسی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: ہم سے فقیہ نصیر بن یحییٰ نے بیان کیا ہے کہ میں نے ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی سے سنا کہ انہوں نے کہا: میں نے اہل سنت والجماعت کے اصول کے بارے میں، ابو حنیفہ نعمان بن ثابت سے معلوم کیا تو انہوں نے جواب دیا: اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہنا، کسی کے ایمان کی نفی نہ کرنا، ہاں نیک بات کا حکم دینا اور بری بات سے روکنا، جو چیز تم تک پہنچی ہے وہ تو پہنچنی ہی تھی اور جو چیز تمہیں نہیں ملی ہے اسے تم تک نہیں پہنچنی تھی (خدا کی قضا و قدر پر ایمان رکھو) اور رسولؐ کے اصحاب میں سے کسی پر تبرّیٰ نہ کرو۔ (۶)

جو شخص کسی مسلمان کو، اے کافر، کہتا ہے اسے سزا دی جانی چاہئے۔ جو شخص کسی مسلمان کو کافر سمجھتا ہے کیا وہ کافر ہے؟ ہاں! لیکن اگر اس کے کافر ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا تو کافر نہیں ہے، یہ فتویٰ دیا گیا ہے۔ "شرح وھبانیہ" (۷) میں بیان ہوا ہے کہ اگر مد مقابل، اے کافر! کی آواز سن کر کہے: جی! تو اس سے کافر ثابت ہو جائے گا اور "تاتر خانیہ" میں آیا ہے؛ جب تک اے کافر بخدا، نہ کہے اس وقت تک اسے سزا نہ دی جائے؛ کیونکہ ممکن ہے اس نے اس کے طاغوت کو کافر کہا ہو۔ کتاب "الدّرُ المختار" میں مزید لکھا ہے: اگر نیک و صالح مسلمان کو، اے فاسق کہے تو اسے بھی یہی سزا دی جائے گی، لیکن اگر اس کا فسق واضح ہو تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ اگر کہنے والے کا مقصد سبب بیان کئے بغیر فقط فسق کا اثبات ہو تو عدالت میں اس کی بات نہیں سنی جاتی ہے اور اگر اس فسق کا شرعی سبب بیان کرے تو قاضی ـــ جج ـــ اس سے "بیّنہ" نہیں طلب کرے گا۔ بلکہ ملزم سے ان واجبات کے بارے میں سوال کرے گا، جن کا جاننا واجب ہے، اگر وہ ان واجبات سے نہ واقف ہوگا تو اس کا فسق ثابت ہو جائے گا اور فسق کی نسبت دینے والے کو سزا نہیں دی جائے گی اس مسئلہ میں مسلمان کی قید لگانے پر تمام فقہا کا اتفاق ہے، کیونکہ اگر کوئی مسلمان کسی کافر ذمّی کو

بھی فاسق کہتا ہے تو اسے بھی سزا دی جائے گی کہ اس نے معصیت کی ہے۔ جیسا کہ کتاب "البحر" میں لکھا ہے: اگر کوئی شخص اے کافر، اے یہودی! کہے اور اس سے اس کا مقصد گالی دینا (یا اس کی اہانت) ہو حقیقت میں اس کو کافر نہ سمجھتا ہو، تو اسے سزا دی جائے گی لیکن اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر وہ مخاطب کے کافر ہونے کا معتقد ہے تو کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس نے اسلام کو کفر سمجھا ہے۔ (۸)

جو شخص مرتد ہو جائے اور مہلت مانگے تو اسلامی مذاہب کے نقطۂ نظر سے مستحب ہے کہ حاکمِ شرع (اس کو مہلت دے) اس کے سامنے اسلام پیش کرے، تاکہ اس کا شک بر طرف ہو جائے، اسے تین دن تک قید رکھنا واجب ہے (بعض نے مستحب کہا ہے) اور ہر روز اسے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا جائے گا اور اگر وہ مہلت نہ مانگے تو حاکم شرع اسے اسی وقت کیفر کردار تک پہنچائے گا۔ مگر یہ کہ حاکم شرع کو اس کے مسلمان ہونے کی توقع ہو۔ اور اگر وہ دوبارہ مرتد ہو جائے تو بھی یہی حکم ہے لیکن اس بار اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور تیسری بار مرتد ہونے پر اسے قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ اس کی توبہ آشکار ہو جائے اور اگر پھر کافر ہو جائے تو بھی اس کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا۔ (۹)

اگر لوگ کسی مسلمان کے کافر ہونے کی گواہی دیں اور وہ خود انکار کرے تو اسے کچھ نہیں کہا جائے گا اس حکم کی دلیل گواہوں کی تکذیب نہیں ہے۔ بلکہ اس کی دلیل ارتداد کا انکار اور اسلام کی طرف واپس پلٹنا ہے اس صورت میں صرف اس کے قتل کا حکم اٹھایا جائے گا۔ لیکن ارتداد کے باقی احکام، جیسے عمل کا اکارت وقف کا باطل ہونا اور بیوی کا الگ ہونا اس کی توبہ سے ثابت ہوگا۔ اس صورت کے علاوہ اسے قتل کیا جائے گا اور پیغمبر اکرمؐ کی شان میں گستاخی کرنے والے کا بھی یہی حکم ہے۔ (۱۰)

ابو حنیفہ اور شافعی کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ اہل قبلہ کے بدعتی لوگوں کو کافر نہیں کہتے تھے اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان کے کافر ہونے کا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ اور مسلمانوں کو کافر کہنے والا کفر بکنے والا ہے، ہر چند وہ کافر نہیں ہوا ہے بنابرایں اس کی یہ بات حق کے حصول کے لئے کی جانے والی اس کی کوششوں کا نتیجہ ہوگا۔ (۱۱)

فقہِ مالکی

گناہ کی وجہ سے کوئی کافر نہیں ہوتا ہے۔ بڑے گناہ کے مرتکب کو کافر کہنے کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ بڑا گناہ کرنے والا کافر نہیں ہوتا ہے، جس کو مسلمان تسلیم کر لیا گیا ہے وہ ــ چھوٹے بڑے ــ گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا ہے، گذشتہ اور موجودہ اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ ہاں خوارج کا نظریہ دوسرا ہے وہ کہتے ہیں: ہر گناہ، بڑا گناہ ہے اور ہر بڑا گناہ اعمال کو برباد کر دیتا ہے اور بڑے گناہ کو انجام دینے والا کافر ہے۔ معتزلہ کا نظریہ بھی کچھ ایسا ہی ہے وہ کہتے ہیں: ہر بڑا گناہ عمل کو

برباد کر دیتا ہے اور اسے انجام دینے والا دو مذہبوں کے درمیان رہتا ہے، نہ اسے مومن کہا جاسکتا ہے نہ کافر بلکہ اسے فاسق کہتے ہیں، ان کے اس عقیدہ کی بنیاد عقلی حسن و قبح کے نظریہ پر استوار ہے۔ (۱۲)

کسی مسلمان کے کفر کی گواہی کے بارے میں تفصیلی بحث ہے۔ کسی مسلمان کے کفر کے بارے میں قاضی –جج– صرف گواہ کی بات پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ صاف و صریح طریقہ سے اس کے کفر کی دلیل بھی بیان کرے گا، مجمل طریقہ سے نہیں۔ اس طرح کہے گا: یہ فلاں بات کہنے یا فلاں فعل انجام دینے کی وجہ سے کافر ہو گیا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ گواہ اس مسلمان سے صادر ہونے والے فعل کو کفر سمجھتا ہو اور حقیقت میں ایسا نہ ہو۔ واجب ہے کہ مرتد کو –چاہے وہ غلام ہو یا عورت– کفر ثابت ہونے کے دن سے چند روز تک توبہ کی مہلت دی جائے، اس کے کفر کی گواہی اور عدالت میں پیش کرنے کے دن سے نہیں اور اس مدت میں اسے بھوکا پیاسا نہیں رکھا جاسکتا، بلکہ اسے اس کے مال سے کھانا پانی دیا جائے گا لیکن اس کے بیوی بچوں کو اس کے مال سے خرچ نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس کا مال قرق ہو گیا ہے اور اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اسے معسر –تنگ دست– سمجھا جائے گا۔ ایسے شخص کی پٹائی نہیں کی جاسکتی، خواہ اس نے توبہ بھی نہ کی ہو، اگر توبہ کرلے گا تو چھوڑ دیا جائے گا ورنہ تلوار سے قتل کیا جائے گا، جزیہ لے کر نہیں چھوڑا جائے گا اور نہ اسے غلام بنایا جائے گا۔ اس کی سزا صرف قتل ہے۔ (۱۳)

مرتد کو، جب تک وہ توبہ نہیں کرتا ہے، تین روز تک کھانا پانی نہیں دیا جائے گا اور نہ اسے سزا دی جائے گی، توبہ کرلے گا تو چھوڑ دیا جائے گا توبہ نہیں کرے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ رسولؐ نے حکم دیا ہے: جو شخص اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو، رسولؐ کا یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلیتا ہے اس شخص کے لئے یہ حکم نہیں ہے جو اسلام کے علاوہ کسی مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے (مثلاً جین مذہب کو چھوڑ کر عیسائی بن جاتا ہے)۔

مرتد کو توبہ کے لئے تین دن کی مہلت دینے کے موضوع پر عمرؓ وغیرہ کی دلیل خداوند متعال کا یہ قول ہے: "قُلِ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا ان ينتهوا" (۱۴) امام مالک سے عمر کے اس قول "قید کر دو اور ہر روز اسے ایک روٹی دو" کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام مالک نے کہا: ایسا کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے، لیکن اس پر اجماع نہیں ہے۔ مالک کہتے ہیں "اگر مرتد توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور ارتداد کے زمانہ میں اس پر کوئی حد (سزا) نہیں ہے۔ اسے تین دن کی مہلت دینے پر نص موجود ہے۔ مالک کہتے ہیں: توبہ کے لئے دیئے گئے زمانہ میں توبہ نہ کرنے کی صورت میں اسے بھوکے پیاسے رکھنے اور اسے سزا دینے کا حکم اسلامی متون میں مجھے نہیں ملا۔ (۱۵)

فقہ شافعی

شافعی کہتے ہیں: مجسمہ (خدا کے جسم کے قائل) اور خدا کو جزئیات کے علم سے عاری ماننے والے کے علاوہ اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی کافر نہیں کہا جاسکتا۔(۱۶)

(کتاب التوحید) اولین واجبات، خدا کی معرفت، یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ واجب الوجود ہے۔ وہ قدیم ہے کوئی بھی اس کا شبیہ و مثل نہیں ہے اس کے اسماء و صفات، ذاتی ہیں اس کو تمام امور کا کلی و جزئی علم ہے، وہ ہمیشہ رہے گا۔ نیز یہ اعتقاد رکھنا کہ خدا نے اپنے رسولوں کو بشیر و نذیر —بشارت دینے والا اور ڈرانے والا— بنا کر بھیجا ہے تاکہ (بندوں پر) حجت تمام اور صراط مستقیم آشکار ہو جائے نیز اس کے خوب و بد اور تلخ و شیریں پر ایمان رکھنا، غیب پر اور اَن دیکھی چیزوں پر ایمان رکھنا اور جن چیزوں کی خدا نے خبر دی ہے ان میں خدا کے سچے ہونے پر ایمان رکھنا: جیسے برزخ کے حالات، جزاء و عذاب، جنت و جہنم اور اہل قبلہ میں سے کسی کو کسی گناہ کے ارتکاب پر کافر نہ کہنا اور اسے دائمی طور پر جہنمی نہ سمجھنا، صحابہ کے درمیان ہونے والے نزاع و جھگڑے کے بارے میں رائے کا ظہار نہ کرنا، ان کی صحیح باتوں کو اچھا سمجھنا، خداوند انھیں اور ہمیں جنت میں جگہ عطا کرے۔(۱۷)

"متولی" کہتے ہیں: اگر کوئی مسلمان کہتا ہے: اے کافر! اور اس کا جواز پیش نہ کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ کہنے والے نے اسلام کو کفر کہا ہے۔ مستقبل میں کافر ہونے کے محکم ارادہ سے ارادہ کرنے والا حال میں کافر ہو جاتا ہے۔ اس تردد میں رہنا کہ آئندہ کافر ہوگا یا نہیں حال میں کافر ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنے والا کہ اگر فلاں کام ہو جائے گا تو وہ کافر ہو جائے گا، اس سے وہ حال ہی میں کافر ہو جائے گا مثلاً کوئی مسلمان یہ کہے کہ اگر اس کا مال یا بیٹا ضائع ہو جائے گا تو وہ یہودی یا نصرانی ہو جائے گا۔ کفر سے راضی ہونا کافر ہونے کا سبب ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہونا چاہتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اسے کلمۂ توحید سکھا دے اور وہ اسے کلمہ نہ سکھائے اور اسے اشارہ کرے کہ مسلمان نہ ہونا یا کسی مسلمان کو اشارہ کرے کہ مرتد ہو جاؤ تو یہ اشارہ کرنے والا مسلمان کافر ہو جاتا ہے اس کے برخلاف اگر کسی شخص کے بارے میں یہ کہے: خدا اس سے اس کے ایمان کو چھین لے، یا کسی کافر کے بارے میں کہے: خدا اسے ایمان نصیب نہ کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ چونکہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ وہ کفر سے راضی ہے بلکہ اس نے اس کو نفرین کی ہے، اس پر اسے سخت سزا دی جانی چاہئے۔ البتہ قاضی حسین نے "الفتاویٰ" میں ایک کمزور وجہ بیان کی ہے کہ کسی مسلمان کے بارے میں یہ کہنے والا کہ خدا اس کے ایمان کو سلب کرلے، کافر ہو جاتا ہے۔(۱۸) واللہ اعلم

اگر کوئی شخص کسی مسلمان سے کہے: اے کافر! اور اس کا جواز پیش نہ کرے تو کہنے والا کافر ہے۔(۱۹) کیونکہ اس نے اسلام کو کفر کہا ہے۔

فقہ حنبلی

کسی گناہ کے ارتکاب یا کسی چوک کی وجہ سے مسلمان کو کافر کہنا ایسے مسائل میں سے ہے جن کے بارے میں اہل قبلہ کے درمیان اختلاف و نزاع ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ۔ (۲۰)

ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ خدا نے اس دعا کو قبول فرمایا اور مسلمانوں کی خطاؤں کو بخش دیا۔ خوارج دین سے برگشتہ لوگوں کو کہ، جن سے رسولؐ نے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا اور خلفاء راشدین میں امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے ان سے جنگ کی ہے اور ان کے بعد، صحابہ و تابعین میں سے دین کے پیشوا ان سے جنگ کرنے پر اتفاق رکھتے ہیں، علی ابن ابی طالبؑ اور سعد بن ابی وقاص اور دیگر صحابہ نے انھیں کبھی کافر نہیں قرار دیا، بلکہ ان سے جنگ کے باوجود انھیں مسلمان کہتے تھے یہاں تک کہ ناحق ان کا خون بہانے کے لئے ان سے جنگ نہیں کرتے تھے، بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے اموال پر حملہ کیا تھا تو امیر المومنینؑ نے مسلمانوں کو ان کے ظلم سے بچانے کے لئے ان سے جنگ کی تھی نہ کہ ان کے کافر ہونے کی وجہ سے جنگ کی تھی اور اسی بنا پر ان کی عورتوں کو اسیر نہیں کیا تھا اور ان کے اموال کو نہیں لوٹا تھا۔(۲۱) اگرچہ لوگوں کی گمراہی نص اور اجماع سے ثابت ہو چکی تھی۔ اور خدا اور رسولؐ نے ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا پھر بھی آپؐ نے انھیں کافر قرار نہیں دیا ہے۔ پس ان مختلف گروہوں کا کیا حکم ہے کہ جن پر ایسے مسائل میں حق مشتبہ ہو گیا ہے جن کے بارے میں ان سے زیادہ علم رکھنے والوں پر مشتبہ ہو گیا تھا؟ کوئی بات نہیں ہے۔ ان مختلف گروہوں میں سے کسی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے گروہ کو کافر کہے اور ان کے خون بہانے اور مال لوٹنے کو (مباح و) حلال سمجھے۔ خواہ ان میں قطعی طور پر بدعت پائی جائے۔ پھر اگر دوسرے کو کافر کہنے والا خود ہی بدعتی ہو تو کیا ہوگا؟ بعض موقعوں پر اس کی بدعت اس سے زیادہ سخت ہوتی ہے شاید یہ لوگ اختلافی موضوعات کے حقائق سے جاہل ہیں۔(۲۲)

برا کہنے کی دو صورتیں ہیں: (۱) برا کہنا مد مقابل کے دین میں نقص کا باعث ہو مثلاً اسے کفر آمیز باتیں کہے اور اسے کافر سمجھے یہ بدترین گالی ہے۔ اسی کی طرف رسولؐ نے اشارہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی سے کہتا ہے: اے کافر! تو اگر وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا ہے تو کوئی بات نہیں

ہے ورنہ یہ گالی خود کہنے والے کی طرف لوٹے گی؛ خدا کی پناہ یہ بہت بڑی گالی ہے کہ کسی سے ایسی بات کہنا جس سے وہ دین اسلام سے خارج ہو جائے۔ (۲۳)

اے کافر! اے منافق! اے چور، اے لُوفر، اے گونگے! اے اندھے! اے مشلول! اے اپاہج کے بچّے! اے لنگڑے! اے سخن چیں! اے خارجی! کہنے والے کو سزا دی جاتی ہے۔ (۲۴)

تکفیر سے ممانعت کے بار میں علماء، فقہاء، مفسرین اور محدثین اہل سنت کے اقوال:

کسی مسلمان کو کافر کہنے کے بڑے نقصان کو علماء اہل سنت نے محسوس کیا ہے اور اس بات پر اجماع کیا ہے کہ قطعی دلیل کے بغیر کسی کو کافر کہنا جائز اور قابل دفاع نہیں ہے، کیونکہ موحّد انسان کو کافر کہنا بڑا جھوٹ، ظلم اور بہت بڑی تہمت ہے۔ شیخ الاسلام تقی الدین سبکی کہتے ہیں: مومنوں کو کافر کہنا بہت سخت ـگناہ ـ ہے۔ بلکہ جس شخص کے دل میں ایمان کی رمق بھی ہے، اسے کافر نہیں کہا جاسکتا۔ کلمۂ لا الٰہ اِلّا اللہ، محمد رسول اللہ پڑھنے والے ہوا و ہوس کے پوجاریوں اور بدعتی لوگوں کو کافر کہنے کو بھی سخت سمجھتے ہیں۔ کسی ـ مسلمان ـ کو کافر کہنا بہت سخت اور خطرناک بات ہے۔ (۲۵)

شوکانی کہتے ہیں: جو مسلمان خدا اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہے اسے اسلام سے خارج اور کفر میں داخل قرار دینا مناسب بات نہیں ہے ہاں اگر اس سلسلہ میں اس کے پاس اظہر من الشّمس دلیل ہے تو ٹھیک ہے۔ احادیث میں آیا ہے، صحابہ کی ایک جماعت سے ثابت ہوا ہے: جو شخص اپنے دینی بھائی کو کہے: اے کافر! تو کفر کی یہ نسبت ـ کہنے والے اور کہے جانے والے ـ دونوں میں سے ایک کی طرف پلٹے گی، اس حدیث اور ایسی ہی دوسری حدیثوں میں کسی کو فوراً سے کافر قرار دینے سے منع کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں سخت نصیحت کی گئی ہے۔ (۲۶)

ابن حزم کا نظریہ یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ مسلمان کی طرف کفر کی نسبت دینے کے لئے، ایسی ہی اہم دلیل ہو جیسی اس کے اسلام کی دلیل ہے۔ اس بنیاد پر کسی مسلمان کو نص یا اجماع کے بغیر کافر نہیں کہا جاسکتا۔ "حق یہ ہے کہ جس شخص کے لئے اسلام کا عقیدہ ثابت ہو گیا ہے وہ صرف نص یا اجماع ہی کے ذریعہ ختم ہو سکتا ہے۔ بے بنیاد دعوے اور تہمت سے زائل نہیں ہو سکتا۔ پس واجب ہے کہ کسی شخص کو اس کی بات کو دلیل بنا کر کافر نہیں کہا جاسکتا۔ مگر یہ کہ اس کی بات اس کلام کے خلاف ہو، جس کو وہ خدا یا رسولؐ کا کلام مانتا ہے پس وہ خدا اور اس کے رسولؐ کے خلاف ارتکاب کی اجازت طلب کرتا ہے۔ خواہ یہ دینی عقائد میں ہو، یا کسی فرقہ میں ہو یا کسی فتوے میں ہو یا ایسی چیز میں ہو جس کو رسولؐ نے صحیح قرار دیا یا اجماع کے طریق سے نقل ہوا ہو۔ خواہ تواتر یا خبرِ واحد کے ذریعہ نقل ہوا ہو۔ "ایسی ہی بات باقلانی نے کہی ہے" کسی مسلمان کو اس کے کسی قول و نظریہ کی بنیاد پر کافر نہیں کہا جاسکتا مگر یہ کہ اس کے کافر ہونے پر

مسلمانوں کا اجماع ہو جائے اور اس پر دلیل موجود ہو تو اسے کافر کہا جائے گا۔" ابن تیمیہ کہتے ہیں: "کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو کافر کہے، خواہ اس سے کوئی غلطی ہی کیوں نہ ہوئی ہو، یہاں تک کہ اس کے کافر ہونے پر دلیل و حجّت قائم ہو جائے اور اس کے لئے راستہ واضح ہو جائے۔" جس شخص کا ایمان یقین سے ثابت ہو جاتا ہے وہ شک سے ختم نہیں ہوتا ہے، بلکہ فقط حجت قائم ہونے اور شک و شبہ کے بر طرف ہونے سے زائل ہوتا ہے۔ ایک دوسرے شخص کا قول ہے کہ جو مذکورہ قول کی مانند احتیاط کے موافق اور اس مصیبت سے محفوظ ہے۔ یہ قول ابن عبدالبرؒ کا ہے: صحیح نقطۂ نظر کہ جس کا کوئی معارض نہیں ہے یہ ہے کہ جو شخص اسلام کا معتقد ہو گیا ہو یا اس کے مسلمان ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہو، اگر بعد میں اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے یا وہ تاویل و توجیہہ کرے تو اس سلسلہ میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ اسلام سے خارج ہو گیا یا نہیں۔ مسلمانوں کے اجماع کے بعد اختلاف بے معنی ہے، کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کی دلیل بن جائے، وہ بھی اس اسلام سے خارج ہونے کی دلیل بن جائے جو مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہو چکا ہے، پس وہ اجماع اور ایسی ثابت و صحیح سنت و حدیث کے بغیر وہ اسلام کے دائرہ سے خارج نہیں ہو سکتا جس کا کوئی معارض نہ ہو۔ (۲۷)

اہل سنت والجماعت، جو کہ اہل فقاہت و حدیث ہیں، اس بات پر متفق ہیں کہ گناہ کے ارتکاب سے —خواہ گناہ بڑا بھی ہو— کوئی بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں اہل بدعت نے اہل سنت والجماعت کی مخالفت کی ہے۔ پس واجب ہے کہ جس شخص کے کفر پر سب کا اجماع ہے اس کے علاوہ کسی کو کافر نہ کہا جائے۔ مگر یہ کہ اس کے کافر ہونے پر ایسی دلیل قائم کی جائے کہ جو قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو۔ "ابن نجیم" نے طحاوی اور دیگر علماء کا قول نقل کیا ہے، مسلمان فقط اس چیز کے ذریعہ دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے جس سے اس کا کفر یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے؛ یا کسی کو کسی کے بارے میں یقین ہو جائے کہ وہ مرتد ہو گیا ہے تو وہ اسے کافر کہہ سکتا ہے لیکن اگر اس کے کافر ہونے میں شک ہے تو اسے کافر نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اس کا اسلام ثابت ہو چکا ہے وہ شک سے زائل نہیں ہوگا، اسلام بلند ہے۔ بہتر یہی ہے کہ جس عالم کے پاس اس قسم کا مسئلہ آئے اسے چاہئے کہ اہل اسلام کو کافر قرار دینے میں عجلت نہ کرے۔ (۲۸)

زرکشی کہتے ہیں: "اس بات کی طرف توجہ رکھنی چاہئے، جو شخص کسی کو کافر قرار دیتا ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے، اس کے کفر سے بچنا چاہئے، کیونکہ اس نے ایک مسلمان کو کافر قرار دیا ہے۔"

غزالی کہتے ہیں: جو چیز اس لائق ہے کہ طالب علم اس کی طرف مائل ہو وہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے تکفیر سے احتراز کرے۔ کیونکہ قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز اور کھلے بندوں کلمہ، لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول

اللہ پڑھنے والوں کی جان و مال کو مباح قرار دینا بہت بڑی غلطی ہے اور ہزار کافروں کو قتل نہ کرنا اتنی بڑی غلطی نہیں ہے جتنی بڑی غلطی ایک مسلمان کا قصد کے برابر خون بہانے میں ہے۔ غزالی کہتے ہیں: میری وصیت یہ ہے کہ جب تک لوگ "لاالٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ" پڑھتے رہیں، اپنی زبان سے انھیں بُرا نہ کہے، کافر کہنے میں خطرہ ہے جب کہ خاموش رہنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

"ابن نجیم" کہتے ہیں کہ اہل علم مسلمانوں کے لئے عذر لانے اور انھیں کافر نہ قرار دینے میں حریص ہوتے ہیں چاہے مسلمانوں سے کفرآمیز کام سرزد ہوگیا ہو نیز کہتے ہیں: "الفتاویٰ الصغریٰ" میں آیا ہے۔ کفر بہت بڑا مسئلہ ہے۔ پس میں اس وقت تک کسی کو کافر قرار نہیں دوں گا جب تک میری نظر میں ایک بھی روایت ایسی رہے گی جس کے مطابق کافر نہیں کہا جاسکتا۔

پھر کہتے ہیں: خلاصہ اگر کسی مورد میں چند احتمال ہوں اور تکفیر کے اثبات پر دلیل موجود ہو اور دوسری دلیل تکفیر کے خلاف موجود ہو تو اس صورت میں مفتی پر واجب ہے کہ تکفیر کے خلاف والی دلیل کے مطابق عمل کرے کیونکہ مومن کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہئے۔ اس کے بعد موصوف اپنے نظریہ کا خلاصہ پیش کرتے ہیں: جو چیز میرے لئے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک مسلمان کے کلام و عمل کو نیک چیز پر حمل کرنے کا امکان ہے، یا اس کے کافر ہونے میں اختلاف ہے اس وقت تک کسی ضعیف روایت کی بنیاد پر اس کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ہے۔ روایات میں آنے والے کفرآمیز الفاظ کی بنیاد پر کسی کو کافر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ میں نے یہ طے کیا ہے کہ کسی کے کفر کا فتویٰ نہیں دوں گا۔

ملیباری نے نقل کیا ہے کہ اس سلسلہ میں صبر و احتیاط سے کام لینے پر قدیم و جدید علماء کا اجماع ہے۔ مفتی کے لئے یہی بہتر ہے کہ جہاں تک ہوسکے کفر کا فتویٰ دینے میں احتیاط کرے، کیونکہ اس میں بہت بڑا خطرہ ہے۔ غالباً عام لوگ کفر گوئی کا قصد نہیں رکھتے ہیں، ہمارے قدیم و جدید رہبروں کا یہی شیوہ رہا ہے۔

علمائے اسلام نے کسی مسلمان کے کافر سمجھنے کو اجتماعی و انفرادی طور پر خطرناک قرار دیا ہے اور اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ غلطی سے مسلمان کو کافر قرار دینا بہت بڑا ظلم اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مسلمان کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ کفر سے پاک ہے۔ اس کے نزدیک اسلام یقین سے ثابت ہوا ہے، پس یقین ہی سے زائل ہوگا یقین سے کم معاملہ کو ہم، حسن ظن، عذر پسندی اور خفیہ رکھنے کو دفع کردیں گے اور کسی مسلمان کو کافر قرار دینے کے لئے، ضعیف روایات کا سہارا نہیں لیں گے۔ اس نظریہ کی دلیل دین میں احتیاط اور مسلمانوں کی عزت و جان کی حفاظت ہے۔

نووی نے کہا ہے: اہل سنت کے محدثین، فقہا اور متکلمین کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس مومن کو اہل قبلہ میں قرار دیا گیا ہے اور وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ یہ وہ شخص ہے جو دل سے اسلام کا معتقد ہوچکا

ہے اور اس عقیدہ میں کوئی شک و تردد نہیں ہے اور کلمہ شہادتین پڑھتا ہے پھر اگر وہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کرتا ہے تو وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کے اندر کوئی ایسا نقص ہے جس سے وہ زبان سے کلمہ شہادتین نہیں پڑھ سکتا تو مومن ہے۔

ملا علی قاری کہتے ہیں: اجماع اس شخص کے ایمان پر منعقد ہوا ہے، جو دل سے اس ـ ایمان ـ کی تصدیق کرے اور زبان سے اس کا اقرار کرے مگر یہ کہ زبان سے اقرار کرنے میں کوئی چیز مانع ہو جیسے گونگا ہو یعنی کہ یہ زبان سے اقرار کرنے میں مانع ہے۔

ابوالحسن مالکی کہتے ہیں: عیاض نے کیا خوب کہا ہے! اگر اعتقاد و نطق پایا جاتا ہے تو وہ بالاجماع مومن ہے اور اگر یہ دونوں نہیں ہیں تو بالاتفاق کافر ہے۔ اگر دل میں اعتقاد رکھتا ہے لیکن زبان سے اقرار کرنے میں معذور ہے تو بنابر مشہور وہ مومن ہے۔ اگر صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے تو وہ صدر اسلام میں منافق اور آج کل زندیق و کافر ہے۔ (۲۹)

ابن ابی العز حنفی کہتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص دل سے ایمان کی تصدیق کرے لیکن اعضاء و جوارح سے مومن جیسے کام انجام نہ دے تو وہ خدا اور رسولؐ کا نافرمان اور عذاب کا مستحق ہے۔

ابن حزم کہتے ہیں: جو شخص دل سے ایمان رکھتا ہو اور زبان سے ایمان کی باتیں کرتا ہو تو وہ ایمان لانے میں کامیاب ہوگیا ہے، خواہ استدلال کی صلاحیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، وہ خدا اور مومنین کی نظر میں مومن ہے اور جو ایمان کے اعمال کو ضائع کرتا ہے وہ گناہگار مومن ہے اور اس کا ایمان ناقص ہے لیکن کافر نہیں ہے۔ (۳۰)

ابوحامد غزالی کہتے ہیں: غلامی اور آزادی و حرّیت کی مانند کفر بھی ایک شرعی حکم ہے کیونکہ اس کے معنی خون کو مباح کرنے اور اس کے ہمیشہ جہنم میں رہنے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اس حکم کا مدرک شرعی ہے یا یہ حکم نص سے سمجھ میں آتا ہے یا منصوص قیاس سے حاصل ہوتا ہے۔ قاضی عیاض تاکید کرتے ہیں کہ اس حکم میں اشتباہ و ابہام کا پتہ لگانے کے لئے، شرع ہے عقل کو اس میں دخل نہیں ہے۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں: کفر ایک شرعی حکم ہے جو صاحب شریعت سے حاصل ہوا ہے۔ کبھی اس کے صحیح و غلط ہونے کو عقل سے سمجھا جاتا ہے، لیکن جہاں عقل کے لحاظ سے غلطی ہو جائے وہ شریعت کی رو سے کفر نہیں ہے، جیسا کہ شرع کی رو سے ہر اس چیز کا جاننا واجب نہیں ہے جو عقل کی رو سے صحیح ہے۔ ابن وزیر کہتے ہیں: تکفیر کا حکم محض سمعی ہے۔ عقل کو اس میں بالکل دخل نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں: کفر و فسق کا حکم محض قطعی ہے۔ (۳۱) "کتاب الفتاویٰ الصغریٰ" میں لکھا ہے: کفر بہت بڑا مسئلہ ہے۔ جب تک مجھے کسی کے کافر ہونے کے بارے میں کوئی حدیث نہیں مل جاتی اس وقت تک میں کسی مومن کو کافر قرار نہیں دیتا

خلاصہ وغیرہ میں مرقوم ہے کہ اگر اس مسئلہ میں چند دلیلیں ہوں اور ان سب کی رو سے تکفیر واجب ہو اور ایک دلیل سے تکفیر ممانعت ثابت ہوتی ہو تو مسلمان کے بارے میں حسن ظن رکھنے کی بنا پر مفتی پر واجب ہے کہ تکفیر کی ممانعت کرنے والی دلیل کے مطابق عمل کرے۔ "البزّازیّہ" میں یہ اضافہ کیا گیا ہے: مگر یہ کہ دوسری دلیل اس کے کفر کے سبب و قصد کی طرف اشارہ کرے تو اس صورت میں تاویل و توجیہ سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

کتابِ "تاتر خانیّہ" میں لکھا ہے: احتمال کی بنیاد پر کسی کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ کفر آخری سزا ہے اور یہ سخت جرم کے متقاضی ہے اور احتمال کے ساتھ کسی انتہا پسندی کی ضرورت نہیں ہے۔

کتابِ "البحر" میں "الجامع الصغیر" سے نقل کیا ہے: اگر کوئی شخص عمداً زبان سے کفر آمیز بات کہے لیکن کفر کا اعتقاد نہ رکھتا ہو، اس کے بارے میں ہمارے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے وہ کافر نہیں ہوتا کیونکہ کفر کا تعلق انسان کے ضمیر و باطن اور دل سے ہے اور یہاں اس کے ضمیر میں کفر نافذ نہیں ہوا ہے۔ بعض دوسرے علماء کہتے ہیں کہ اس سے وہ کافر ہو جائے گا، میرے نزدیک یہ نظریہ درست ہے کیونکہ اس نے اپنے دین کو کم قیمت شمار کیا اس کے بعد کتاب "البحر" میں لکھا ہے کہ جو بھی مذاق میں یا جملہ بازی میں کفر آمیز بات کہتا ہے وہ سب کے نزدیک کافر ہے اور اس کے عقیدہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ایسے ہی "الخانیہ" میں اس کی تصریح کی ہے کہ جو شخص غلطی یا جبر سے کفر آمیز بات کہے اسے کوئی بھی کافر قرار نہیں دیتا ہے اور جو شخص ارادہ و اختیار سے اور اس کلام کے کفر سے واقف نہ ہو اور اسے زبان پر لائے تو ایسے شخص کے کفر میں اختلاف ہے۔

شیخ محمد عبدہ کہتے ہیں، دین اسلام کے اصول میں سے تکفیر سے دور رہنا بھی ہے، چنانچہ مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہو گئی ہے اور احکام دین کے قواعد میں شمار ہوتی ہے کہ جب کسی کہنے والے کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے کہ جس میں کفر کے سوا احتمال دیئے جائیں اور ایک احتمال ایمان کا بھی ہو تو اسے ایمان پر حمل کیا جائے گا اسے کفر پر حمل کرنا جائز نہیں ہے۔

شیخ محمد راغب نے ابو حامد غزالی کی کتاب "التفرقة بین الاسلام والزنادقة" سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ جب تک اہل قبلہ کلمۂ لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ (ص) پڑھتے رہیں اور اس کا نقض نہ کریں اس وقت تک ان کے خلاف لب کشائی نہ کرنا، اور اس کے نقض سے مراد یہ ہے کہ کسی عذر یا بے عذر کی وجہ سے رسولؐ کے لئے جھوٹ کو جائز قرار نہ دیں۔

غزالی کہتے ہیں: اس شخص کو کوئی شرعی دلیل کے بغیر کیسے کافر کہہ سکتا ہے جو خدا اور روزِ جزاء پر ایمان رکھتا ہے اور زبان سے خدا کو ہر عیب و نقص سے پاک قرار دیتا ہے اور خلوص کے ساتھ خدا کے لئے عمل

کرتا ہے اور اس طرح اپنے ایمان میں اضافہ کرتا ہے اور خداوند متعال کی معرفت حاصل کرتا ہے، خدا بھی اس کو نوازتا ہے اور اس کے لئے معرفت و اکرام کے اسباب فراہم کرتا ہے اور اسے اپنی رضا سے نوازنے کا اعلان کرتا ہے۔ کسی کے کافر کہنے سے اس کا ایمان ضائع نہیں ہوتا، ہاں مگر یہ کہ وہی ایمان سے الگ ہو جائے اور ایسی چیز کا معتقد ہو جائے جو ایمان سے میل نہیں کھاتی۔ (۳۲)

کسی کے ایمان کے بارے میں حسن ظن رکھنا

اگر کوئی کافر کسی مسجد میں نماز پڑھے، چاہے امام جماعت کے عنوان سے پڑھے، ماموم وغیرہ کے عنوان سے پڑھے تو اس سے اس کا اسلام ثابت ہو جائے گا۔

ابو حنیفہ کہتے ہیں: اگر کافر جماعت کے ساتھ نماز پڑھے، تو اس سے اس کا اسلام ثابت ہو جائے گا، چاہے وہ امام ہو یا ماموم اور اگر وہ فرادیٰ نماز پڑھے اور مسجد میں پڑھے تو بھی اس کا اسلام ثابت ہو جائے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے جو کہ ابو حنیفہ سے نقل ہوئی ہے۔ اگر مسجد کے علاوہ دوسری جگہ نماز پڑھتا ہے تو اس سے اس کا ایمان ثابت نہیں ہوگا۔ ابو حنیفہ اس آیۂ شریفہ سے استدلال کرتے ہیں: "اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَآتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ۔" (۳۳) اس آیت میں وارد لفظ "یَعْمُرُ مَسَاجِدَ" کو مسجد کے آباد کرنے کی علامت سمجھا گیا ہے، مسجد کو آباد کرنے سے اس کی عمارت بنانا مراد نہیں ہے بلکہ اس میں نماز پڑھ کر آباد کرنا مراد ہے۔ (۳۴)

انس ابن مالک نے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے ان سے فرمایا: جو شخص ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرکے ہماری نماز پڑھتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے تو ہمارا (اور اس کا) ایک ہی حکم ہے۔ دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے کہ "وہ مسلمان ہے" اور وہ تمام احکام میں ہمارے ساتھ شریک و مشترک ہے، دونوں روایتوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ رسولؐ نے فرمایا: جس شخص کو مسجد میں زیادہ دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو، آگاہ ہو جاؤ کہ مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے، جب کہ نماز پڑھنے کی وجہ اس کے خون کی حفاظت ہو گئی ہے تو اسے مسلمان ماننا واجب ہے۔ نیز فرمایا: ایمان و کفر کے درمیان فاصلہ، ترک نماز ہے۔

نتیجہ

اہل سنت کے فقہائے اربعہ اور ان کے مفسرین و محدثین کے نظریات کو گذشتہ مطالب کے ذیل میں پیش کیا گیا اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تکفیر کا یہ وقوعہ کہ جس میں آج کل ہماری امت

اسلامیہ مبتلا ہے جس نے مسلمانوں کے تحفظ اور امن وسکون کو غارت کردیا ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے جان و مال اور شہروں کو مباح سمجھ لیا گیا ہے۔ مجتہدین (اربعہ) کے نظریات میں اس ـ تکفیر ـ کی کوئی بنیاد نظر نہیں آتی ہے۔ ہاں یہ کام (مسلمانوں کو کافر کہنا) خوارج نے (شروع) کیا تھا انہوں نے رسولؐ کے چچازاد بھائی اور ان دس آدمیوں (عشرہ مبشرہ) میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تکفیر کی تھی جن کو جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ خوارج پہلا گروہ ہے جو تکفیر کے دَلدَل میں غرق ہوا تھا؛ انہوں نے مسئلہ حکمیت "لاحکم الّا للہ" میں حضرت علیؑ کو (معاذاللہ) کافر قرار دیا تھا، کیونکہ آپ نے ان کے اور اہل شام کے درمیان حکمیت کی رضا دی تھی حضرت علیؑ نے فرمایا: خوارج کا یہ کہنا "لاحُکمَ الا للہ" حق ہے لیکن اس سے باطل مراد لیا گیا ہے۔ اسی طرح خوارج بڑے گناہ کے مرتکب کو بھی کافر کہتے تھے۔ خوارج کا علم کے بغیر خدا و رسولؐ کے بارے میں بحث کرنا اور فتنہ و فساد برپا کرنا اور لڑائی جھگڑوں میں مشغول رہنا، ان کی گمراہی کی واضح دلیل ہے۔ ان کی ان حرکتوں کی وجہ سے بہت سے خون بہائے گئے، حرمت و عزت کو پامال کیا گیا۔ شروع سے آج تک اس تکفیر کے مخرب اثرات کی وجہ سے مسلمانوں نے بہت رنج و غم اٹھائے ہیں۔ اسی طرح اس عہد میں بھی کچھ اسلامی گروہ مسلم حکمرانوں اور اسلامی معاشروں کو کافر قرار دیتے ہیں اور ان کے خلاف شورش کرنے کی دعوت دیتے ہیں، یہ گروہ اپنے اس فکری و عملی مسلک کے ساتھ کچھ مشترک باتوں کے سبب خوارج ہم خیال ہوگئے ہیں۔ منجملہ مشترک باتوں میں یہ بھی ہے کہ یہ بھی بڑے گناہ کے مرتکب لوگوں کو کافر کہتے ہیں، حکام اور زمامداروں کے خلاف شورش کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد کو ہوا دیتے ہیں ایسی باتیں کہنے والوں اور ایسے غلط نظریات رکھنے والوں کی گمراہی پر خوارج کی گمراہی کی مانند یہ دلیل ہے، "وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُون" (۳۵) کفر کے معنی انہوں (علماء) نے دین سے نکل جانا لئے ہیں اور جو کفر میں ہیں اور جو لوگ دین سے خارج ہوگئے ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے ان لوگوں نے اس آیت کے بارے میں یہ نہیں دیکھا کہ رسولؐ کے اصحاب نے اس سے کیا مراد لیا ہے اور نہ ہی اس سلسلہ میں معتبر پیشوائوں کے اقوال پر نظر ڈالی ہے اور نہ عربی میں لفظ "کفر" کے معنی کو ملاحظہ کیا ہے۔ اس مسئلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم اور سنت رسول اور سلف صالح کے اقوال اور کتاب خدا اور سنت رسول کے الفاظ کے معنی وہ مدالیل سے آگاہ ہونے کی (اشد) ضرورت ہے اس آیت میں وارد لفظ "کفر" صرف ایک معنی (دین سے خارج ہونے) پر دلالت نہیں کررہا ہے بلکہ یہ لفظ درج ذیل دو آیتوں میں وارد لفظ "ظلم" و "فسق" کی مانند ہے: "وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُون" (۳۶)، "وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْن" (۳۷) یہاں ظلم و فسق کے

وصف کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو لوگ ان دو صفتوں سے متصف ہیں وہ دین سے نکل گئے ہیں اسی طرح مبداء کفر سے متصف ہونے کے معنی دین سے خارج ہونا نہیں ہیں، ایک صاحب قلم، جو تکفیر کے خطرناک نتائج سے خبردار کرتا ہے، لکھتا ہے: فتنہ، تکفیر –خوارج کے طریقہ کار ہی کی ایک کڑی ہے– سے مربوط مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں بعض گروہوں اور کچھ ٹولیوں نے تکفیر کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ مبلغین کو چاہئے کہ اس –تکفیر– کے چکر میں نہ پڑیں، ہر مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ سلف صالح کی روش کو اختیار کرے اور ان اصول و ضوابط سے آگہی حاصل کرے کہ جن کو کسی شخص کے لئے لفظ کفر استعمال کرتے وقت ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ ان ضوابط میں سے اہم ترین یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کسی چھوٹے، بڑے گناہ کے مرتکب ہونے پر کافر نہ کہے، گناہ کرنے والے کو اس وقت تک کافر نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ اس سے شہادتین کو نقض و باطل کرنے والا کام صادر نہ ہوجائے۔ مسلمان سے کوئی ایسا فعل سرزد ہونا چاہئے کہ جو اس کے ارتداد کا باعث ہو لیکن اس پر حجت تمام کرنا چاہئے اور اس کے شک و شبہ کو برطرف کرنا چاہئے۔ کافر کے اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ زبان سے "لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ" کہے، اس کے قلبی اقرار کا مقتضیٰ یہی دو شہادتیں ہیں۔ یہاں جن چیزوں پر توجہ کرنی چاہئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں پر ان کے ظاہر کے مطابق حکم لگایا جاتا ہے، ان کے ظاہر کے اعتبار سے احکام جاری ہوتے ہیں۔ ان کے باطن کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ عمر بن خطابؓ نے کہا ہے: زمانۂ رسولؐ میں لوگ وحی (کے ذریعہ احکام) لیتے تھے اور اب وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔ اب میں تمہارے ساتھ تمہارے ظاہر کے لحاظ سے پیش آؤں گا جو ہمارے لئے خیر کا اظہار کرے گا ہم اسے امان دیں گے، اسے اپنے قریب کریں گے، اس کے باطن میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے اس کا حساب خدا لے گا اور جو شخص ہمارے لئے بدی کا اظہار کرے گا، ہم اسے امان نہیں دیں گے اور اس کی تصدیق نہیں کریں گے چاہے وہ اپنے باطن کو کتنا ہی اچھا بتائے۔

ان کی اس بات کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کو کافر قرار دے دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ کسی ایسے کام کا مرتکب نہ ہوجائے کہ خدا کی طرف سے اس کے کفر کا حکم آجائے، اس سے پہلے اسے کافر نہیں کہا جاسکتا۔ سلفِ صالح کا یہی شعار تھا، وہ ظاہر کے مطابق حکم کرتے تھے، خداوند عالم ان کے ظاہر و باطن کا خوب جاننے والا ہے، تکفیر کے سلسلہ میں سلف صالح نہایت ہی احتیاط سے کام لیتے تھے، نصوص کو ایک دوسرے کے برابر رکھتے تھے اور افراط و غلو سے کام نہیں لیتے تھے اور حد سے تجاوز کئے بغیر نصوص کی تفسیر کرتے تھے۔

حوالے:

۱۔الدرّ المختار، ج ۴

۲۔ البحر الرائق شرح کنز الد قائق، ج ۲ ص ۸۵

۳۔الایمان حقیقتہ، ج ۱ ص ۱۳۹

۴۔البحر الرائق شرح کنز الد قائق، ج ۲ ص ۸۴

۵۔ ابن عابدین، رَدُّ المختار علی الدّر المختار، ج ۴ ص ۲۴۴

۶۔ابو حنیفہ، الشرح المبشر علی الفقھین، الابسط والاکبر، ج ۱ ص ۷۶

۷۔ الدّر المختار، ج ۴

۸۔ مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحد، ج ۴ ص ۲۱۴

۹۔الدّر المختار، ج ۴

۱۰۔ایضاً

۱۱۔زین الدین بن ابراہیم بن محمد (ابن نجم) البحر الراتق شرح کنز الد قائق، ج ۱ ص ۳۶۴

۱۲۔الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی، ج ۱ ص ۳۷۴

۱۳۔الشرح الکبیر، ج ۴

۱۴۔ سورۂ انفال: ۳۸

۱۵۔التاج والاکلیل لمختصر خلیل، ج ۲

۱۶۔شافعی: الاشباہ والنظائر

۱۷۔التذکرہ

۱۸۔نووی، روضۃ الطالبین وعمدۃ المتقین، ج ۳

۱۹۔ تقی الدین ابو بکر بن محمد حسینی حسنی دمشقی، شافعی کفایۃ الاخیار فی حلّ غایۃ الاختصار، ج ۲

۲۰۔ سورۂ بقرہ، ۲۸۵

۲۱۔ بحث فی التکفیر، ج ۱ ص ۱۲

۲۲۔حوالہ سابقہ

۲۳۔محمد بن محمد مختار شنقیطی شرح زاد المستقنع، ص ۲۲۶

۲۴۔کشاف القناع عن متن الاقناع، ج ۲ ص ۶

۲۵۔الایمان والکفر فی الکتاب والسنہ، ج ص ۴۹

۲۶۔المخلص الفقہی، ج۲، ص ۲۳۷

۲۷۔د۔منقذ بن محمود سقار، التکفیر وضوابط، ج۱ص ۱۲

۲۸۔حوالہ سابقہ

۲۹۔الغلو فی التکفیر، ج۱ص ۱۴

۳۰۔الغلو فی التکفسیر، ج۱ص ۴۱

۳۱۔منقذ بن محمود سقار، التکفیر وضوابط

۳۲۔ آراء علماء المسلمین فی التقیۃ والصحابۃ وصیانۃ القرآن الکریم، ج۴ص ۷

۳۳۔سورہ توبہ: ۱۸

۳۴۔ ابوالحسن ماوردی، الحاوی الکبیر

۳۵۔سورۂ مائدہ، ۴۴

۳۶۔ سورۂ مائدہ، ۴۵

۳۷۔ سورۂ مائدہ، ۴۷

نفاق اور تکفیر کے درمیان رابطے کی تحقیق

رحیم نوبہار
مترجم: منہال حسین

مقدمہ

جب پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو مدینہ میں یکجہتی کو قائم کرنے کے لئے مختلف گروہوں اور قبائل کو جمع کر کے ایک عہد نامہ لکھا، جس کا مضمون تھا؛ "یہودی اپنے دین کے اور مسلمان اپنے دین کے پابند ہوں گے۔۔۔یہودی اپنا خرچ خود اٹھائیں گے اور مسلمان بھی اپنا خرچ خود اٹھائیں گے،اس عہد وپیمان کے تمام عضو کے درمیان نیکی، بھلائی اور خیر خواہی حاکم ہوگی اور کسی کو ظلم و ستم اور جرم و جنایت کا حق حاصل نہیں ہوگا۔"[۱]

اس دور میں مہربانی اور مذہبی و غیر مذہبی رواداری بردباری دانشمندوں اور پڑھے لکھوں کے درمیان اگر تھوڑی بہت دکھائی بھی دیتی تھی تو پھر بھی اس دور کے سماج پر پوری طرح رائج نہیں تھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی تہذیب کی بنیاد ڈالنے کے لئے صبر وبردباری کو اپنی ذات سے شروع کیا تھا اورآپ کے لئے فرق نہیں پڑتا تھا کہ مدینہ یا مدینہ سے باہر رہنے والے یہودی ہوں یا انصار کی اولاد ہوں جو بسا اوقات یہودی مذہب اپنا لیتے تھے۔[۲] یہاں پر یہودیوں سے مراد کوئی بھی ہو ، بہرحال پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کو صبر و بردباری کی تعلیم دی ، آج کا دور جس میں بردباری انسانی سماج پر حاکم ہوچکی ہے ، ایسے دور میں بعض نادان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر تکفیر کا ڈنکا پیٹ رہے ہیں اور امت مسلمہ میں بے صبری کا کھل کر مظاہرہ کررہے ہیں تاکہ وہ پیغمبراسلام ﷺ کی شریعت اور اسلام کے حسین چہرے کو خوفناک اور ڈراؤنا دکھا سکیں۔

تمام ثبوت اور دلیلیں اس بات پر دلالت کررہے ہیں کہ عالم اسلام کے خارجی دشمنوں کی دست درازیاں اس فتنہ کو شدت سے ہوا دے رہی ہیں اور ہر طرح سے ان کی مدد کر رہی

ہیں، لہٰذا ہمیں فکری اور ثقافتی اعتبار سے اس فتنہ کے نقصانات سے اغماض نہیں کرنا چاہئے ، جہالت سطحی فکر اور بعض مسلمانوں کی نادانی نے اس فتنہ کو بعض اسلامی ممالک میں قدرت مند ہونے میں بڑی مدد بہم پہنچائی ہے ، اس لیے تکفیر کو جنم دینے والے فکری اور اعتقادی سرچشمہ اور بنیاد کی شناخت بہت ضروری ہے اس کے علاوہ تکفیر کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتنہ اسلام کے آغاز سے ہی اس کے لئے مشکل ساز رہا ہے۔ ۳؎ گرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ تکفیر روزبہ روز ذلت و رسوائی کی طرف بڑھتی جارہی ہے ۔

دور حاضر میں تکفیری گروہ اپنے افکار کو عام کرنے کے لئے بڑے نظم و ضبط کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں، اباضیوں کے بعض گروہ کفر ان نعمت کو قبول کرنے کے بعد اسے انکار ربوبیت کے کفر سے جدا کردیا کرتے تھے۔ ۴؎ لیکن آج کے دور میں تکفیری گروہ اس قدر شدت پر اتر آئے ہیں کہ جیسے ہی کوئی ان کے عقائد کی مخالفت کرتا ہے یا فکری اعتبار سے ان کا مخالف نظر آتا ہے فوراً اسے تکفیر کے اسلحہ سے نشانہ پر لے لیتے ہیں۔

تکفیری جماعت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے مخالفین کے عقائد کے سامنے نہایت ظلم و تشدد کا مظاہرہ کرتے ہیں اور تکفیر کے اسلحہ کی نوک پر اپنے عقیدے کو دوسروں کے سر پر تھوپنے کے درپے رہتے ہیں، اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ سماج میں نفاق اور ظاہری داری نے جنم لیا۔

اسلامی دانشمندوں اور علماء نے اپنی تحقیقات میں زیادہ تر مذہبی بردباری اور شدت پسندی کے سلسلہ میں تحقیق کی ہے ، انہوں نے شدت پسندی اور زبردستی دوسروں پر اپنے عقائد کو لادنے کے درمیان رابطے اور اس کے سبب پھیلتے ہوئے نفاق کی طرف اشارہ کیا ہے، ۱۶ / نومبر ۱۹۵۹ء میں یونسکو نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ مذہبی شدت پسندی اور کسی پر طاقت کے ذریعہ اپنے عقائد کو لادنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ لوگ اپنی حقیقت کو آشکار کرنے سے کتراتے ہیں ، مذہبی شدت پسندی کی وجہ سے جہاں فرد میں نفاق پیدا ہوتا ہے وہیں سماج میں بھی نفاق کا زہر پھیل جاتا ہے، بلکہ دین کے آئینہ میں بھی دینی اور مذہبی شدت پسندی پر مشتمل عقیدے اور تکفیر کو منوانے

یا اس کا حکم لگانے کے درمیان گہرا رابطہ پایا جاتا ہے ، جس کی وجہ سے روز بہ روز مومنین اپنے ایمان اور دین سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اس مقالہ میں مذکورہ موضوع کے سلسلہ میں تحقیق کی گئی ہے ،(پہلے باب)میں دینداری کے درمیان ظاہرداری (ظواہر پر عمل کرنے) کے نظریہ کو پھیلانے میں تکفیر کے کردار کو پیش کیا گیا ہے ،(دوسرے باب) میں ایمان اور دینی معرفت کے درمیان نفاق پیدا کرنے میں تکفیر کے کردار کو بیان کیا گیاہےاور (تیسرے باب) میں فتنہ تکفیر سے نجات پانے کے راستوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے ۔

ا۔ تکفیر یعنی ظاہر پرستی اور معنویت کا قلعہ قمعہ

تکفیری افکار، دین کے لئے اتنے خطرناک ہیں کہ اس کے ابتدائی اثرات میں ہم دیکھ رہے ہیں ، مسلمان ایک دوسرے کا بڑی دلیری سے خون بہارہے ہیں یا دیگر ادیان کے ماننے والوں تک اس کی لڑائی محدود نہیں رہی۔ بلکہ تکفیری نظریہ کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے معنویت اور دین کی پاک و پاکیزہ جڑیں ضعیف اور تباہ وبربادی ہورہی ہیں ، دینداری میں ظاہر پرستی کو رواج ملتا جارہاہے۔لہٰذا یہ سوال ہوسکتا ہے کہ تکفیر اور ظاہر پرستی کے درمیان کیا رابطہ ہے؟

وہ لوگ جو اپنی زبان اور دل سے دوسروں کی تکفیر اور انہیں کافر بنارہے ہیں جب کہ وہ حد اقل خدا کے بندے ضرور ہیں ، یہ وہ لوگ ہیں جو دیگر انسانوں کی طرح دلوں کے اسرار، نیتوں اور انسانی و الٰہی اہداف و مقاصد سے نابلد ہیں ، بس انہوں نے اپنی عادت بنا رکھی ہے کہ وہ بعض ظاہری اعمال کو معیار بناتے ہوئے لوگوں کے ایمان یا کفر کے سلسلہ میں حکم لگائیں ، جب کہ ایک معمولی انسان کفر کی تہمت سے مبرا رہنے کے لئے حتی وہ لوگ جو قلبی طور پر دینی باتوں پر ایمان نہیں رکھتے وہ بھی بظاہر کوشش کرتے ہیں کہ ظاہری طور پر دیندار بنے رہیں اور ظواہر کی رعایت کریں لیکن جب تکفیر کی تہمت سے بچنا ظاہری اعمال و کردار پر منحصر ہو تو ظاہر پرستی کو حد سے زیادہ رونق ملے گی ، اخلاقی اقدار اور معنویت ختم ہوجائے گی ، جب ظاہرپرستی کو

رواج ملتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باطن پرستی ، اقدار اور ذاتی و باطنی فضیلتوں کی تباہی کا وقت آن پہنچا ہے ۔

شاید کچھ ایسے لوگ مل جائیں جو یہ سوچ بیٹھیں کہ اسلام نے ظاہر کو بہت اہمیت دی ہے بطور مثال اسلام میں گناہوں کو چھپانے کی بہت تاکید ہوئی ہے۔۵ یا وہ گناہ جو بصورت علنی انجام دیئے جاتے ہیں انہیں روکنے اور نہی عن المنکر کی سب سے زیادہ تاکید وارد ہوئی ہے۔۶ تو ظاہر پرستی کو اہمیت دینے سے اسلامی سماج سالم رہتا ہے ؛ بلکہ اس کے ذریعہ باطن اور کے اسباب فراہم ہونے لگتے ہیں۔

ایسی سوچ رکھنے والے شاید بھول چکے ہیں کہ اسلام میں گناہوں کی پردہ پوشی کا حکم اس لئے نہیں ہے کہ اس سے ظاہر پرستی کو اہمیت دی جائے تاکہ ایک پاک و پاکیزہ سماج بن سکے بلکہ اسلام نے اگر بعض عفت کے خلاف اعمال و کردار کی پردہ پوشی کا حکم دیا ہے تو صرف اس لئے تاکہ بعض گناہوں کی قباحت باقی رہے اور سماج عفت و اخلاق کی جانب گامزن رہے۔ اور اگر آشکارا انجام دئے جانے والے گناہوں کی نہی کا حکم وارد ہوا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ذاتی زندگی میں سے منع کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاقی طور پر مذکورہ، دونوں صورتوں میں نہی عن المنکر موثر واقع نہیں ہوسکتا۔ جب اسلامی احکام و مصادر میں کھلم کھلا انجام دئے جانے والے گناہوں کی شدت سے روک تھام کا حکم وارد ہواہے تو کیونکر ظاہر پرستی اور ظواہر نام پر اس انداز فکر و عمل کو کیسے قبول کیا۔ جاسکتا ہے ؟!

اسلامی منابع مخصوصاً قرآن کریم کی بے شمار آیتیں اسلام بلکہ ادیان ابراہیمی کو باطنی پاکیزگی اور طہارت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ قرار دیتی ہیں۔۷ علّامہ طباطبائی کے بقول مسلمانوں کے بچھڑے رہنے کا سبب ظاہری احکام پر اکتفا اور باطن و روح سے روگردانی ہے۸۔ شیعہ اور سنی منابع میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " میں مبعوث ہوا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کو کامل کرسکوں ۔" ۹

شریعت اپنی تمام عظمت و جلالت کے ہمراہ اخلاق تک پہنچنے کا راستہ اور ایک بااخلاق سماج بنانے کا ذریعہ ہے ، تکفیری جماعتیں مسند قضاوت پر تکیہ دے کر اور ظاہر پر اعتماد کرتے ہوئے

مسلمانوں کے ایمان و کفر کے سلسلہ میں قضاوت کا سہارا لے کر باطنی اقدار اور فضیلتوں کو عملی طور پر پامال بلکہ دین کو چند ظاہری اعمال میں خلاصہ کر دینا چاہتے ہیں۔

تکفیری افکار کی دنیا میں ظواہر اعمال کو جس قدر اہمیت دی جاتی ہے اتنی اہمیت روح و باطن ، نیتوں اور اہداف و مقاصد کو نہیں دی جاتی ، اسی وجہ سے بعض ظاہر پرست تکفیریوں کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا عمل انجام دے جس کو کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے تو اگر اس فعل کو خدا کے لئے انجام نہ بھی دیا جائے تب بھی وہ عمل بارگاہ الٰہی میں مورد قبول واقع ہوگا۔[۱۰]

بہرحال تکفیری فکر میں ظواہر پر عمل ایک زبردست کردار پیش کرتا ہے۔[۱۱] اباضیہ مسلک میں ایمان کے تین مرتبے بیان کئے جاتے ہیں؛ دل سے ایمان لانا ، زبان سے اقرار کرنا اور ارکان کو بجالانا۔ ان کی نظر میں ایمان عمل سے مل کر کامل ہوتا ہے ، اسلئے کہ عمل عقیدے اور زبانی سچائی پر بہترین دلیل ہے۔[۱۲] جب کہ شیعہ عقیدے کے مطابق ایمان دل سے خدا پر ایمان لانے کا نام ہے اور ہر اس چیز پر ایمان رکھنا ہے جس پر ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔[۱۳]

اگر اجتماعی طور پر اس فکری تحریک کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ ان کی نظر میں اسلام آج کے انسانوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں ناتواں ہے ، جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری مادی دنیا میں تمام آنکھیں ادیان و مذاہب کے پیغامات پر ٹکی ہوئی ہیں، قائد و معنویات کا ٹکراؤ ایک طرف اور دوسری طرف عصر حاضر میں معنویت کی مانگ کے پیش نظر تکفیری رد عمل نے اسلام کو معنویات سے خالی اور انسانوں کی عالی و متعالی ضرورتوں کو پورا نہ کرنے کی صلاحیت رکھنے والے دین کی شکل میں پیش کر دیا ہے ، انہوں نے زیادہ سے زیادہ ظاہر کی تاکید کی ہے ، اس کے علاوہ وہ ایمان اور مومن کی تعریف میں اقدار کی بے وقعتی اور معنویت کے غیر ضروری ہونے کے ساتھ دینی معاملات میں ایک قسم کی لاپرواہی کی تبلیغ کا سبب بھی قرار پائے ، جب کہ یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے ، اسلئے کہ خدا کے احکام پر عمل کرنا نہایت اہم اور کارساز ہے ، لیکن تکفیریوں نے اس حد تک کفر و ایمان پر اعضاء و جوارح کے اعمال کی تاکید کی ہے گویا کہ اسے کافر بنانے کا ایک کارخانہ سمجھ بیٹھے ہیں ، جب کہ انہیں اس

سلسلہ میں میانہ روی(اعتدال) سے کام لینا چاہئے اور اقدار و اعمال کی اہمیت پر ایمان رکھتے ہوئے ہر گز دیگراصول اور ارکان کو ان پر منحصر قرار نہیں دینا چاہئے۔

۲۔ تکفیر اور پھیلتا ہوا نفاق

تکفیریوں کے دینی افکار، ایمان و معرفت کی دنیا میں نفاق کو عام کرر ہے ہیں ، اس سلسلہ میں تحقیق کے لئے بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱/ ۲۔ تکفیر اور اعتقادی نفاق

اسلامی قوانین کے مطابق اسلامی سماج کا حصہ بننا بہت آسان ہے ، اسی لئے ایک مسلمان جب کسی شخص کو کلمہ شہادتین کی گواہی دیتے ہوئے دیکھتا ہے تو اسے اسلامی سماج کا عضو سمجھنے لگتا ہے ، فقہ کی نظر میں کفر اور دین سے خارج ہونے کی تہمت نہایت خطرناک سمجھی جاتی ہے، گرچہ عقل کی روشنی میں یہ بات مانی جاسکتی ہے کہ اسلامی سماج میں ایک مسلمان کی عضویت کی بقا کے لئے دین نے شرائط و قوانین بنائے ہیں ، اسی طرح مرتد ہونے سے متعلق مروی روایات اور ان کی موجودہ تفاسیر سے پرے ہو کر عقل کی روشنی میں یہ بھی مانا جاسکتا ہے کہ جب کوئی شخص اسلامی سماج کو ٹھیس پہنچانے کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور اس سے مقابلہ کے لئے کوئی" تعالی وبکل ما اوجب معرفہ" ۱۳؎ کوئی اقدام بھی نہ کیا ہو تب بھی بعض شرائط کے پیش نظر اختیاری طور پر وہ اسلامی سماج کی عضویت سے محروم ہوسکتا ہے لیکن ہر گز یہ بات قابل قبول نہیں ہے کہ دین، معنویت اور اخلاق کا پرچمدار ہوتے ہوئے اپنے افراد کو اسلامی سماج کا عضو باقی رکھنے کے لئے اسلحوں ، دھمکیوں اور دہشت و تکفیر کا سہارا لے ، چونکہ اگر ایسا مان لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ دینی سماج میں نفاق اور رعب و ترس کی حکومت کے قیام کے لئے مقدمہ چینی ہے، لہٰذا وہ تمام آیتیں جو نفاق اور ایمان و عمل میں دوگانگی کی مذمت کرتی ہیں ، ان تمام آیتوں میں دہشت و تکفیر کی حکومت کی مذمت ہوئی ہے ، نفاق جو ایمان و عمل کی دوگانگی کا دوسرا نام ہے ، وہ بھی گفتار کی مانند ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے : منافق اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جس پر وہ قلبی طور سے ایمان نہیں رکھتے۔ ۱۴؎

اس آیت کے پیش نظر کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس منافقت کا سبب جنگ ہو جس کی وجہ سے خوف و ترس پیدا ہو رہا ہو یا مرجانے یا مال و متال دنیا تک پہنچنا ہو ، بہر حال قرآن کریم کی نظر میں خوف و ترس کے عالم میں ایمان کے اظہار کی کوئی اہمیت نہیں ہے ، جیسا کہ قرآن کریم نے مختلف قوموں کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

جب ان لوگوں نے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے :ہم ایک خدا پر ایمان لائے اور ابھی تک جن بتوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے ، ان سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں لیکن عذاب الٰہی کے مشاہدے کے بعد خدائے واحد پر ایمان کے اظہار نے انہیں فائدہ نہیں پہنچایا۔۱۵

علّامہ طباطبائی کی نظر میں اس مقام پر ان کے ایمان کے بے سود ہونے کا راز یہ ہے کہ انہوں نے اختیاری طور پر ایمان قبول نہیں کیا۱۶ اور ظاہر ہے کہ اجباری طور پر ایمان لانے کو قبول نہیں کیا جاتا۔۱۷

ایسے ایمان کو مجاز کے طور پر ایمان کہا جاتا ہے اور ایک قسم کی غفلت یا غلط تعبیر ہے اس لئے کہ ایمان اسے کہتے ہیں جو انسان اپنی خوشی سے قبول کرے۔

جب اسلام کو اختیاری طور پر قبول نہ کیا گیا ہو اور زندگی گزارنے کے لئے اسے ایک بہترین راستہ نہ سمجھا گیا ہو بلکہ خوف و ترس، نفس کی کمزوری اور باطنی حقارت کو مٹانے کے لئے ایسا کیا گیا ہو تو یہ ایمان منافقت اور ظاہری طور پر دوروئی کا باعث ہوتا ہے، اسی وجہ سے اسلام شدید انسانوں میں خوف و ترس قائم کرنے اور انہیں منافقت کی طرف رہنمائی کا مخالف ہے، حالانکہ خداوند عالم نے اسلامی قوانین کو خوف و ترس سے باہر آنے کے لئے بنایا کیا ہے۔۱۸ دین خود پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کا نام ہے ، لہٰذا اسے انسانوں کے دل میں خوف و ہراس کا ذریعہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور اس پر طرہ امتیاز تو یہ ہے کہ خوارج اور اباضیہ فرقے کے لوگ ، جو آگے چل کر تکفیر کا سرچشمہ قرار پائے ، اپنے گمان میں یہ بھی نفاق کی مذمت کرتے ہیں ، بلکہ یہ لوگ نفاق کو کفر و شرک کے برابر سمجھتے ہیں اور جو مسلمان کسی گناہ کبیرہ پر اصرار کرے تو اسے ایسا کافر (البتہ وہ کافر جس نے کفران نعمت کیا ہو) سمجھتے ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔۱۹ اس مقام پر ان

لوگوں نے اس نکتہ کو نظر انداز کردیا ہے کہ اس حد تک کفر و ایمان پر اعضاء و جوارح کے اعمال کی تاثیر کی تاکید، باطنی طور پر نفاق پھیلنے کا باعث ہوگی۔

اسی وجہ سے دین اسلام میں جو اہمیت حقیقت جوئی اور حق کی تشہیر کو دی گئی ہے اس کے پیش نظر ہرگز اسلامی افکار کو خوف و ترس مخصوصاً تکفیر کے ذریعہ دوسروں کے ذہنوں میں نہیں بٹھایا جاسکتا، اسلئے کہ یہ طرز عمل نفاق کا موجب ہے لہٰذا اس قسم کی تبلیغ سے پرہیز کرنا ضروری ہے یعنی خیر اور اسلام کی جانب دعوت دیتے ہوئے حق و حقیقت کو پھیلانا ہے اور یہ مقصد یعنی حق تک پہنچنے کے لئے ایک دوسرے کی معلومات کو بڑھانے اور منطقی استدلال کے ذریعہ ممکن ہے، جبکہ اس قسم کی تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ تکفیر کے ذریعہ دوسروں کے سر اپنے عقیدے کو تھوپنے سے پرہیز ہے۔

۲۔ ۲ : تکفیر اور عمدی نفاق

تکفیری افکار ایمان کی دنیا میں نفاق کو بڑھاوا دینے کے علاوہ امت مسلمہ بلکہ اسلامی دانشوروں اور دانشمندوں کے درمیان علمی اعتبار سے دوگانگی کا باعث ہے، خالق کائنات علی الاطلاق فیاض ہونے کی بناپر ہر روز بلکہ ہر لحظہ تمام دانشوروں اور دانشمندوں بلکہ تمام حق کی جستجو کرنے والوں کی آنکھوں کے سامنے دین کی نئی راہوں کو کھولتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ دین کی ذات میں تغییر و تبدل کرنا چاہتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمانے کے گزرنے اورانسانی ذہن کے کھلتے ہوئے دریچوں کے ساتھ دینی معارف بھی گہرائیوں سے سمجھ میں آنے لگیں اور یہ سمجھ بوجہ دین کے کسی خاص شعبہ سے مخصوص نہیں ہے جیسے کہ زبان شناسی کی دنیا میں ترقیات، قواعد تفسیر اور متکلم کے کلام کے واقعی مقاصد تک رسائی یعنی کلام الٰہی کے مقاصد کی تہ تک پہنچنا مفسروں، متکلموں اور فقہاء کے لئے بہترین معاون ثابت ہوگی تاکہ وہ اس طرح دین کی نئی باتوں اور جدید معلومات تک پہنچ سکیں، اسلام کی ترقی اور زمانے کے سوالات کی جواب دہی کی صلاحیت انہیں معلومات اور ترقیات کی مرہون ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔

تکفیری افکار نے امت مسلمہ کے دانشوروں اور دانشمندوں بلکہ اسلامی سماج کی عقلانیت پر تکفیر اور بدعت کی تلوار کو لٹکا کر علمی منافقت کو ہوا دی ہے اور اسلامی افکار کو ٹھیس پہنچائی ہے، گرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسے افکار نے ہمیشہ سے اسلام کو نقصان پہنچایا ہے ، ابو محمد نہذی (اباضیہ گروہ کے تیسرے درجہ کے عالم دین) کہتے ہیں :" وہ مومنین جو نئے عقائد اور نت نئی راہوں کو کشف کرتے ہیں وہ کفر میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور پھر نہ وہ مومن رہتے ہیں اور نہ ہی مشرک " ۲۰ جس دور میں نئی فکر کو بدعت اور دین سے خارج ہونے کا نام دیا جانے لگے اس وقت امت مسلمہ کے علماء نئی فکر اور کسی نئی بات کے اظہار سے پرہیز کرنے لگیں گے ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کی تاریخ میں بے شمار علماء اپنے بے نظیر افکار اور معلومات وتحقیقات) کو لے کر تکفیریوں کے جبر و تشدد کے زیر سایہ دفن ہوگئے اور ہرگز انہیں اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنے نظریات اور کشفیات کا اظہار کرسکیں ، بلکہ جنین کی طرح وقت سے پہلے ساقط کردئے گئے اورہرگز انہیں رشد و نمو کا موقع نہ مل سکا ، یا ان کی مثال اس غنچہ کی ہے جنہیں تکفیر کی زہریلی ہوا میں ہرگز کھلنے کا موقع نہ مل سکاہو اور انہیں ہرگز شمیم صبح میسر نہ ہوسکی ہو، بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ تکفیر کی دنیا میں بوستان افکار بڑی مشکل سے اپنے ایام کاٹ رہے ہیں اور گلستان اسلام کو ہرابھرا رکھے ہوئے ہیں ، وہ ایسے نادر اور گراں بہا افکار تھے جنہیں ہرگز تکفیری فضا میں پھلنے پھولنے کا موقع نہیں ملا جب کہ انہیں علمی نشستوں اور تنقید و تحقیق کی دنیا میں پیش کیا جاسکتا تھا اور یقیناً مفید ثابت ہوتے اور اگر انہیں پیش بھی کیا گیا تو ان کی شکل و شمائل کو نہایت بگاڑ کر پیش کیا گیا جو اسلامی سماج میں متعدد مشکلات کے جنم لینے اور مختلف موانع کے ایجاد ہونے کا باعث ہوئے ، بہت سے اسلامی افکار تکفیر کی زہریلی ہوا میں نہایت اختصار اور بطور اشارہ بیان ہوئے ہیں ، اور ایسا اسلئے ہوتا تھا تاکہ اسلامی علماء تکفیر کی تلوار سے امان میں رہ سکیں ، لیکن آگے چل کر یہ مبہم اور اجمالی افکار تفسیر کے دائرے میں آنے کے بعد مختلف اختلاف کے باعث ہوئے ، ایسے افکار کی افہام و تفہیم کے لئے نہ جانے کتنے افراد تباہ اور نہ جانے کتنے متناقض نظریات وجود میں آئے۔ ان سب سے بدتر تو منافقت تھی جو ایسے ماحول میں پیدا ہوئی اور اسلامی علماء اس کے سایہ میں رہنے پر مجبور ہوئے ، دل میں اپنے عقیدے کو چھپا کر

کفر و تکفیر کے خوف سے عقیدے کے خلاف اظہار عمل، عالموں کے رنج و الم کا باعث ہوا اور ابھی بھی ایسا ہی ہورہا ہے ، اسلامی سماج میں ایسے عالموں کی کمی نہیں ہے جو جدید افکار کو پیش کرنے کے جرم میں تکفیر کی تہمت سے روبرو نہیں ہونا چاہتے بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض اسلامی دانشور اسلامی افکار کے بارے میں عام مسلمانوں کی بے خبری کی وجہ سے ان کے ساتھ تقیہ جیسا سلوک کرتے رہے ہیں ۔

نئے افکار کے ساتھ تکفیریوں کا برا سلوک ایک ذاتی اور معمولی بات نہیں ہے بلکہ اس کا سب سے بُرا اثر یہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے اسلامی علوم میں ترقیاتی مہم کمزور پڑجائے گی ، تو جب نئے افکار اور مشہور عقیدے کے مقابلے میں نئے عقیدے کا اظہار اس حد تک نقصاندہ ہوسکتا ہے تو پھر زمانے کے گزرنے کے ساتھ رنج و الم تحمل کرنے والوں کی تعداد بھی بہت کم ہوجائے گی ، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جاہل عوام کی خواہشات اور دانشمندوں کی کمی کے سایہ میں تکفیری افکار پروان چڑھنے لگیں گے اور اسلامی سماج پر اپنا قبضہ جما لیں گے۔ظاہر میں عوام کے ساتھ ایک طرح اور خلوت میں دوسری طرح سے گفتگو کرنا مسلمان اور بیدار دل دانشمندوں کے ہزاروں رنج و الم میں سے ایک ہے جسے یہاں بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ تکفیر سے مقابلہ کے لئے نئی راہوں کی کھوج

اس مقالہ میں تکفیر سے مقابلے کے لئے جدید راہوں کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جواس طرح ہیں:

۱/ ۳۔ معنویت سے لگاؤ

بشر کی پیدائش سے ابھی تک اس کی سب سے پسندیدہ چیز معنویت اور خدا کی وحدانیت رہی ہے ، ہمارے دور میں غیر مسلم سماج کا اسلام سے لگاؤ اسی جذابیت اور معنویت کی وجہ سے ہے ، پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی قداست اور معنویت کے ذریعہ کل اور آج کے انسانوں کے لئے نت نئی راہوں کے دریچے کھولے ہیں اور خدا کی راہ میں معرفت کے مختلف راستے دکھائے ہیں ، توپھر یہ

کس قدر ظلم ہوگا کہ کوئی دین کے معنوی اور باطنی فائدے کو نظر انداز کردے یا اسے ظاہر اور چند رسم و رواج میں منحصر کرکے دنیاوالوں کے سامنے پیش کرے!

اسلامی ادبیات میں توحید کا مطلب دوگانگی کا انکار بلکہ خوبصورت انداز میں آفاقی دلیلوں کے ذریعہ اسے پیش کرنا ہے، تاکہ معنویت کے ذریعہ پیاسی بشریت سیراب ہوسکے۔ عصر حاضر میں توحید کے نام پر نہ جانے کتنے درد و رنج، خشک اور بے روح اسلام کی تصویر پیش کرنے کے بہانے وجود میں آئے ہیں اور انسانوں کے انواع و اقسام کے فہم و شعور سے مقابلہ کے لئے توحید کے نعروں کو بہانہ بنایا جارہا ہے یا دین کے سربراہوں کی اہمیت کو ختم کیا جارہا ہے یا سنت کے نام پر لوگوں کے عادات و اطوار کو دورہ جاہلیت کی طرف پلٹایا جارہا ہے یا اسلامی وانسانی ثقافتی میراث کو رفتہ رفتہ نابود کیا جارہا ہے، جب کہ ہر ایک کے لئے واضح ہے کہ دین انسانوں میں پائی جانے والی معنویت کی چاہت کا جواب دینے کے لئے ہمہ تن حاضر ہے اور بشر، باطنی و عرفانی معارف کا تجربہ کرنے کے لئے انبیاء مخصوصاً پیغمبر اکرمؐ کی تعلیمات کا شدت سے نیازمند ہے، لہٰذا دنیا والوں کو دین اسلام کی عرفانی وباطنی صلاحیتوں سے روشناس کرانا بہت ضروری ہے۔

۲/ ۳۔ اخلاق سے وابستگی

تکفیری افکار سے مقابلہ کے لئے اس حقیقت کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ دین، اخلاق الٰہی سے وابستہ ہونے اور ذات خداوندعالم سے رابطہ رکھنے کا نام ہے اور ظواہر اسی وقت تک اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جب تک وہ معنویت کی جانب رہنمائی تے ہوں، اس لئے کہ اگر اخلاق اور معنویت کے آئینہ میں شریعت اسلامی کو پیش کیا گیا تو اس کے ذریعہ بآسانی تکفیری افکار کو نابود کیا جاسکتا ہے، جیساکہ قرآن کریم نے ہمیں اسی بات کی تعلیم دی ہے اور ادیان آسمانی کا مطالعہ بھی اسی بات کی تائید کرتا ہے، خداوندعالم جناب موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ فرعون سے اس طرح گفتگو کریں اس سے کہو: کیا پاک ہونا چاہتے ہو تاکہ تمہیں خدا کی جانب ہدایت کروں اور پھر تم اس سے ڈرو"۔[۲۱]

ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ پاکیزگی اور باطنی طہارت سے مزین ہونا، دعوت الٰہی کے لیے بہت اہم ہے اور خدا کی آیتوں کے پیش نظر خدا کی جانب طے شدہ مسافت کے لئے

پاکیزگی اور باطنی طہارت پہلی شرط ہے ، اس لیے دین کی ایسی بیش بہا تعلیم کو حاشیہ میں نہیں رکھا جاسکتا بلکہ اسے سرعام بیان کرنا ضروری ہے ۔

۳/ ۳۔ عمل اور ایمان کی اہمیت کو بیان کرنے میں اعتدال

اسلام نے نیک اور برے اعمال کو جس حد تک اہمیت دی ہے اس کے پیش نظر عقائد کا ایک بہترین نظام بخوبی بنایا جاسکتا ہے ، تاکہ اسلام کو ظاہر پرستی کی حد میں محصور کرنے سے روکا جاسکے ، خدا کا شکر ہے کہ جس نے اہلبیت علیہم السلام کے مکتب میں ایمان کی صحیح تفسیر کرکے کفر و فسق کی بخوبی تفسیر کردی ہے۔۲۲ شیعہ عقیدے میں ایمان کی تعریف :یعنی دل سے تصدیق کے ذریعہ غیروں کی عبودیت سے دوری اختیار کرنا ہے ، لہٰذا اگر عمل کو مستقل مان لیا جائے تو ہرگز اسلام اور مسلمانوں کی صفوں سے خارج ہونے کا سبب نہیں بن سکتا۔

تکفیری افکار کے مالکوں کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری ہے کہ لوگوں کے کفر و ایمان کے سلسلہ میں قضاوت کرنا ان لوگوں نے جتنا آسان سمجھ رکھا ہے ، اتنا آسان نہیں ہے بلکہ یہ ایک خطرناک اور پیچ و خم والی وادی ہے ، قضاوت کے دوران لوگوں کی عمدی خطائیں ، ماحول اور حالات کے جبر و تشدد کی وجہ سے بھی سرزد ہو آتی ہیں کہ جن کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، اس لیے کسی کا تقویٰ اور ابتدائی دینداری قضاوت کے میدان میں اتر آنے کا باعث نہیں ہونا چاہئے اور کسی کا لحاظ کئے بغیر مسند قضاوت پر بیٹھنے کی جرأت قطعاً اس میں نہیں ہونا چاہئے۔ اسلام نے جب واضح الفاظ میں کفرو ایمان کی صحیح تعریف بیان کردی تو ہے اس کے باوجود وفیصلہ جیسی عظیم ذمہ داری جس کے مختلف اثرات ہیں ، کسی کو بھی اس مسند پر بیٹھے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟ یہاں تک کہ جو اس مسند پر بیٹھنے کی لیاقت رکھتے ہیں انھیں بھی اس راہ میں بڑی احتیاط سے قدم اٹھانا چاہئے، کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی عقلی حکم موجود نہیں ہے ، جیسا کہ سید مرتضی فرماتے ہیں:

"عقل میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ فیصلہ کرسکے کہ کون سا کام کفر کا باعث ہے ، بلکہ اسے نقل(آیات وروایات) اور توقیفی راہوں سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔۲۳ تو معلوم ہوا کہ وفیصلہ

جیسی عظیم ذمہ داری کے قوانین کا حصول صرف اور صرف منقول روایات کے ذریعہ ممکن ہے جو نہایت دقت و مطالعہ کے بعد بھی بہت دشوار کام ہے۔

اسی طرح باطن سے وابستگی میں شدت پسندی اور شریعت اسلامی سے مقابلہ کاجذبہ تکفیری تحریکوں کے جنم لینے، ظاہر پرستی اور دین سے انحراف کا باعث ہوسکتی ہے، اسلامی سماج کا فریضہ ہے کہ وہ شریعت اسلامی، اس کے قوانین اور اصول کا پاس و لحاظ رکھے تاکہ اجتماعی اور روحی طور پر تکفیری تحریک کے اثرات خود بخود کم ہوسکیں، دین کے ظواہر اور پھر انہیں بے چون و چرا انجام دینے والے جذبہ کا مقابلہ ان پر برا اثر ڈال سکتی ہے اور ایسے لوگوں کو منظر عام پر پیش کرسکتے ہیں جو دین کو ظاہر میں محصور کردیں، یہ طور طریقہ بعض اسلامی سماج میں سیکولرزم اور دین سے منحرف ہونے جیسے ماحول کا وجود میں آنا ہمارے لئے عبرت آموز ہوسکتا ہے، اسلامی سماج میں پیدا ہونے والے تمام سیکولرزم سے تعلق رکھنے والے افراد انہیں تکفیری افکار کا نتیجہ ہیں۔۲۴

۳/۴۔ معرفتی و عملی مدارات کے شرائط

تکفیری افکار کی سب سے بڑی خصوصیت مدارات کا نہ ہونا ہے، جس کی وجہ سے وہ خود بھی رفتہ رفتہ مختلف گروہوں اور شعب میں تبدیل ہوتے جارہے ہیں، اس کے علاوہ ایسی فکر ہرگز کسی تہذیب اور ثقافت کو جنم نہیں دے سکتی، اسلئے کہ وہ خود اپنے افکار کی وجہ سے مسلسل بٹتے رہے ہیں اور ان کے درمیان کا اختلاف مختلف گروہوں کی پیدائش کا باعث رہا ہے، جیساکہ تکفیریوں کے سلف اباضی گروہ نے ایک فقہی مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر کی ہے جب کہ اس مسئلہ سے متعلق کوئی روایت موجود نہیں تھی۔۲۵ بلکہ یہ بھی ممکن تھا کہ کوئی اباضی فقیہ کسی مسئلہ میں عدم اطلاع کی وجہ سے اس مسئلہ کے سلسلہ میں توقف کرے اور کوئی فتویٰ نہ دے تو وہ بھی تکفیر کی تہمت سے محفوظ نہیں رہتا تھا۔۲۶ تکفیریوں نے اپنی حقانیت کے لئے ایڑی چوٹی کا اس طرح زور لگایا ہے گویا ان کے علاوہ سب کے سب کافر ہیں۔۲۷ اباضیوں کے ایک سربراہ عبد اللہ بن یحییٰ نے مروان بن محمد سے جنگ میں کامیاب ہونے کے بعد شہر صنعاء میں ایک خطبہ پڑھا، اس خطبہ میں لوگوں کو خدا کے دوستوں سے

دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی کے لئے دعوت دی اور کہا کہ خدا اور اس کے رسول کے راستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے اور یہ بھی اعلان کیا کہ جو بھی زنا کرے ، چوری کرے اور شراب پیئے وہ کافر ہے اور جو بھی اس کے کافر ہونے کے سلسلہ میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔۲۸ اسی طرح تکفیری تحریکیں کچھ خاص تفسیروں جیسے تولا و تبرا میں مبالغہ آرائی کرتے ہوئے دائم جنگ و جدال کی باتیں کرتے رہتے ہیں ، یہاں تک کہ خوارج کا ایک گروہ اباضی جو اپنے آپ کو معتدل اور میانہ رو سمجھتا تھا ، وہ بھی اسی اصل کا قائل ہے۔۲۹

خدا کے دشمنوں سے دشمنی کرنا قرآن کا صریح فرمان ہے ، اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اگر دشمنان خدا کی صحیح تفسیر نہ ہو اور اس کے مصادیق کو بیان کرنے میں غلطی ہوجائے تو یہ نہایت نقصاندہ ثابت ہوسکتی ہے ، اس لئے کہ اسی مسئلہ میں تکفیریوں نے بے شمار خطائیں کی ہیں اور ابھی تک اسی کے مرتکب ہورہے ہیں ، انہوں نے کبھی اسلامی تمدن میں کوئی تعمیری کام انجام نہیں دیا ، صاحبان تکفیر یعنی خوارج ،اباضیہ اور آج ان کے خلف تکفیری جماعتوں نے مسلسل مسلمانوں کے قتل عام کئے اور خود بھی قتل عام ہوئے ، دشت و دریا میں سرگرداں ہوئے لیکن ہرگز کسی حکومت کی بنیاد نہ ڈال سکے ، وہ لوگ دوستی کرنے ، دوست بنانے اور تعمیری کام کوانجام دینے میں بے پناہ کمزور اور ناتواں ہیں لیکن دشمنی ، تخریب کاری اور تباہ و بربادی میں حد سے زیادہ طاقتور ہیں ، امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے صحیح پیش بنی کی تھی کہ خوارج میں سے جو لوگ بچ جائیں گے وہ راہزن بن جائیں گے۔۳۰ مولا کی یہ پیش بنی نہ تنہا خوارج کے حق میں صحیح ثابت ہوئی بلکہ ان تمام لوگوں کے حق میں بھی محقق ہوئی جو دینی مسائل میں شدت پسندی سے کام لیتے ہیں ۔

ہاں !اسلامی سماج میں کسی کے کام آنا اور رحم دلی سے پیش آنا تکفیری بیماری کو دور کرنے کے لئے بہترین وسیلہ ہے ، خداوند عالم نے قرآن کریم میں عقیدے کے سلسلہ میں اختلافات کو حل و فصل کرنے کے لئے خود ہی کو داور معین فرما دیا ہے۔۳۱ خدا بشریت کے سلسلہ میں یکسان ارادے کے نہ رکھنے اور مختلف شریعتوں کے پیش نظر قرآن کریم میں فرماتا ہے: یہ اختلافات اور بدلے بدلے حالات تمہارے امتحان کے اسباب ہیں ، ہر ایک کو خدا کی جانب لوٹ جانا ہے ،

اور پھر وہ خود اس چیز کی حقیقت کو دکھائے گا جس کے سلسلہ میں تم لوگ اختلاف کر بیٹھے تھے۔۳۲ یہ طریقہ نہایت کارساز واقع ہوسکتا ہے تاکہ لوگ ویسے ہی ظاہر ہوں جیسے کہ وہ اندر سے ہیں اور وہ دوگانگی سے محفوظ رہ سکیں۔

بہرحال قرآن کی یہ تعبیر کہ" سارے انسانوں کی بازگشت خدا کی جانب ہے اور وہ اپنی بارگاہ میں تمام اختلافات کا فیصلہ کرے گا" قرآن کی بے شمار آیتوں میں مذکور ہے۔۳۳، ان میں سے بعض آیتیں یہودیوں اور مسیحیوں کے درمیان عقیدتی اختلافات کو بیان کرتی ہیں۔۳۴، مذکورہ تمام آیتوں کو مشاہدہ کرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام اختلافات قیامت تک باقی رہیں گے اور پھر وہاں خدا خود ان تمام جھگڑوں کا فیصلہ کرے گا۔۳۵، قرآن کی بہت سی آیتوں میں یہ مضمون صاف الفاظ میں موجود ہے: "اگر خدا چاہتا تو تمہیں ایک امت بنادیتا"۔ ۳۶ قرآنی آیات میں جہاں خدا نے بعض اختلافات کے سلسلہ میں اپنا فیصلہ سنایا ہے، حقیقت میں وہ خدا کا صریح حکم ہے اور دیگر بعض آیتوں میں جہاں فصل کی تعبیر ۳۷ وارد ہوئی ہے، وہاں حقیقت میں حکم خدا کو کسی سوال و جواب کے بغیر تسلیم کرنا مراد ہے۔ بعض آیتوں میں خدا کی داوری کو قضاوت کا نام بھی دیا گیا ہے جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے اختلافات اور ان کے مسائل میں قضاوت کی ہے۔۳۸

مذکورہ تمام آیتوں کی مراد یہ نہیں ہے کہ اس روئے زمین پر کوئی حق و حقیقت اور سچائی نہیں پائی جاتی یا لوگوں کے اخلاق و کردار ناصواب اور نادرست ہیں بلکہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ باب معرفت میں اسلام سے ہم آہنگ حقائق، تکوینی امور سے وابستہ ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ معروف و منکر اور اقدار کا وجود ہے جنہیں واقعی معنی میں سمجھنے کی نہایت تاکید وارد ہوئی ہے، مخصوصاً خدا کی وحدانیت اور اس کی معرفت حاصل کرنے اور دوسروں کو آشنا کروانے کی بہت تاکید ہوئی ہے، مذکورہ تمام آیتوں کے ظاہری معنی ہمیں صرف یہ تعلیم دے رہے کہ ہم سب اپنے اختلافات میں صرف خدا کو نہائی داور اور فیصلہ کرنے والا سمجھیں اور بات ذہن نشین رہے کہ کسی کو بھی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ نہائی فیصلہ کرنے کی جرأت کرے، نیز یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ مشیت الٰہی انسانوں کے فکری اور عقیدتی

اختلافات سے متعلق ہے اس لئے ہر حال میں نہائی فیصلہ اسی کا ہوگا۔اور جب ایک انسان ایسی آیتوں کی تعلیمات کے زیر سایہ پروان چڑھتا ہے تو معرفت کے ایسے درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ بندگان خدا میں سے کسی کو بھی بآسانی خدا کی بندگی کے حلقہ سے باہر نہیں سمجھتا اور اس طرح خود بخود تکفیری افکار سے دور سے دور ہوتا چلاجاتا ہے ۔

یہاں تک کہ خداوند عالم نے رفتار و کردار کے سلسلہ میں بھی اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ جو لوگ پیغمبر جیسا نہیں سوچتے، قیامت، حساب و کتاب اور خدا کی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے ان کے ساتھ بھی عفو و بخشش اور رحم وکرم کے ساتھ پیش آئیں اور بقیہ ان کے اعمال کا حساب و کتاب قیامت کے دن پر چھوڑ دیں۔ ۳۹؎ بلکہ خدا مومنین کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر گز مشرکوں کے جھوٹے خداؤں کو بُرا بھلا نہ کہیں۔۴۰؎قرآن کریم میں ایسے فرامین کی کمی نہیں ہے بلکہ بے شمار ہیں ، اگر وہ فرامین جزئی مورد سے متعلق ہوں تب بھی خاص موارد میں شرائط و حالات کے پیش نظر قابل اجراء ہیں۔لہٰذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ منسوخ ہوگئے ہیں یا وہ تاریخی فرمان تھا جس کا دور ختم ہوچکا ہے ، بلکہ ایسے تمام فرامین مومنین کی اجتماعی اور سماجی زندگی میں بہترین راہ گشا ہیں۔ لیکن جب قرآن کے آئینہ میں مخالفین کی رفتار اور کردار کو ملاحظہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کردار منفی اور اخراج و شہر بدر کرنے پر استوار رہا ہے ، وہ معمولاً ایسے لوگ تھے جن میں بردباری نام کی کوئی بھی چیز نہیں تھی وہ انبیاء کو صرف اس لئے اپنے درمیان سے باہر کردیتے تھے کہ وہ جدید عقائد کے ہمراہ ان کے درمیان مبعوث ہوئے تھے۔

قرآن کریم مخالفوں کے کردار کی بخوبی عکاسی کرتے ہوئے اشارہ کرتا ہے کہ ان کی باتوں میں سے ایک یہ تھی کہ "ہم تمہیں اپنی سرزمین سے باہر نکال دیں گے مگر یہ کہ تم بھی ہمارا مذہب قبول کرلو" ۴۱؎ یا قوم لوط صرف اس لئے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کو اپنے دیار سے باہر نکالنا چاہتے تھے کہ وہ قوم کی بری عادتوں کے مخالف تھے۔۴۲؎، یا قوم شعیب کے امراء جناب شعیب علیہ السلام اور مومنین کو اپنی سرزمین سے باہر نکالنے کی دھمکی دیتے تھے تاکہ وہ بھی ویسے ہی ہوجائیں جیسے وہ لوگ ہیں۔۴۳؎یا خداوند عالم نے بنی اسرائیل سے جو عہد و پیمان باندھا تھا کہ وہ ہر گز ایک دوسرے کو اپنے شہر سے باہر نہیں نکالیں گے۔۴۴؎ ، یا کفار

قریش نے بھی آنحضرت اور آپ کے اصحاب کو مکہ سے باہر نکال دیا تھا۔۴۵ یا قتل و غارت گری اور مخالفوں کو مکہ سے باہر نکالنا پیغمبر پر فشار وارد کرنے کے لئے مشرکین قریش کا ایک حیلہ تھا۔۴۶ یا قرآن کریم اس لئے کفار قریش کی مذمت کرتا ہے کہ انہوں نے صرف عقیدے کے سلسلہ میں اختلافات کی وجہ سے پیغمبر کے اصحاب کو مکہ سے باہر نکالا تھا۔۴۷ بلکہ قرآن مجید مکہ کے مسلمانوں کو مکہ اور حرم الٰہی سے باہر نکالنے کے گناہ کو ماہ حرام میں جنگ کرنے اور خدا کے راستے میں روڑے اٹکانے اور خدا سے کفر اور اس کے انکار کے گناہ سے عظیم قرار دیتا ہے ۴۸ اسی طرح مدینہ کے منافقین بھی پیغمبر کو اور آپ کے اصحاب کو مدینہ سے نکالنے کی دھمکی دیا کرتے تھے۔۴۹

کیا یہ تمام آیتیں واضح الفاظ میں یا ضمنی طور پر اس مطلب کو بیان نہیں کررہی ہیں کہ متعدد سلائق کو تحمل نہ کرنا ، باہر نکالنے کی دھمکی ، تمام لوگوں کو ہم فکر بنانے کی کوشش ، فکری اور عقیدتی جھگڑوں میں عام لوگوں کو ان کی سرزمین سے باہر نکالنا یہ سب کا سب غیر منطقی اور غیر الٰہی عمل ہے ، ہمارے دور کے تکفیری مذکورہ تمام آیتوں کے ہوتے ہوئے کیونکر دنیا کی مختلف سرزمینوں پر رہنے والے فکری و عقیدتی اعتبار سے مخالف لوگوں کے ساتھ اپنے ناروا سلوک کی توجیہ کرسکتے ہیں؟! کیا قرآن میں اخراج اور شہر بدر کرنے کی دھمکی دینے کی بناپر خدا کا بنی اسرائیل کی مذمت کرنا یا انبیائے الٰہی کو شہر بدر کرنے کی دھمکیوں اور مکہ سے پیغمبر اکرم اور آپ کے اصحاب کو شہر بدر کرنے کی حقیقتیں صرف تاریخی حقائق ہیں؟! یا وہ تمام وقائع اس لئے بیان ہوئے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ اجتماعی اور سماجی زندگی میں بردباری کے مضاعف ہونے اور ایک دوسرے کو تحمل کرنے کا سبب قرار پائیں؟

۵/ ۳۔ تکفیری روش کی کوتاہیوں پر توجہ

تکفیری روش کچھ معمولی اور سادہ راہ و رسم پر استوار ہے جن کے ذریعہ وہ نادان مسلمانوں کا شکار کرتے ہیں ، وہ دین کو سمجھنے بلکہ فہم شریعت کے لئے نہایت معمولی روش کا سہارا لیتے ہیں ، وہ غیر معتبر حدیثوں کو انتخاب کرکے دین کی عظیم عمارت کھڑی کرنے کے درپے رہتے ہیں ، وہ آیتوں کے ابتدائی ظواہر پر تکیہ کرتے ہوئے ایسا مطلب اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں

جو ہر گز مراد خداوندی نہیں ہوتا اور اسی کے سہارے ایک بنیاد کھڑی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ لوگ فہم دین کو بعض دینی متون کے ظواہر تک محدود کردیتے ہیں۔جب کہ علّامہ طباطبائی فرماتے ہیں : ظواہر دین بھی درک معنوی اور حجت عقلی کی طرح فہم دین کا ذریعہ ہیں۔۵۰ وہ لوگ دینی متون کو سمجھنے کے لئے عموماً متن میں موجودہ شواہد و قرائن کا سہارا نہیں لیتے بلکہ وہ صدور متن اور حالات و شرائط سے صرف نظر کرتے ہوئے تنہا ادبی و لفظی صورت میں تفسیر کرتے ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے نہایت موثر ہوسکتا ہے ۔ بلکہ وہ اس سے دو قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ فہم دین کے منابع نہایت عمومی اور سادے ہیں ، جس کی وجہ سے وہ لوگ عالم اسلام کے علماء اور دانشمندوں کی علمی کاوشوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ، میں خود بھی اس بات کا مخالف ہوں کہ فہم دین کو کچھ خاص لوگوں سے مخصوص سمجھا جائے ، اس لئے کہ قرآن مجید تمام انسان کو شدت سے آیات الٰہی میں غور و فکر کی دعوت دے رہا ہے۔۵۱ گرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ فہم دین ایک مقدس امر ہے جس میں گوناگوں اجتماعی مراتب اور پیچیدگیاں ہیں جسے درک کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے اور چونکہ تکفیری جماعت دینی امورمیں مہارت کی مخالف ہے تو ایسا اس لئے ہے کہ وہ اس فکر کے ذریعہ سادہ مسلمانوں کے درمیان اپنی محبوبیت کو بڑھانا چاہتے ہیں تاکہ اس طرح فہم دین اور اس کی جدید تفسیر کر کے ایک نیابازار کھول دیں تاکہ وہ آسانی سے دینی معاملات میں من مانی کرسکیں۔

۶/۳۔ تکفیریوں کے مقابلہ میں تکفیر سے پرہیز

تکفیر کا اسلحہ اس قدر خطرناک ہے کہ اسے خود تکفیریوں کے خلاف استعمال نہیں کیا جاسکتا اسلئے کہ تکفیر سماج میں دوگانگی اور نفاق کے بڑھاوے کا موجب ہے اسی لئے تکفیریوں کے خلاف اس اسلحہ کو استعمال نہیں کیا جاسکتا، بلکہ واقعیت تک پہنچنے اور کسی حد تک حقائق کی دستیابی کے لئے ان سے گفتگو کی جائے مخصوصاً ان سے جو جہالت کا شکار ہیں اور سوفیصدی خطاکار نہیں ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے صحیح طریقے سے لوگوں کو دین سے آشنا نہیں کروایا ہے ان کی کوتاہیوں کو بھی مد نظر رکھنا چاہئے۔ لیکن اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ ہم تکفیریوں کے خطرے کو بھول جائیں اور ان کا مقابلہ نہ کریں ۔ تکفیریوں کی ہیبت اور دہشت کو ختم کرنے کے

لئے ابھی تک بڑی قیمتیں چکائی گئی ہیں اور چکائی جارہی ہیں، اس قیمت کا ایک حصہ دین کے علماء اور عقیدے کے پاسبانوں پر ہے کہ وہ تکفیریوں کی جانب سے خوف و ترس والی حکومت سے یا ہر قسم کی نئی بات اور عقیدے پر ان کی جانب سے کفر اور بدعت کی لگائی گئی تہمت سے مقابلہ کریں کیونکہ، ان سب سے مقابلہ کرنا رسالت الٰہی ہے جسے منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے خدا سے مدد مانگنا چاہئے اور اسی پر توکل کرنا چاہئے۔۵۲ اگر تکفیریوں کے ساتھ معمولی اور غیر منطقی رویہ اختیار کیا گیا تو رفتہ رفتہ تکفیری فکر امت مسلمہ میں بیٹھ جائے گی اور وہ سب اس کا حصہ بن جائیں گے۔

نتیجہ

تکفیری فکر کے خطرات، فتنہ و فساد کے عام ہونے اور لوگوں کی جان و مال کی تباہی و بربادی تک محدود نہیں ہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کے خطرے قابل دید ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ فکر، اوّل اسلام سے مسلمانوں کے درمیان رہی ہے بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فکر ہر دیندار سماج میں پائی گئی ہے اور پائی جاتی رہے گی، تکفیری جماعتیں گزشتہ زمانوں میں فکری اور ثقافتی اعتبار سے آج سے زیادہ منظّم تھیں جیسا کہ خوارج اور اباضیہ (تکفیری افکار کے موجد اور بانی)، مستقل طور پر کلامی، فقہی اور اصولی افکار کے مالک تھے لیکن آج کی تکفیری جماعتیں سیاسی رنگ و ڈھنگ لینے اور دشمنوں کی جانب سے بعض سیاسی مصالح کی بناء پر حمایت پانے کی وجہ سے سیاسی بلکہ نہایت خطرناک ہوتے جارہے ہیں، گرچہ وہ اپنی فکری اور ثقافتی ساخت کی وجہ سے پھیلتے جارہے ہیں لیکن یہ حقیقت قابل انکار نہیں ہے کہ آج کے تکفیری فکری اور ثقافتی اعتبار سے اپنے خلف کے مقابلے میں نہایت پستی کا شکار ہوگئے ہیں۔

اگر تکفیری فکر عام ہوگئی تو دین ظاہرداری اور ظاہری پرستی میں محصور ہوکر رہ جائے گا اور جیسے جیسے تکفیری فکر پھیلتی جائے گی ظاہرداری کے سلسلہ میں شدت عمل باعث ہوگی کہ اسلامی آئیڈیولوجی ظاہر پرستی میں محدود ہوکر رہ جائے، نیز عملی اعتبار سے ماضی میں لوٹ جانے، ہر قسم کی خلاقیت، جدید فکر اور دین کی عصری ضرورت کے لحاظ سے تفسیر کا سلسلہ ختم ہوجائے گا اور معارف کے تمام دروازے خود بخود بند ہوجائیں گے، اگر ایسا ہوگیا تو اسلام شدت سے جدید

نظریات سے محروم اور اپنی جذابیت کھو بیٹھے گا۔ ان سب کے علاوہ، اس فکر کے عام ہونے کے بعد دین کی معنویت کمزور پڑ جائے گی اور پھر دین جنگ و جدال ،لڑائی جھگڑا وغیرہ کا رخ اختیار کرلے گا اور اگر خوش بین ہو کر دیکھا جائے تو اجتماعی اعتبار سے شدت پسندی اور زور وطاقت کی شکل اختیار کرلے گا ،ایسا دین ہرگز اجتماعی اور کسی تمدن کو جنم نہیں دے سکتا اور آج کے انسانوں کے لئے کسی بھی قیمت پر جذاب نہیں ہوسکتا۔

تکفیری افکار سے مقابلے کے لئے بعض فکری اور ثقافتی راہ و روش کچھ اس طرح ہیں:

جوہر اور جان اسلام یعنی معنویت اور اخلاق سے وابستگی کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی جائے ؛ ظاہر پرستی اور ظاہر داری سے دوری اختیار کی جائے اور ایمان و اسلام میں عمل کی تاثیر کے سلسلہ میں کسی بھی طرح کی شدت پسندی سے پرہیز کیا جائے گرچہ اسلام نے عمل کو بہت اہمیت دی ہے ،باطن کی طرف رجحان میں افراط و شدت اور شریعت کی مخالفت سے بچا جائے ،دین کی معرفت کو عمومیت دی جائے اور تکفیریوں کے افکار پر آزاد طریقے سے تحقیق کی جائے،معرفت کے حصول میں رحم و مروت اور مدارات کو بڑھاوا نیز عملی اعتبار سے جو نئی فکر رکھتے ہیں یا ایک نئے انداز میں عمل کرنا چاہتے ہیں، ان لوگوں کے ساتھ مدارات کیا جائے۔

حوالے:

۱۔"۔۔۔لیھود دینھم وللمسلمین دینھم۔۔۔ وان علی الیھود نفقتھم ولی المسلمین نفقتھم وان بینھم النصر علی من حارب اھل ھذہ ۔ الصحیفة ، وان بینھم النصح والنصیحة والبر دون الاثم"، نک:علی احمدی میانچی، مکاتیب الرسول ، ج ،۳ ص ۶۔

۲۔ اس سلسلہ میں زیادہ معلومات کے لئے ملاحظہ کریں، سابق حوالہ ،ص ۱۱

۳۔دور حاضر میں مصر کی سرزمین پر تکفیر کی تاریخ کے مطالعہ کے لئے مراجعہ کریں ؛ یوسف قرضاوی ، ظاہرۃ الغلو فی التکفیر

۴۔مسعود جلالی مقدم " اباضیہ " دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی ، ج ۲، ص ۳۱۹

۵۔حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۳۲۷، باب ۱۶ از ابواب مقدمات الحدود، حدیث ،۲

۶۔ سابق حوالہ، ج ۱۱، باب ۴، از ابواب الامر والنہی ، ص ۴۰۷،ح ۱ ان المعصیة اذا عمل بھا العبد سرّا لم یضر الا عاملھا، فاذا عمل بھا علانیة ولم یغیر علیہ اضرت بالعامة۔۔"

۷۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۲۹، سورۂ آل عمران ، آیت نمبر ۱۶۴

۸۔سید محمد حسین طباطبائی ، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۲ ،ص ۲۳۵ : " و لم یبلغ المسلمون الی ما بلغوا من الانحطاط والسقوط الا بالاقتصار علی اجساد الاحکام والاعراض عن روحها وباطن امرها"

۹۔ بعض شیعہ وسنی کتابوں کی طرف رجوع کریں: فضل بن حسن طبرسی ، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۵ ص۵۰۱ جنہوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے: اصغر ہادی "مکارم الاخلاق" وہ روایات تتمیم مکارم اخلاق و روایات ہمانند۔ مجلّہ اخلاق ، پاییز و زمستان ۱۳۸۵، ش ۵و ۶ ۔ص۲۲۹، ۲۵۳

۱۰۔مسعود جلالی مقدم ، سابق حوالہ ، ج ۲،ص ۲۹، وہ اعمال جو غیر خدا کے لئے انجام دئے جاتے ہیں ان کو صحیح کہا جاسکتا ہے لیکن اس عمل کا قبول ہونا بہت دشوار ہے اور اگر یہی طرز عمل، کسی کام کو انجام دینے سے متعلق ہو لیکن اس کا کوئی مقصد نہ ہو، تو قابل مذمت ہے ؛ البتہ ایک دوسرے زاوئے سے یہ بحث قابل ذکر ہے کہ ایک نیک عمل کے مقبول ہونے میں ایمان کا کیا کردار ہے ؟ اگرچہ بعض متکلمین کا عقیدہ ہے کہ خداوند عالم صرف نیک عمل پر جزا دیتا ہے اور جزا دینے میں اس کی نیت کو ملاحظہ نہیں کرتا کہ اسے کس نیت سے انجام دیا گیا ہے ، اس سلسلہ میں مزید معلومات کے لئے مراجعہ کریں : مرتضی مطہری ، عدل الٰہی ، مجموعہ آثار ، ج ۱،ص۲۷۰

۱۱۔ابراهیم محمد الفحام، "التاصیل الکفری لجماعة التکفیر والهجره"، مجله الامن العام، قاهره، رجب ۱۳۹۷، شماره ۷۸، صفحه ۹۔۱۷،

۱۲۔مسعود جلالی مقدم ، سابق حوالہ ، ج ۲،ص۳۲۰

۱۳۔اعلم ان الایمان هو التصدیق بالقلب، ولا اعتبار بما یجری علی اللسان ممن کان عارفا بالله تعالیٰ وبکل ما اوجب معرفة مقراً بذلک مصدقاً فهو مومن، سید مرتضیٰ، الذخیره فی علم الکلام، ص۵۳۶

۱۴۔ یقولون بافواههم مالیس فی قلوبهم ، سورۂ آل عمران ، آیت ۱۶۷

۱۵۔ سورۂ مومن ، آیت ۸۴و۸۵

۱۶،سید محمد طباطبائی ، المیزان ، ج ۱۷،ص۳۵۷

۱۷۔ سید عبد اللہ شبر ، تفسیر قرآن الکریم ، تحقیق :حامد حفنی داود ، ص ۴۴۷

۱۸۔سورۂ قریش آیت ۳و۴

۱۹۔مسعود جلالی مقدم ، سابق حوالہ ، ج۲،ص۳۱۹

۲۰۔درجنی،طبقات المشائخ بالمغرب، محقق :ابراہیم طلای، منقول از مسعود جلالی مقدم ، سابق حوالہ ص ۳۱۹

۲۱۔ سورۂ نازعات ، آیت ۱۸۔۱۹

۲۲۔ میثم بن علی بحرانی ، قواعد المرام فی علم الکلام ، تحقیق :سید احمد حسینی ، ص ۱۷۰

۲۳۔ ولا سبیل من جهة العقل الی العلم بکون الفعل کفرا وانما نعلمه سمعا و توقیفا ص ۵۳۴ سابق حوالہ سید مرتضی

۲۴۔ زیادہ معلومات کے لئے مراجعہ کریں ، یوسف قرضاوی ،سابق حوالہ ، صفحہ ۱۴۵

۲۵۔ مسعود جلالی مقدم ، "اباضیہ "، دائرۃ المعاف بزرگ اسلامی ، ج ۲ ،۳۲۹

۲۶۔ سابق حوالہ ۲۶

۲۷۔ سابق حوالہ ، ص،۳۰۹

۲۸۔ سابق حوالہ ص ۳۱۳ تحقیق : علی سباعی ، ص ۲۶ ابوالفرج اصفہانی ، الاغانی ، ج ۲۳ ،یہاں اس نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس تعبیر سے مشابہ کبھی کبھی ائمہ معصومین علیہم السلام کی ولایت کے سلسلہ میں مروی روایتوں میں قابل مشاہدہ ہے ، لیکن سب سے پہلے ایسی روایتوں کے معصوم سے ہونے کی صحت کو دیکھنا اور اطمینان حاصل کرنا ہوگا کہ کہیں ایسی روایتیں غالیوں کی گھڑی ہوئی تو نہیں ہیں اس کے بعد مقام فہم و درک میں نہایت ہوش و ذکاوت کی ضرورت ہے اس لئے کہ ایسی تمام روایتوں میں کافر سے مراد وہ کافر نہیں ہے جو اسلامی سماج سے خارج ہو یا وہ کافر مراد نہیں ہے جس کے سلسلہ میں دین سے خارج ہونے کا حکم دیا گیا ہو، لہٰذا زیادہ تر مقامات پر ایسی تعبیریں قانونی حیثیت ہی نہیں رکھتیں جو انہیں شرعی حیثیت دینے اور قانون گزاری کے وقت ملاحظہ کیا جاسکے ، بلکہ زیادہ تر ان کا تعلق بیانی خطاب سے ہوتا ہے۔ بیانی خطاب کے سلسلہ میں زیادہ معلومات کے لئے رجوع کریں ، (سید علی سیستانی ، الرافد فی علم الاصول ، تقریر : سید منیر قطیفی، ص ۷۰ اوران دونوں خطاب (قانونی اور بیانی) کے درمیان فرق ہے ، : بیانی خطاب میں عموما کسی خاص نکتہ کو بیان کیا جاتا ہے ، جیسے کہ کسی عملی یا اعتقادی مسئلہ کی اہمیت کو بیان کرنا مقصود ہو ، جیسے کہا جائے کہ جو بھی اس مسئلہ کا انکار کرے وہ کافر ہے ، اس قسم کے بیانات مبالغہ پر حمل ہوتے ہیں ، تاکہ سامنے والے کو موضوع کی اہمیت کا احساس دلایا جاسکے ، ایسے خطاب کو ان قانونی خطاب جیسا نہیں سمجھنا چاہئے۔ لہٰذا اگر کہا جائے کہ پیسہ تمہارے ہاتھوں کی میل ہے جیسا کہ حدیث نبویؐ میں وارد ہوا ہے :"زکات لوگوں کے ہاتھ کی میل ہے" تو اسے قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے جس کے پیش نظر کوئی حکم شرعی بیان کیاجاسکے اوراس سے استنباط حکم میں استناد کیا جاسکے، بلکہ پیغمبر اکرمؐ کی حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بنی ہاشم کے دلوں کو زکات سے متنفر کردیں اور مومنین کو عمومی اموال کی طرف رغبت سے روک دیں ، اسی طرح اگر روایات میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد امت مرتد ہوجائے گی تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ آنحضرت کے بعد مسلمان فقہی اعتبار سے مرتد ہوجائیں گے اور ان پر احکام مرتد نافذ ہوں گے ، بلکہ مذکورہ روایتوں کے بیان کا مقصد یہ تھا کہ ولایت کی اہمیت کو روشن کیا جاسکے ، تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ جو بھی ولایت کا دامن چھوڑ دیتا ہے وہ روح اسلام سے بیگانہ ہوجاتا ہے ، بلکہ ایسے بیانات میں تشبیہات اور نظائر ہوتے ہیں جن کی طرف ہرگز توجہ نہیں کی جاتی،اور اسی غفلت میں ایسے کلام کو قانونی درجہ دے کر تفسیر و تبیین کی جاتی ہے جس کے برے اثرات نمایاں

ہوتے ہیں اور غلط تفسیریں ہونے لگتی ہیں ، لہٰذا ضروری ہے کہ کفر و ارتداد کے سلسلہ میں وارد ہونے والی تمام روایتوں پر دوبارہ عمیق نظر ڈالی جائے تاکہ نئی باتیں ہمارے لئے آشکار ہوسکیں ، بیانی خطاب کے نمونے روایتوں میں کم نہیں ہیں ، جیسے کہ "الولد و مالہ لابیہ" ، یہ بیان حقیقت میں بیانی خطاب ہے جس کے ذریعہ باپ کی اہمیت کو بیان کرنے کوشش کی گئی ہے ، وگرنہ کہیں بھی شریعت میں نہیں لکھا ہے کہ بچہ یا اس کا مال شرعی طور پر باپ کا ہے ۔

۲۹۔ اسماعیل بن موسی جیطالی ، قناطر، الخیرات، ج ا ص ۲۵۴، ج ۲، ص ۳۳۷ منقول از مسعود جلالی مقدم، سابق حوالہ ۳۲۶

۳۰۔ سید رضی ، نہج البلاغہ، تحقیق صبحی صالحہ ،ص ۹۵ خطبہ ۶۰

۳۱۔ سورۂ آل عمران ، آیت ۵۵

۳۲۔ سورۂ مائدہ ،آیت ۴۸

۳۳۔ سورۂ انعام ، آیت ۱۶۴، سورۂ حج ، آیت ۶۹

۳۴۔ سورۂ بقرہ ، آیت ۱۱۳

۳۵۔" ولولا کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینھم فیما فیہ یختلفون"، سورۂ یونس ، آیت ۱۹

۳۶۔ ولوشاءاللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ، سورۂ نحل ، آیت ۹۳

۳۷۔ سورۂ سجدہ آیت ۲۵

۳۸۔ سورۂ جاثیہ ، آیت ۱۷

۳۹۔ قل للّذین آمنوا یغفروا للّذین لا یرجون ایام اللہ لیجزی قوماً بما کانوا یکسبون، من عمل صالحا فلنفسہ و من اساء فعلیھا ثم الی ربکم ترجعون ، سورۂ جاثیہ ، آیت ۱۴۔ ۱۵

۴۰۔ سورۂ انعام ،آیت ۱۰۸

۴۱۔ سورۂ ابراہیم ، آیت ۱۳

۴۲۔ سورۂ نمل، آیت ۵۶، سورۂ اعراف آیت ۸۲، سورۂ شوریٰ آیت ۱۶۷

۴۳۔ سورۂ اعراف ، آیت ۸۸

۴۴۔ سورۂ بقرہ، آیت ۸۴۔ ۸۵

۴۵۔ سورۂ توبہ، آیت ۴۰ و سورۂ ممتحنہ، آیت ۸

۴۶۔ سورۂ انفال، آیت ۳۰

۴۷۔ سورۂ ممتحنہ ، آیت ۱

۴۸۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۱۷

۴۹۔ سورۂ منافقین ، آیت ۸

۵۰۔ سید محمد حسین طباطبائی ، شیعہ در اسلام ، ص ۷۲

۵۱۔ افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوبٍ ھم اقفالھا ، سورۂ محمد، آیت ۲۴

۵۲۔ الّذین یبلّغون رسالات اللہ ویخشونہ ولا یخشون احداً الا اللہ وکفی باللہ حسیباً۔ سورۂ احزاب، آیت ۳۹

منابع

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ احمدی میانجی ، علی ، مکاتیب الرسول ، چاپ اوّل ، دار الحدیث ، قم ۱۴۱۹ھ

۳۔ بحرانی ، میثم بن علی ، قواعد المرام فی علم الکلام ، تحقیق سید احمد حسینی ، چاپ دوم ، مکتبہ آیت اللہ العظمی مرعشی ، قم ۱۴۰۶ ،

۴۔ جلالی مقدم ، مسعود ، اباضیہ ، دائرۃ المعاف بزرگ اسلامی ، چاپ پنجم ، مرکز دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی ، تہران ۱۳۸۳ ، ش

۵۔ حر عاملی ، محمد بن الحسن ، وسائل الشیعہ ، تحقیق عبد الرحیم ، ربانی شیرازی ، اسلامیہ ، تہران ، ۱۴۰۱ ہ

۶۔ سیستانی ، سید علی ، الرافد فی علم الاصول ، تقریر سید منیر القطیفی ، مکتبۃ السیستانی ، قم ۱۴۱۴ ق

۷۔ شبر ، سید عبد اللہ ، تفسیر القرآن الکریم ، تحقیق حامد حفنی داود ، دار التربیہ ، بیروت ۱۳۸۵ ، ق

۸۔ طباطبائی ، سید محمد حسین ، شیعہ در اسلام ، چاپ اول : بوستان کتاب ، قم ۱۳۸۶ ق

۹۔ المیزان فی تفسیر القرآن ، چاپ سوم ، اسماعیلیان ، قم ۱۳۹۳ ق

۱۰۔ طبرسی ، فضل ابن حسن ، مجمع البیان فی تفسیر القرآن ، چاپ دوم ، دار المعرفہ ، بیروت ۱۴۰۸ ، ق

۱۱۔ قرضاوی، یوسف ظاہرہ الغلو فی التکفیر، مطبوعہ دوم: مکتبہ وہبہ، قاہرہ ۱۴۱۱ق

۱۲۔ محمد الفحام ، ابراہیم ، "التاصیل الفکری لجماعۃ التکفیر والھجرہ" ، مجلہ الامن العام ، قاہرہ ، رجب ۱۳۹۷ شمارہ ۷۸

۱۳۔ مطہری ، مرتضی مجموعہ آثار ، صدرا ، قم ۱۳۷۷ ش

۱۴۔ موسوی بغدادی ، علی ابن الحسین (سید مرتضی) الذخیرۃ فی علم الکلام ، تحقیق سید احمد حسینی ، چاپ سوم : مؤسسۂ النشر الاسلامی ، قم ۱۴۳۱ ق

۱۵۔ موسوی ، محمد رضی (سید رضی) نہج البلاغہ ، تحقیق صبحی الصالح ،چاپ اول ، دارالاسوہ قم ۱۴۱۵ ق

۱۶۔ ہادی ، اصغر، مکارم الاخلاق ، پژوہش پیرامون روایت تتمیم مکارم اخلاق و روایات ہمانند نشریہ اخلاق ، پاییز و زمستان ۱۳۸۵ ، ش ۵۔۶

اسلامی سماج کے لیے تکفیر ایک عظیم خطرہ

مولف: صلاح الدین سنوسی حسن
مترجم: مولانا سید محمد کوثر جعفری

خلاصہ

اسلامی سماج میں تکفیریت کی وجہ سے رونما ہونے والے واقعات کو دیکھتے ہوئے اس کے خطرات کے بارے میں گفتگو کرنا بے حد ضروری ہے۔

تکفیر مادہ کفر سے ہے جس کے معنی ہیں اعتقاد نہ رکھنا یا پھر خدا ورسول اور ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کرنا۔

اور کی دوسرے کو کافر قرار دینا بھی اسی کے معنی میں ہے۔

قرآن اور احادیث اس بات پر گواہ ہیں کہ اگر کوئی اپنی زبان پر کلمہ شہادتین کو جاری کرے تو وہ مسلمان ہے اور کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اسے کافر قرار دے۔

یہ ممکن ہے کہ کوئی نظریہ یا فکر کفر پر مبنی ہو لیکن متفقہ طور پر اس نظریہ یا فکر کے رکھنے والے کو کافر نہیں کہا جاسکتا ہے مگر یہ کہ حجت اس پر تمام ہو چکی ہو، لیکن اس کام کو انجام دینا صرف علماء اور مفتیان دین کی ذمہ داری ہے۔

تکفیریت صدر اسلام سے ہی وجود میں آئی اور آج تک مختلف گروھوں اور شکلوں میں باقی ہے۔ اگرچہ ان کے افکار اور نظریات مختلف رہے ہیں مگر انکا شیوہ عمل ایک ہی جیسا ہے اس لئے کہ دونوں گروہ اپنے حاکموں کو کافر سمجھتے ہیں اور ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی دعوت دیتے ہیں، اس کے باوجود کہ اسلام نے شدت کے ساتھ مسلمانوں کی تکفیر سے روکا ہے اور علماء نے بھی اس سلسلے میں کہا ہے کہ: کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا مگر قطعی اور سورج سے بھی زیادہ واضح اور روشن دلائل موجودہ ہوں۔ کیونکہ کہ تکفیر اختلاف وگمراھی، سستی وتضعیف اور اسلامی مقاصد کی تحریف کا سبب اور اسلام کی نشرواشاعت اور ترویج کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ تکفیر کے خطرات سے پوری اسلامی امت کو آگاہ کیا جائے، اور امت کو یہ بتایا جائے کہ تکفیریت دشمنوں کی سازش کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح تکفیریت کے نفوذ اور اثر ورسوخ کو روکنے کیلئے دوبارہ عقائد اور فقہ کی کے میدان میں زیادہ سے زیادہ کام کرنا اور اعتدال کو مسلمانوں کے درمیان رائج کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

مقدمہ

بعض لوگ اس کوشش میں ہیں کہ (آشوب و فتنہ اور مسلمانوں کے درمیان آپسی اختلافات) کو جو کہ اس وقت اسلامی ممالک میں پیدا ہوئے ہیں) اجتہادی مسائل سے جوڑ دیں جب کہ اس میں اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے اور بعض لوگ ان مشکلات کو اجتہاد کے اختلافی مسائل میں شمار کرتے ہیں کہ اس میں اختلاف مناسب عمل نہیں ہے اور یہی اختلاف نظر ہر چیز سے زیادہ اختلافات میں اضافہ اور ویرانی کا باعث بنا ہے۔

اس مقالہ کا موضوع وہی تکفیر ہے کہ جس پر ماضی میں اور ابھی بھی گفتگو ہو رہی ہے۔ لیکن یہ عمل بعض افراد کی غلطیوں اور غلط فہمیوں میں غوطہ ور ہونے کا سبب بنا ہے اور یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ جو افراد اس بارے میں علم نہیں رکھتے وہ کسی کے سلسلے میں تکفیر کا حکم صادر کریں۔

صرف خدا اور اس کے رسولؐ کے نام پر اگر انسان ایسے افعال کا مرتکب ہو جائے جو اسلام کی تعلیمات کے منافی ہیں اور تمام اہل علم حضرات کا اس بات پر اتفاق ہو تو ایسی صورت میں کسی شخص کو کافر کہا جاسکتا ہے۔ اس بناء پر ضروری ہے کہ کسی بھی حکم کے صادر کرنے سے پہلے چاہے وہ کفر پر مبنی ہو یا دین سے خارج ہونے کے بارے میں ہو، اس کے بارے میں مکمل اطمینان حاصل کر لیا جائے۔

تکفیر کیا ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟

کیا کسی بھی شخص کسی کو دوسرے شخص یا گروہ یا جماعت کے بارے میں تکفیر کا حکم صادر کرنے کا حق حاصل ہے! تو اس فتنہ کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے مومنین کے کاندھوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

اسی طرح تکفیریت یعنی مذہب تکفیر کے پیدا ہونے کی وجہ کیا ہے اور یہ مسئلہ کیسے وجود میں آیا؟

تکفیر کیا ہے؟

تکفیر چونکہ کفر کے احکام سے متعلق ہے اس بناء پر پہلے کفر کا پہچاننا ضروری ہے۔

کفر ایمان کی ضد ہے، لسان العرب {ابن منظور} میں آیا ہے کہ ("کفر باللہ یکفر کفراً و کفوراً و کفراناً) فھو کافر"

اس نے خدا کا انکار کیا اور اس کا مصدر کفر، کفور، اور کفران ہے، اور کافر کی جمع، کفار، کفرہ اور کفارہ بھی استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح کہا جاتا ہے" ھو" اور" ھی کفور" یعنی وہ مرد اور عورت کافر ہیں۔
کفور کی جمع کفر اور کافرہ کی جمع کوافر ہے۔
راغب اصفہانی کلمہ کفر کی توضیح میں کہتے ہیں کہ "کفر فلان" اس وقت جب وہ کفر پر اعتقاد رکھتا ہو یا پھر اپنے کفر کو ظاہر کرے اس پر اعتقاد اور یقین نہ رکھتا ہو۔اس بناء خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے: " مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِا إِلاَّ مَنْ أُكْرِه وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ"؛جو شخص خدا پر ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے اس کو دردناک عذاب ہوگا مگر یہ کہ اس کو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا قلب ایمان کے سلسلے میں مطمئن ہو۔(سورۂ نحل، آیت ۱۰۶)

شریعت کی نگاہ میں کفر کے معنی

شریعت کی نگاہ میں کفر کا مطلب ہے اس چیز کے تئیں لاعلمی کا اظہار کرنا جو سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ کے دین اور ان کی نبوت سے لیا گیا ہو جیسے نماز کا واجب ہونا، زنا کا حرام ہونا اور ان جیسے دوسرے مسائل۔
عربی زبان اور ادب کے اعتبار سے تکفیر تفعیل کے وزن پر ہے جس کو لفظ کُفر (جو کہ کَفَرَ کا مصدر ہے) سے لیا گیا ہے، کہا جاتا ہے: کَفَرہ یعنی اسے کافر قرار دیا گیا۔(مفردات الفاظ القرآن، ج۱، ص۷۱۶)

تکفیر کا حکم

کسی شخص یا گروہ پر تکفیر کا حکم لگانا صرف خداوند متعال کا کام ہے ورنہ وہ اپنی طاقت کو شریعت اسلامی سے واپس لے لیتا ہے، اس بناء پر تکفیر کا حکم شرعی معیار یعنی کتاب اور سنت کے مطابق ہی کسی پر لگایا جاتا ہے۔ اس بارے میں صرف اس شخص کی بات قابل قبول ہوگی جس نے شرعی قواعد و ضوابط کے تحت کسی کو کافر قرار دیا ہو، اور یہ اس اقدام کے بالکل برخلاف ہے جس میں خوارج نے محض اپنے نظریات سے اختلاف کی بنیاد پر اہل قبلہ کو کافر قرار دے دیا۔ یا پھر معتزلیوں نے فاسق کے بارے میں یہ حکم دے دیا کہ وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہے گا۔
اسی لیے اگر کوئی بندہ مومن بہت سارے گناہوں سے توبہ کئے بغیر اس دنیا سے چلا جائے تو اس کی تکفیر نہیں کی جا سکتی اور اگر وہ توحید اور اخلاص کے ساتھ مر جائے تو اس کے بارے میں خدا ہی فیصلہ لے سکتا ہے تو پھر کسی عقلمند انسان کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ جیسے ہی کسی کو اپنے نظریات کا مخالف پائے یا پھر وہ ایسے افکار سے روبرو ہو کہ جن کی بناء پر بہت آسانی سے کسی مسلمان کی تکفیر کا حکم لگایا جاسکے فوراً اسے اسے کافر کہہ دے، مگر یہ اس کے پاس واضح اور روشن دلائل موجود ہوں اور یہ باتیں قرآن مجید سے لی گئی ہیں جس میں خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے: (وَلاَتَقُولُواْ لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا) (سورۂ نساء، آیت ۹۴)

اور وہ شخص جو آپ کے سامنے اسلام کو ظاہر کرتا ہے اسے نہ کہیں کہ تو مومن نہیں ہے (تاکہ اس بہانے سے آپ مال دنیا حاصل کر سکیں)، اس آیہ کریمہ میں خداوند متعال نے اس شخص کی تکفیر سے ہمیں منع کیا ہے جو ہمارے سامنے اسلام کو ظاہر کرے۔

بہر حال پیامبر اکرم ﷺ کی اس حدیث کے مطابق کہ جس میں انھوں نے ارشاد فرمایا" جو بھی لا الہ اللہ کو اپنی زبان پر جاری کرے وہ جنت میں داخل ہوگا" تو پھر اس حدیث کا کیا ہوگا؟!

صحیح بخاری میں حضرت ابوذر سے نقل ہوا ہے، کہ میں پیامبر اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپ نیند کی حالت میں ہیں اور ایک سفید چادر اوڑھے ہوئے ہیں، واپس چلا گیا تھوڑی دیر بعد جب پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پھر بیدار ہو چکے تھے، آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا: کوئی بندہ ایسا نہیں جو کہے "لا الہ الا اللہ" اور مر جائے مگر یہ کہ وہ جنت میں جائے گا، میں نے پیامبر اسلامؐ سے مخاطب ہو کر کہا: کیا زناکاری اور چوری کے بعد بھی وہ جنت میں داخل ہوگا؟

آپ نے جواب میں فرمایا: اگرچہ وہ زناکار یا چور رہا ہو۔

حدیث پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی ابتدا میں " دل کی بات اور سچی بات " کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور حدیث کے آخر میں "انسان کے اعضاء و جوارح کے بارے میں " گفتگو کی گئی ہے۔ رسول اسلامؐ کا یہ حکم عاصی اور سرکش لوگوں کے بارے میں ہے۔

اب اس انسان کے سلسلے میں کیا حکم ہوگا جس کے سامنے کوئی فرد یا گروہ کلمہ شہادتین کو پڑھے لیکن وہ جہالت یا حق سے چشم پوشی کی بنیاد پر اس کے خون کو مباح سمجھتا ہو اور اس کو کافر جانتا ہو؟

حکم تکفیر میں اطلاق اور تعیین کے لحاظ سے مغایرت

جس وقت تکفیر کے حکم کو صادر کیا جا رہا ہو اس وقت ہمارے لئے مطلق اور مقید کے درمیان ایک فرق و امتیاز کا قائل ہونا ضروری ہے۔ کبھی کبھی ممکن ہے کہ کوئی بات یا فعل کفر پر مبنی ہو لیکن جس شخص نے ایسی بات کہی یا عمل انجام دیا ہو اسے اس وقت تک کافر نہیں کہا جا سکتا ہے جب تک ہمارے پاس کوئی محکم دلیل موجود نہ ہو جو اس کے بجالانے والے کو کافر سمجھتی ہو اور اس سلسلے میں کوئی شک اور شبہ بھی باقی نہ رہ جائے یا شرعی طریقہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص:

۱۔ اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ کفر کہہ رہا ہے۔

۲۔ یا اس کی باتوں کا لازمہ کفر ہو اور جس وقت اس کے سامنے اس بات کو رکھا جائے وہ اسے قبول بھی کر لے۔

۳۔ اس پر حجت تمام ہو چکی ہو۔

۴۔اس کے لیے کوئی دوسری چیز مانع بھی نہ ہو۔
۵: تازہ اسلام سے آشنا ہوا ہو۔

حکم تکفیر کے صادر کرنے کی صلاحیت

کیا ہر انسان کفر کا حکم جاری کر سکتا ہے؟ کفر کا حکم یہ ایک فقہی مسئلہ ہے یعنی یہ شریعت کا حکم ہے جو مکلّف (ایک بالغ وعاقل) کے فعل سے مربوط ہے، لہٰذا اس طرح کا حکم صادر کرنا کسی مفتی اور قاضی کا کام ہے، ہر شخص تکفیر کے حکم کو صادر نہیں کر سکتا ہے۔

تکفیری گروہ کی تشکیل

تکفیری فکر و نظر صدر اسلام سے امت مسلمہ کے درمیان گفتگو کا موضوع بنی ہے جو آج بھی ہے۔
تکفیری گروہ کے فتنے کی ابتداء رسول اسلامؐ کے زمانے سے ہوئی جیسا کہ جناب مسلم نے صحیح بخاری میں ابو سعید خدری سے نقل کیا ہے: جس وقت رسول اسلامؐ مال غنیمت کو تقسیم کر رہے تھے اس وقت عبداللہ بن ذی الخویصرہ تمیمی نے کہا:
اے خدا کے رسول عدالت کے ساتھ تقسیم کریں، رسول خداؐ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا، لعنت ہو تجھ پر، اگر میں عادل نہیں تو اور کون عادل ہو سکتا ہے؟
خوارج اور مارقین یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے خلاف خروج کیا۔
خوارج وہ طبقہ ہے جس نے حضرت علی علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش رچی۔ تاریخ میں ان کے اور بھی نام ہیں: جیسے "حروریہ" ابتداء میں ان کی فکر کا مرکز تھا بعض اصحاب کی تکفیر اور انکے خون کو مباح سمجھنا تھا، لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ صراط مستقیم سے منحرف ہو گیا اور آخر کار اس کا شمار ایک ایسے گمراہ فرقے میں ہونے لگا جن کا ہدف اور مقصد اسلامی ممالک کے حکّام اور لوگوں کی تکفیر تھا، انھوں نے اسلحہ کے ذریعے قدرت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ آج کے تکفیری جس شدت پسندی کے ساتھ اپنے طرز عمل پر مصر اور پابند ہیں یہ ایک بنیادی اور کلیدی مسئلہ ہے۔
عصر جدید کے تکفیریوں کے افکار کی تاریخی جڑیں، تصورات اور ظاہری طور طریقوں کے اعتبار سے تھیں پہلے خوارج کے گروہ سے مربوط نہیں لگتیں لیکن باطنی اہداف و مقاصد کے اعتبار سے یہ دو گروہ آپس میں مرتبط ہیں، اس لئے کہ ان کی طرز فکر اس بات کی سبب بنی ہے کہ ان کے اندر انتقام کا جذبہ مزید شعلہ ور ہو اور اپنے اطراف میں موجود دوسرے افراد کے تئیں ان کی نگاہ غلط اور منفی ہو۔ یہ وہ تخریبی عناصر ہیں جو ٹائم بم کی طرح ہر وقت پھٹنے کیلئے آمادہ ہیں تاکہ اپنے نادرست اہداف تک پہونچ سکیں حالانکہ ان افکار

کے لوگ قرآن کی نگاہ میں اس سراب کی مانند ہیں جو دور سے زمین پر نظر آتا ہے اور پیاسا اس کو پانی تصور کرتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہونچتا ہے تو اس کو بالو اور ریت کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

یہاں پر اس سے زیادہ گنجائش نہیں ہے کہ ہم خوارج کے تاریخی فتنے کے بارے میں مزید بحث کریں، اس لئے کہ موجودہ حالات میں یہ ثقافتی اور اجتماعی مسائل میں تبدیل ہو چکا ہے جس کو میڈیا میں درج ذیل ناموں سے سنا جا سکتا ہے:

۱: جماعۃ الھجرہ والتکفیر { گروہ ہجرت و تکفیر }

۲: الناجون من النار {آتش جہنم سے نجات یافتہ }

۳: جماعۃ المسلمین (مسلمانوں کی جماعت و تنظیم)

۴: التوقف والتبین

۵: تحریک القاعدہ

حال حاضر میں یہ تمام گروہ داعش کے نام سے مشہور ہیں، اور یہ تمام گروہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور ایک ہی موضوع یعنی خوارج کے طور طریقے پر عمل پیرا ہونے پر اتفاق رکھتے ہیں، ان کے آپسی تعلقات بھی بہت اچھے اور محکم ہیں اور خوارج کے ساتھ متعدد معاملات میں مشترک ہیں:

ہتھیار کے ذریعہ آئمہ مسلمین کے خلاف خروج اور جنگ، انکی اطاعت، پیروی سے روکنا اور ان کے ہمراہ جہاد کا جائز نہ ہونا، نماز میں ان کی اقتداء نہ کرنا، ان کے حق میں دعا کا جائز نہ ہونا اور مسلم ممالک میں جنگ بھڑکانا اور ان کی تکفیر کرنا، یہ ان لوگوں کا پہلا قدم ہے۔

ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیوں یہ گروہ تکفیری ہو گئے اور فتنہ و فساد کی آگ کو بھڑکانے میں انھوں نے کیوں ایندھن کا کام کیا؟ اور کیوں انھوں نے کبھی بھی امت مسلمہ کے ارتقاء اور اصلاح کے حوالے سے کوئی قدم نہیں اٹھایا؟ یہ نہایت ہی افسوس کی بات ہے کہ یہ لوگ اپنے متدین ہونے کے دعوے کے ساتھ دوسروں کی تکفیر، تخریب اور خونریزی کیلئے قدم اٹھاتے ہیں۔

مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں انتباہ

مسلمانوں اور مومنوں کی عزت اور ان کے دین کی حمایت و مدد کے سلسلے میں واضح اور آشکار شرعی دلائل موجود ہیں۔

اسی طرح مومنین کو اس بارے میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کوئی فرد، گروہ یا طایفہ کسی دوسرے مسلمان کی تکفیر نہیں کر سکتا، سورۂ نساء کی آیت ۹۴ میں ارشاد ہوتا ہے: يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا إِذَاضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

فَتَبَيَّنُواْ وَلاَتَقُولُواْ لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَاللّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ۔

اے صاحبان ایمان جب آپ خدا کی راہ میں جہاد کے لئے سفر کرو تو پہلے تحقیق کرلو اور خبردار جو اسلام کی پیش کش کرے اس سے یہ نہ کہنا کہ تو مومن نہیں ہے کہ اس طرح تم زندگانی دنیا کا چند روزہ سرمایہ چاہتے ہو اور خدا کے پاس بکثرت فوائد پائے جاتے ہیں۔ آخر تم بھی تو پہلے ایسے ہی کافر تھے۔ خدا نے تم پر احسان کیا کہ تمہارے اسلام کو قبول کرلیا (اور دل چیرنے کی شرط نہیں لگائی) تو اب تم بھی اقدام سے پہلے تحقیق کرو کہ خدا تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

سورہ احزاب کی آیت ۵۸ میں ارشاد ہوتا ہے۔ (وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا) اور جو لوگ صاحبانِ ایمان مرد یا عورتوں کو بغیر کچھ کئے دھرے اذیت دیتے ہیں انہوں نے بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھا رکھا ہے۔

اسی طرح رسول اسلامؐ نے ارشاد فرمایا: "لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق و لا یرمی بالکفر إلا إرتدّت علیه إن لم یکن صاحبه کذلک"

اگر کوئی شخص کسی دوسرے فرد کی تکفیر کرے جس کے اندر تکفیر کے شرائط نہ پائے جاتے ہوں تو یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے اس نے اپنی تکفیر کی ہو۔ اسی طرح آپ نے فرمایا: "لعن المؤمن کقتله و من رمی مؤمناً بالکفر فهو قتله"

کسی مومن پر نفرین (لعنت) بھیجنا اس کے قتل کے مترادف ہے اور جو شخص کسی مومن کے کفر کا حکم دے گویا اس نے اس کا قتل کیا ہے

تکفیر مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ

ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ جب تک شرعی لحاظ سے کسی کے بارے میں معلوم نہ ہو جائے کہ وہ کس طرح کا انسان ہے، اس بڑے کام یعنی تکفیر میں مداخلت نہ کرے۔

امام شوکانی اس بارے میں کہتے ہیں: ہر وہ مسلمان جو خدا، رسول اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے فرد کے بارے میں اسلام سے خارج ہونے یا اس کے کافر ہونے کا حکم صادر کرے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ جب روز روشن کی طرح یقینی اور قطعی دلائل موجود ہوں۔ صحیح احادیث میں اصحاب کے ایک گروہ سے نقل ہوا ہے کہ: جو بھی اپنے بھائی کو کہے " اے کافر" تو اس نسبت کے گناہ کو ان میں سے کسی ایک نے اپنے کاندھے پر اٹھایا ہے، ارشاد رب العزت ہے۔

" وَلاَتَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَـئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً "

جس چیز کے متعلق آپ کے پاس علم نہیں ہے اس کا اتباع نہ کریں بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب سے سوال کیا جائے گا۔

امت مسلمہ پر تکفیر کے نتائج

۱: تکفیر، عالم بشریت میں اختلاف، تفرقہ اندازی، دلوں میں کینہ و دشمنی پیدا کرنے، مسلمانوں کے سلسلے میں بدگمانی اور ان کی لغزشوں اور خطاوں کو تلاش کرنے کا سبب ہے۔

۲: تکفیر ان تمام حقائق و، ضروریات اور پنجگانہ مقاصد کے تباہ و برباد ہو جانے کا سبب ہے جن کی حفاظت پر شریعت نے عہدہ لیا ہے۔

تکفیر، خون بہانے اور اس کے مباح ہونے کا سبب ہے اور وہ اپنے باطل افکار کی بنیاد پر اس عمل کو خدا سے نزدیکی کا ذریعہ، اموال کو حلال قرار دینے کا وسیلہ اور دوسروں کی عزت کو پانی میں ملانے کا حربہ تصور کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں دین کی بنیادیں منہدم ہو جاتی ہیں، ناامنی جنم لیتی ہے اور مومنین کے بیچ خوف و ہراس پیدا ہو جاتا ہے۔

۳: کسی کی تکفیر یا کسی کو فاسق قرار دینا یہ خود ایک بہت بڑا کام ہے اس سلسلے میں جو بھی شخص اپنے فریضہ کو نہ سمجھے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی ضلالت و گمراہی کی جانب لے جاتا ہے۔

۴: تکفیر دینی امور کی تحریف اور اپنے ذوق و سلیقے کے مطابق اسلامی متون کی تفسیر کا سبب ہے جس کی بنیاد پر انسان، کتابوں کی تفسیر اپنی مرضی کے مطابق کرتا ہے۔

۵: تکفیر، اسلام کی ترویج اور اس کی نشر و اشاعت میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

۶: تکفیر، حکّام اور لوگوں کے مابین اختلاف کا سبب ہے چونکہ اس نظریہ کی بنیاد پر عوام، حکام کو کافر قرار دیتے ہیں اور جو بھی ان کی درخواست کو قبول نہ کرے اسے کافر قرار دیتے ہیں، اس لئے ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حکام، خدا کی شریعت پر عمل نہیں کرتے اور چونکہ لوگ ان کے اس عمل پر راضی و خوش ہیں لہٰذا یہ بھی حکام کی طرح کافر ہیں۔

ختم کلام اور کچھ تذکرات

تکفیر ایک بہت ہی اہم موضوع ہے اور ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ اس گروہ کے ساتھ ہمنشین نہ ہو جو مسلمانوں اور ان کے اولیاء کو بغیر کسی بصیرت اور آگاہی کے کافر قرار دیتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے ہمیں دور رہنا چاہئے چونکہ یہ اپنے نفسانی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں اور لوگوں کے تئیں متعصب ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس علم یا عدالت ہو، بلکہ یہ ایک منحرف اور مغالطہ کا شکار گروہ

ہے۔البتہ ان سے مذاکرات اور دلیل و برہان کے ذریعہ انہیں مغلوب کرکے ان کے خیالات و نظریات کو بدلا جاسکتا ہے۔

کچھ ہدایتیں:

اس بات پر اتفاق رائے ہونا چاہئے کہ یہ گروہ تمام امت مسلمہ کیلئے خطرناک ہے۔

۲۔اس بات پر متفق ہونا چاہئے کہ یہ اسلام کے دشمنوں کے وفادار اور تربیت یافتہ لوگ ہیں۔

۳۔اس بات پر اتفاق رائے ہونا چاہئے کہ کسی کو کافر قرار دینا صرف خدا کا حق ہے کسی اور کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی گروہ یا جماعت کو تکفیر کی نسبت دے چاہے وہ اس کے مذہب کا مخالف ہو مگر یہ کہ اس کے پاس اس نسبت کے لیے واضح دلائل کتاب اور سنت الٰہی پر مبنی ہوں۔

۴۔ علمی حقائق کی بنیاد پر بہت سے عقائد اور اسلامی فقہ کا دوبارہ مطالعہ کیا جانا چاہئے خاص طور سے ان مسائل کے بارے میں جن کی وجہ سے امت مسلمہ میں اختلاف ہوتا ہے۔

۵۔اعتدال پسند اور میانہ رو افراد کی آواز ہر کسی گروہ یا جماعت سے الگ ہونی چاہئے۔

۶۔اختلافات کو ختم کرنے کے لیے مسلمانوں کے مشترکہ مسائل پر تحقیق ہونی چاہئے اور مشترکات پر عمل بھی ہونا چاہئے۔

۷۔اسی طرح اس بات پر تاکید کی جائے تقدس (احترام) اور ثبات (بقاء) صرف کتاب اور سنت کو حاصل ہے لیکن حالات اور شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے اور تجدید نظر کے قابل فہم وادراک ہی کسی چیز کو بنا سکتے ہیں اور سنوار سکتے ہیں۔

تکفیری رجحانات کی فکری اساس

مولوی عبد الصمد کریم زائی*
ترجمہ: مہدی باقر

عصر حاضر میں دنیائے اسلام کے لیے اختلاف اور انتشار بالخصوص تکفیری گروہوں کے کارنامے سب سے بڑا مسئلہ ہیں کیونکہ اس گروہ نے اپنی بہیمانہ حرکتوں سے اسلام اور مسلمانوں کی آبرو اور حیثیت کو شدید نقصان پہونچایا ہے۔ ان لوگوں نے ایسے دین کو جو سراسر دین امن وآشتی ہے، خون ریزی اور شدت پسندی کے مذہب کے طور پر دنیاوالوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ اسلام ہی وہ دین ہے جو اغیار کے ساتھ بھی اخلاقی رواداری کا حکم دیتا ہے۔ ایسی حالت میں تکفیری رجحان نہ صرف اسلامی تعلیمات کو مسخ کرتا ہے بلکہ خود مسلمانوں کو بھی دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی بات کہتا ہے تاہم سارے فرقِ اسلامی کے برخلاف سب کو کافر ومشرک قرار دیتا ہے؛ ظاہر ہے کہ اس قسم کی فکر، اسلام کے خارجی دشمنوں سے کم خطرناک نہیں ہے۔ یہ اس کینسر کے پھوڑے کی طرح ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے جسم میں گھر چکا ہے چنانچہ اس کے نتیجہ میں ہر روز عالم اسلام کے متعدد لوگ اس کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں تاہم اس سے مسلمانوں کے انفرادی تشخص پر بھی کڑی ضرب لگتی ہے البتہ اس سلسلے میں دنیا کی سامراجی طاقتوں کے کرداروں اور مسلمانوں کی فریب خوردگی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا چونکہ اسلام دشمن قوتیں یہ بات بخوبی سمجھ چکی ہیں کہ مسلمانوں کو کمزور کرنے کا ایک آسان راستہ ان کے مابین تفرقہ اندازی ہے اسی لیے وہ الگ الگ انداز میں اس قسم کے گروہوں کی حمایت کرتے ہیں۔ کاش تکفیری گروپ کے اسلحے بجائے مسلمانوں کی جان لینے کے اسلام کے دفاع میں استعمال ہوتے۔

اسلامی مکاتب فکر اور تکفیری رجحانات کی رو سے توحید اور شرک کا تقابلی جائزہ

توحید مصدر ہے فعل "وحد یوحد" کا اور اس کے معنیٰ یکتا اور یگانہ قرار دینا ہے۔[۱] تاہم اصطلاحی طور پر یہ لفظ اللہ کی ذات پر ایمان واعتقاد اور الوہیت، اسماء اور صفات کی وحدانیت کے اعتراف سے مربوط

---

* موصوف ایران شہر کی مسجد فاطمہ زہرا (س) کے امام جمعہ اور مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ کے مدیر ہیں۔

ہے چنانچہ توحید تین صورتوں میں تحقق پذیر ہوتی ہے:

الف۔ اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت پر یقین اس معنٰی میں کہ اس کے وجود اور یکتا ہونے اور اس کے تمام افعال پر عقیدہ ہو جیسے خلاقیت، رزاقیت، زندہ کرنا، مارنا اور تمام امور پر اس کا کامل تصرف اور تدبیر کرنا "الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین۔ ۲ (جان لو کہ خلقت اور حکمرانی اسی کے لیے ہے) "الحمد للہ رب العالمین" ۳ (تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو عالمین کا رب ہے)۔ تاریخ بشریت میں اکثریت انہیں لوگوں کی ہے جو اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت پر یقین رکھتے ہیں جیسا کہ خود خداوند متعال نے فرمایا ہے؛ قل من یرزقکم من السماء والارض ام من یملک السمع والابصار ومن یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ومن یدبر الامر فسیقولون اللہ" ۴ (بتاؤ کون زمین وآسمان سے تمہیں رزق دیتا ہے، کون تمہارے کان اور آنکھوں کا مالک ہے کہ جو مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ کرتا ہے اور کون تمام امور کی تدبیر کرتا ہے عنقریب سب کہیں گے وہ اللہ ہے۔" ولئن سألتم من خلق السماوات والارض لیقولن اللہ۔ ۵ (اگر ان سے پوچھو کہ زمین وآسمان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یقیناً کہیں گے کہ اسے خدا نے خلق کیا ہے۔

ب۔ اللہ کی الوہیت میں اس کی وحدانیت ویکتا پرستی پر یقین یعنی اس کی عبادت میں اسے وحدہ لاشریک قرار دینا جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی اور اس سے مدد کا مطالبہ کرنا، اللہ ارشاد فرماتا ہے: فاعلم انہ لاالہٰ الّا اللہ، ۶ (جان لو کہ کوئی خدا نہیں ہے سوائے اس کے)؛ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین۔ ۷ (کہو کہ میری نمازیں ساری عبادتیں، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے یہ حکم ملا ہے اور میں ہی پہلا مسلمان ہوں) "ایاک نعبد وایاک نستعین ۸ (تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں) ومآامروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفآء ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ وذلک دین القیمہ" ۹۔ (انہیں حکم نہیں دیا گیا مگر یہ کہ وہ خدا کی عبادت کریں اس کے دین کے تئیں خلوص پیدا کریں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں، یہی پائیدار میرا دین ہے)۔ وماخلقت الجنّ والانس الاّ لیعبدون۔ ۱۰۔ مختلف آیات قرآنی میں متعدد انبیاء جیسے جناب نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ اور شعیبؑ کی زبانی آیا ہے: اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ ۱۱ (اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے)۔

ج۔ اللہ کی صفات اور اس کے اسماء اس کی یکتائی اور بے ہمتائی پر ایمان، یعنی وہ اسماء وصفات الٰہیہ جو اس کی ذات سے متصف ہیں اور معتبر احادیث میں ان کا ذکر ہے کسی مثال، تشابہ اور اس کی صفات کی

کیفیات کی نفی کرتے ہوئے۔ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے :" لیس کمثلہ شئ وھو السّمیع البصیر ۱۲۔(اس کے جیسی کوئی شی نہیں ہے وہ سمیع وبصیر ہے)۔ وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ سیجزون ماکانوا یعملون ۱۳۔ (تمام اسماء حسنی اللہ کی ذات سے مخصوص ہیں اسے اسی نام سے پکارو اور جنہیں اس کے اسماء سے انکار ہے انہیں چھوڑ دو وہ اپنے کیفر و کردار کو پہونچ جائیں گے)۔" ولم یکن لہ کفواً احد ۱۴۔ (اس کا کوئی کفو نہیں ہے)، ولایحیطون بہ علما۱۵۔ (علم ودانش اس کا ادراک واحاطہ نہیں کر سکتے)۔ ھل تعلم لہ سمیّا ۱۶۔ (کیا اس کا کوئی ہمنام ہے)؟

ابن ابو العز حنفی نے توحید کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ربوبیت میں توحید اور اسماء وصفات میں توحید ۱۷۔

اہل کلام کے نزدیک توحید کی قسمیں:

متکلمین نے توحید کی تین قسموں کو اس طرح بیان کیا ہے:

۱۔ توحید، ذات میں یعنی اللہ اپنی ذات وہستی کی رو سے قابل تقسیم نہیں ہے۔

۲۔ توحید، صفات میں یعنی اس کی صفات میں اسکا کوئی مشابہ نہیں ہے۔

۳۔ توحید افعال میں یعنی اس کے افعال میں اس کا کوئی شریک نہیں ۱۸۔

پہلی والی قسم مناسب تر ہے چونکہ باقی تقسیموں کو متکلمین نے مراتب توحید میں نہیں جانا ہے البتہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس مسئلہ کو اس سے بہتر انداز میں بیان کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے توحید کو چار موارد پر مشتمل جانا ہے الوہیت کی توحید کو چوتھے مرحلے میں قرار دیا ہے۔

توحید کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ حصر وجوب وجود، ذات باری تعالیٰ میں، چنانچہ اس کے علاوہ کوئی واجب الوجود نہیں ہے۔

۲۔ حصر خلقت عرش: یعنی زمین وآسمان اور تمام موجودات ومخلوقات کا ذات اللہ تبارک و تعالیٰ سے متعلق ہونا۔

واضح رہے کہ ان دونوں اقسام سے متعلق آسمانی کتابوں میں ذکر ملتا ہے چنانچہ اس حوالہ سے یہودی اور عیسائیوں کے یہاں بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے یہی نہیں بلکہ قرآن کریم نے اسے مسلمات میں سے جانا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ولن سألتھم من خلق السموات والارض لیقولُنّ

خلقھن العزیز العلیم ۱۹۔ (اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین وآسمان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقین سے کہیں گے کہ اسے اسی قادر مطلق نے پیدا کیا ہے)۔

۳۔ حصر تدبیر آسمان، زمین اور جو کچھ اس کے مابین ہے۔

۴۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

یہ دونوں قسمیں اپنے فطری متقضیات کے پیش نظر ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ ۲۰۔ مشرک کے لغوی معنی، شراکت، حصہ داری اور شرکت کے ہیں، مالھم فیھما من شرک۔ ۲۱ شرک کو سمجھنے کا سب سے آسان طریقہ اس کا توحید کے ساتھ موازنہ ہے اس طرح توحید کو بھی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور شرک کو بھی، اس لحاظ سے شرک بھی دو قسم کا ہوتا ہے: ۱۔ شرک نظری ۲۔ شرک عملی۔

شرک نظری یعنی اللہ کے بارے میں ہمارا نظریہ خلاف توحید ہو، تاہم شرک نظری کو خدا کی صحیح معرفت نہ ہونے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے چونکہ شرک نظری، توحید نظری کے بالکل مقابل اور متضاد ہے جس کے پیش نظر اس کی مختلف جہات ہیں جن میں ہم سر دست شرک ذاتی، شرک صفاتی اور شرک افعالی کو بیان کر رہے ہیں:

شرک ذاتی یعنی دو یا اس سے زائد خدا پر یقین رکھنا جسے اصطلاحاً ثنویت یا تثلیث کہا جاتا ہے، شرک ذاتی پوری طرح توحید ذاتی کے برخلاف ہے۔ شرک افعالی یعنی اللہ کے علاوہ کسی اور کے خالق موجودات ہونے کا قائل ہونا جیسے زرتشت معتقد تھے کہ دو خدا ہیں ایک نیکیوں کا خالق ہے دوسرا بدیوں کا، چنانچہ وہ یزداں کو خوبیوں کا اور اہرمن کو بدیوں کا خدا جانتے ہیں۔ وہ قدریہ فرقہ کی طرح الٰہی قضا وقدر کے منکر ہیں اور جملہ خیر وشر کو خود سے منسوب کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ فرقہ جبریان کے بالکل برخلاف ہے جو خود کو قضا وقدر کے مقابل بالکل مجبور گردانتے ہیں، روایت میں ہے" القدریہ مجوس ھذہ الامۃ" اور اسی طرح ستارہ کی پرستش کرنے والے جنہیں بعض کے خیال میں قرآن نے صائبون کے نام سے یاد کیا گیا ہے، یا وہ لوگ جو مخلوقات خدا جیسے چاند سورج وغیرہ کو خدا کا شریک قرار دیتے ہیں۔ یہی شرک عملی یعنی عبادت وپرستش میں خدا کا شریک قرار دینا ہے تاہم یہی وہ شرک ہے جو توحید عملی کے بالکل مقابل میں ہے۔

لہٰذا قرآن کریم میں ذکر شدہ عبادت وبندگی کے وسیع معنی ومفہوم کو، مد نظر رکھتے ہوئے شرک عملی کی تصویر مزید واضح ہو جاتی ہے۔ بندگی وعبادت، قرآن کریم میں محض کسی طاقت کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا اور اسے اپنا خالق ومالک جاننا نہیں ہے بلکہ قرآن نے بندگی کو ایسے تذلل اور تسلیم ہونے سے تعبیر کیا ہے جو اللہ کے سامنے اطاعت کی نیت سے ہو، اس سلسلے میں قرآن کریم کی متعدد آیات سے بات

مزید واضح ہو جاتی ہے:

"ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت" ۲۲۔(۱) الم اعھد الیکم یا بنی آدم ان لا تعبدوا الشیطان" ۲۳۔ اور آیت، "وتلک نعمتہ تمنھا علی ان عبدت بنی اسرائیل" ۲۴۔ حضرت موسیٰ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: "یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ"۔۲۵۔ وغیرہ

کیا کسی نے شیطان کو سجدہ کیا یا طاغوت کو خالق کائنات جانا ہے۔ کیا سارے بنی اسرائیل فرعون کو سجدہ کرتے تھے، کیا ایسی کوئی آیت نازل ہوئی ہے؟ نہیں بلکہ اس سے مراد خود کو ان کے آگے جھکا دینا ہے۔ چنانچہ صرف ہر وہ اطاعت وخود سپردگی اور عبادت جو خدا کے لیے ہو، توحید عملی ہے اور اگر خدا کے لیے نہ ہو تو شرک ہے لہٰذا توحید کا لازمہ یہ ہے کہ پہلے انسان خود کو ہر طرح کے غیر اللہ کے غلبہ اور گرفت سے آزاد کرے، ہر قسم کی خود پرستی، ثروت پرستی، شکم پرستی اور طاغوت پرستی سے دور کرے حکم پروردگار عالم کے سامنے سرخم کرے اور اس کے برخلاف ہر حکم وبالا دستی کو جو الٰہی احکام سے متعارض ہو ٹھکرا دے۔

جیسا کہ حضور اکرمؐ کا فرمان "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیہ الخالق" ۲۶۔ اس پر واضح دلیل ہے۔

شرک خفی وجلی

اگر شرک بالکل آشکار ہو جیسے کوئی ثنویت یا تثلیث کا قائل ہو تو اسے شرک جلی کہا جاتا ہے ایسی صورت میں انسان حتمی طور پر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے البتہ یہ ذہن نشین رہے کہ کچھ ایسے مراحل بھی ہیں جس میں شرک اپنی واضح اور صریحی تصویر کے ساتھ ابھر کر نہیں آتا اور اس میں ایک قسم کا خفا پایا جاتا ہے، دین اسلام کے تمام منابع جیسے " سد الذرائع" کے باب میں اسے شرک خفی کا عنوان دیا گیا ہے مثلاً بعض احادیث میں غیر خدا کی قسم کھانا شرک سمجھا گیا ہے "من حلف بغیر اللہ فقد کفر او اشرک" ۲۷۔ یا اسے ریا کہا گیا ہے، " الشرک اخفی فی امتی من دبیب المنتہ" ۲۸۔ شرک کی رفتار دلوں اور فکروں میں ایسی چیونٹی سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جو رات کی تاریکی میں صاف پتھر پر چلتی ہے۔ قرآن کریم کی رو سے اگر کوئی خواہشات نفسانی کی پیروی کرتا ہے یا جاہ وطلب، شہوت پرستی اور ذخیرہ اندوزی کرتا ہے تو وہ شرک خفی کا شکار ہے، "اریت من تخذ الھہ ھواہ"۔۲۹۔

تکفیریوں کے یہاں شرک یعنی اللہ کے لیے شریک کا قائل ہونا یا اس کے علاوہ کسی اور کو صاحب اختیار ماننا ہے اسی طرح طلب ومدد اور توسل بھی شرک ہے۔

اسلامی فرقے اور تکفیری رجحانات کی رو سے ایمان و کفر کا تقابلی جائزہ

ایمان کے لغوی معنی تصدیق اور تعین کرنے کے ہیں البتہ اسے اطمینان واعتبار کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جبکہ شرعی اصطلاح میں اسے دینی مسائل کی تصدیق اور راسخ تعیین سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لحاظ سے اجتہادی مسائل کی تصدیق کہ جس کے لیے ضروری معلومات کو سبب نہیں قرار دیا جاسکتا ایمان کے متحقق ہونے کے لیے کافی نہیں ہے تاہم اس کا انکار کفر کا سبب بھی نہیں بنتا، اس سلسلے میں الگ الگ نظریات ہیں۔ ایک گروہ نے ایمان کے ۳ /ارکان بتائے ہیں:

۱۔ دل سے تصدیق

۲۔ زبان سے اقرار

۳۔ اعضاء وجوارح سے اظہار (عمل)

محدثین کہتے ہیں کہ عمل صالح، رکن ایمان ہے اور رکن کی دو قسمیں ہوتی ہیں: اصلی اور فرعی۔ عمل اس کے فرعی ارکان میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کی مثال یوں دی جاتی ہے کہ درخت کی شاخ کو جب درخت سے الگ کیا جائے تو اسے اس درخت کا نام دیا جاتا ہے۔ معتزلہ اور خوارج نے بھی ایمان کو ۳ چیزوں سے مرکب جانا ہے اس طرح سے کہ ان تینوں میں سے کسی ایک کے فقدان سے ایمان جاتا رہے گا چنانچہ عقلی قاعدہ یہ ہے کہ کوئی بھی مرکب شئ اپنے بعض اجزاء کے نہ ہونے کی صورت میں کالعدم ہو جاتی ہے۔

البتہ معتزلہ اور خوارج کے مابین ایک بات میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ معتزلہ کہتے ہیں عمل صالح کو ترک کرنے یا گناہ کبیرہ کے مرتکب ہونے سے نہ انسان مومن رہ جاتا ہے نہ ہی کافر بلکہ ایک تیسری صنف قرار پاتا ہے یعنی فاسق ہو جاتا ہے درحالیکہ خوارج کہتے ہیں ایسا انسان دائرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور کافر سمجھا جاتا ہے۔

علم کلام کے ماہرین اور محققین نے ایمان کو بسیط جانا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایمان تائید قلبی کا نام ہے مگر زبان سے اقرار اور اعضاء وجوارح سے اظہار اس کی شرائط میں ہے اور اس کو اس جہت سے شرط شمار کیا گیا ہے تاکہ وہ لوگ جو قلباً یقین و معرفت رکھتے ہیں مگر اعلانیہ طور پر اس کی گواہی نہیں دیتے اس سے خارج سمجھے جائیں، چنانچہ انہوں نے اقرار کو ناشکری وناسپاسی کے مقابل پایا ہے" وجحدوا بها و استيقنتها انفسهم ظلما وعلواً ۳۰" (باوجود اس کے کہ وہ اپنے تئیں یقین رکھتے تھے مگر انہوں نے تکبر، نخوت اور ظالمانہ روش کے سبب انکار کر دیا)۔

البتہ اقرار اس صورت میں شرط ہے کہ کوئی عذر موجود نہ ہو کیونکہ زبانی اقرار، ڈر، اور خوف کے

ماحول میں ساقط ہوجاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے، "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان"۔۳۱ (علاوہ ان افراد کے کہ جو بالاکراہ زبان پر کفر جاری کریں مگر دل سے ان کا ایمان ثابت ہو)۔

لہٰذا اگر کوئی غیر اضطراری موقع پر، کلمہ شہادتین کو زبان پر جاری نہ کرے تو کافر ہے جیسا کہ اگر کوئی اسلام سے ناطہ نہ جوڑے اور کفر سے بھی اظہار برأت نہ کرے تو مسلمان نہیں ہے البتہ اس سلسلے میں علماء کی رائے مختلف ہے۔ جنہوں نے ایمان کو مرکب جانا ہے وہ ایمان کی کمی وزیادتی کے بھی قائل ہیں برخلاف ان لوگوں کے جو بساطت ایمانی کے قائل ہیں۔

محدثین نے ایمان کے دو مراتب بیان کیے ہیں:

پہلا مرتبہ: دل سے تصدیق، اس کے نتیجہ میں آتش دوزخ سے نجات ممکن ہے چاہے جتنی مدت بھی اس میں رہنا میسر رہا ہو۔

دوسرا مرتبہ: زبان وعمل سے اقرار واظہار، اس کے نتیجہ میں بہشت میں داخلہ ممکن ہے چنانچہ اگر عمل صالح نہ ہو تو بھی ایمان محفوظ ہے۔

مذکورہ گفتگو کے پیش نظر، منافق ایمان کی دلی تصدیق سے بے بہرہ ہے اور اس کا شمار مومنین میں نہیں ہوسکتا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔ ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الآخر وماھم بمؤمنین۔۔۳۲

فقہا اور علم کلام کے وہ علماء جنہوں نے ایمان کو بسیط جانا ہے، انہوں نے عمل صالح کو اس کے احکام پر عمل درآمد کی شرط اور باعث زینت وانبساط جانا ہے۔

کفر اور اس کی قسمیں

کفر کی دو قسمیں ہیں: حقیقی وحکمی، کفر حقیقی یعنی مبانی دین میں سے کسی ایک کا انکار کرنا اور اس کی چار قسمیں؛ صاحب تاج العروس نے ان چار قسموں کا تذکرہ کیا ہے:

۱۔ کفر انکاری یعنی انکار توحید دل اور زبان سے

۲۔ کفر جحودی یعنی خدا کو پہچانتے ہوئے زبان سے اقرار نہ کرنا جیسے شیطان

۳۔ کفر عناد ولجاجت یعنی وہ خدا کو پہچانتے ہوئے زبان سے اقرار بھی کرتا ہے۔ مگر ایمان لانے سے گریز کرتا ہے۔ جیسے ہرقل۔

۴۔ کفر نفاق یعنی ظاہراً اقرار کرتا ہے، مگر دلی طور پر کافر ہے جیسے منافقین

حصکفی کہتے ہیں: کافروں کو ۵ طرح تقسیم کیا جاسکتا ہے؛ ایک وہ جو خالق کائنات کا انکار کرتا ہے جیسے

دھریہ، دوسرے وہ جو وحدانیت خدا کا انکار کرتا ہے جیسے ایک سے زائد خدا کے ماننے والے لوگ، تیسرے وہ جو بعثت پیغمبر کا انکار کرتا ہے؛ چوتھے وہ جو اللہ اور اس کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا انکار کرتا ہے پانچویں وہ جو تمام دلی مراحل کو طے کر چکا ہے مگر حضور اکرم کی رسالت کو قبول نہیں کرتا ہے۔

کفر حکمی وہ کفر ہے کہ جس میں کفار کی کوئی نشانی یا انکار یا ایسا شعار پایا جاتا ہو جس سے اسلام کی تکذیب ہوتی ہو، جیسا کہ شرح مواقف میں اشارہ ملتا ہے؛ فیض الباری کے حاشیہ میں کفر کی اقسام کے بارے میں یوں درج ہے: اگر کوئی اسلام کا ظاہری اقرار و اعلان نہ کرتا ہو تو کافر ہے اور اگر زبانی طور پر اقرار کرتا ہے مگر دل میں کفر چھپائے تو وہ منافق ہے تاہم اگر دلی و زبانی اعتراف بھی کرتا ہے مگر بعض دینی مسلّمات کی اجماع امت کے برخلاف تفسیر کرتا ہے ایسا انسان زندیق ہے جیسے اگر وہ کہے کہ جو کچھ بھی قرآن میں جنت و جہنم کے بارے میں ہے وہ حق ہے مگر اسکا وجود خارجی نہیں ہے بلکہ جنت سے مراد خوشحالی اور جہنم سے مراد ندامت و پشیمانی کا تصور ہے۔

مراحل کفر، شیعی نقطہ نظر سے:

امام صادقؑ سے مروی رایت کے مطابق کفر کو پانچ مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے پہلا مرحلہ انکار ربوبیت، دوسرا مرحلہ حق کو جانتے ہوئے اس کا انکار! تیسرا مرحلہ کفران نعمت، چوتھا مرحلہ سنت الٰہیہ کو ترک کرنا اور پانچواں مرحلہ اسلام سے بیزاری ہے۔

تکفیر شیعوں کی نظر میں

الوہیت، توحید، رسالت پیغمبر، قیامت اور منجملہ اسلامی قوانین کا انکار موجب کفر ہوتا ہے خواہ وہ لاعلمی کی بنیاد پر ہو۔ اس کے علاوہ اگر کوئی خدا کے علاوہ کسی اور کے لئے ربوبیت کا قائل ہو تو وہ بھی کفر سمجھا جائے گا۔ خدا کی جسمانیت کا قائل ہونا بھی کفر ہے علاوہ ازیں، نماز کو ہلکا گردانا واجبات کا انکار کرنا، محرمات کی حرمت سے انکار، اہل بیت رسولؐ کو ناروا کہنا، حضرت علیؑ کو غیر مؤمن جاننا ان کی اطاعت سے انکار کرنا رسول کی آلؑ سے بغض رکھنا مصادیق کفر میں شامل ہے۔

تکفیریوں کا گروہ تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتا ہے البتہ یہ ان کی ظاہر پرستی کے نتیجہ میں ہوا ہے وہ محض ظاہری خضوع و خشوع کو عبادت جانتے ہیں جیسے خوارج ہر اس شخص کو اسلام سے خارج مانتے تھے جو کسی گناہ کبیرہ کا شکار ہوتا تھا۔

اہل قبلہ کی حرمت تکفیر قرآن وسنت میں

شرعی نصوص سے ثابت ہے کہ تکفیر میں عجلت درست نہیں ہے، حضرت عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا :" ایما رجل قال لاخیہ، یاکافر فقد باء بھا احدھما متفق علیہ، اگر کوئی اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے تو ان دونوں میں کوئی ایک قطعاً کافر ہوگا۔

موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اللہ نے ارشاد فرمایا ہے: " یا ایھا الذین آمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبیّنوا ولا تقولوا لمن القٰی الیکم السّلام لست مومناً تبتغون عرض الحیاۃ الدنیا"۔ ۳۳

پیغمبرؐ نے فرمایا: "من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا، فذلک المسلم الذی لہ ذمہ اللہ ذمۂ رسولہ فلا تحقروا اللہ فی ذمتہ"۔ آپ نے فرمایا: "ثلاث من اصل الایمان: الکف عمن قال لا الہ الا اللہ، لانکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل۔۔۔"

عن ابی ھریرہ، قال: کان النّبی ﷺ بارزاً یوما للناس فاتاہ رجل فقال: ماالایمان؟ فقال: الایمان ان تؤمن باللہ وملائکتہ وتؤمن بالبعث، قال: وماالاسلام؟ قال الاسلام ان تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیاء وتقیم الصلوٰۃ وتؤتی الزکوٰۃ المفروضہ وتصوم رمضان ۳۴۔

ایک دوسری حدیث (جو صحیح بخاری اور مسلم میں درج ہے) میں بھی ایمان کی یہی تعریف پیش کی گئی ہے۔" عن طلحہ بن عبید اللہ: قال: جاء رجل الیٰ رسول اللہ من اھل نجد نا ثر الراس نسمع دویّ صوتہ ولا نفقہ ما یقول حتی دنی فاذا ھو یسئل عن الاسلام، فقال رسول اللہ(ص): خمس صلوت فی الیوم واللیلۃ: قال: ھل علی غیرھا؟ قال: لا الا ان تطوع، قال: فادبر الرجل وھو یقول واللہ لاازید ولا انقص: قال رسول اللہ ﷺ: افلح ان صدق " ۳۵۔

سنن نسائی میں انس ابن مالک سے یوں منقول ہے: من شھد ان لا الہ الا اللہ واستقبل قبلتنا وصلی صلاتنا واکل ذبیحتنا فذلک مسلم، لہ ماللمسلم وعلیہ ما علی المسلم ۳۶۔

اہل قبلہ کی تکفیر کی حرمت علمائے اسلام کی نظر میں

اسلامی شریعت نے تکفیریت کے لیے شرائط اور موانع کا تذکرہ کیا ہے اور اسے خاصی اہمیت دی ہے اسی لیے کفر کا حکم لگانے سے پہلے بغیر کسی تعصب وتنگ نظری کے تمام ضروری اور ممکنہ پہلوؤں پر نظر ڈالنے کا حکم دیا ہے اور محض ان لوگوں کو ایسا حکم جاری کرنے کا حق ہے جو مجتہد یا قاضی ہیں اور جو مسائل شریعہ پر نظر نہیں رکھتے اور اپنے لیے بھی حرام وحلال کی تشخیص نہیں دے سکتے بلکہ وہ اس سلسلے میں دوسرے کے محتاج ہیں وہ کسی بھی طرح اس سلسلے میں لب کشائی کا حق نہیں رکھتے۔

ایک ایسا قاعدہ جسے اہل سنت بھی تسلیم کرتے ہیں "اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے" ومن قواعد اهل السنه والجماعه ان لایکفر واحد من اهل القبله" ، عن ابی حنیفه: لاتکفر اهل القبله بذنب ، اس کے علاوہ متعدد روایات میں اس کی طرف اشارے ملے ہیں : رسول خدا نے فرمایا : " ثلاث من اصل الایمان :الکف عمن قال لا اله الا الله ولا تکفر ولا تخرجه من السلام بعمل"- تین چیزیں ایمان کا ستون ہیں وحدانیت کی گواہی دینے والے کے قتل سے گریز کرنا اور ایسے انسان کو کافر نہ سمجھنا اور کسی نامطلوب عمل یا گناہ کے نتیجہ میں ہے اسلام سے خارج نہ کرنا۔۳۷، امام ابو جعفر طحاوی نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے: انا لانکفر احداً من اهل القبیله بذنب مالم یستحله ولا نقول لایضر مع الایمان ذنب لمن عمله ۳۸، البتہ اہل قبلہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو قوانین اسلام، روز قیامت اور اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں:" فمن واظب طول عمره علی الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم ونفی الحشر او نفی علمه سبحانه وتعالیٰ بالجزئیات لا یکون من اهل القبله عند اهل السنه "؛ اگر کوئی ساری عمر عبادت کرے اور کسی ایک اصول دین کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اور اسے اہل قبلہ ہی شمار نہیں کیا جاسکتا۔۳۹

افسوس کی بات یہ ہے کہ آج اسلامی معاشرہ جس عجیب صورت حال سے دوچار ہے وہ بہر حال تکفیری افراط و تفریط کی دین ہے اس طرح سے کہ ان میں سے بعض لوگ، کسی مسلمان کو معمولی ترین ناشائستہ عمل پر دائرہ اسلام سے خارج کردیتے ہیں۔ اگر کسی مسلمان سے خلاف شرع کوئی عمل سرزد ہوجائے عملی طور پر یا گفتاری طور پر کہ جسے کفر پر حمل کیئے جانے کا احتمال بہت ضعیف ہو یا اس عمل یا قول کے حکم کے سلسلے میں مجتہدین میں اختلاف رائے ہو یعنی ان میں سے کچھ نے اس کو باعث کفر نہ جانا ہو تو اس صورت میں اس شخص پر کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا جب تک وہ خود اپنے مطمح نظر کو واضح نہ کرے۔

بنابریں، مسلمانوں پر کفر کا حکم لگانا بہت خطرناک عمل ہے جیسے کہ کافر کو مسلمان جاننا بھی کم خطرناک جرم نہیں ہے۔ اس رخ سے ان لوگوں کے ساتھ جو واضح طور پر اسلام کی مخالفت کرتے ہیں مضبوط موقف اور واجب کارروائی کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایسے لوگوں کے برخلاف لازمی اقدامات نہ کرنا اسلام کے لیے مضر ہے جیسے مسیلمہ کذاب اور وہ لوگ جو حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد مرتد ہوگئے خلیفہ اول نے ان کے ساتھ جہاد کیا۔ لہٰذا جب تک کسی مسلمان کے قول یا عمل کی تاویل پیش کرنے کی گنجائش ہو اور فقہاء اور مجتہدین کے مابین اختلاف رائے ہو اور وہ افراد قوانین اسلام کے منکر نہ ہوں، قطعاً مسلمان ہیں انہیں کافر نہیں کہا جاسکتا۔

ملا علی قاری: ، شرح فقہ اکبر میں امام ابو حنیفہ سے نقل کرتے ہیں: لانکفر احداً من اھل القبلہ؛ اس کے بعد فرماتے ہیں یہ اکثر فقہا کا نظریہ ہے۴۰۔ فخر الدین رازی نے کہا ہے: کفر اس علم کا انکار ہے جو پیغمبر اکرمؐ، اللہ کی جانب سے لائے تھے چنانچہ کوئی بھی اہل قبلہ کافر نہیں کہا جاسکتا۔۴۱۔ قاضی عضد الدین ایجی اس سلسلے میں فرماتے ہیں: اکثر علم کلام کے ماہرین اور فقہاء کا ماننا ہے کہ کسی بھی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔۴۲

ابن حزم اندلسی کہتے ہیں: کسی مسلمان کو کسی فتویٰ یا کسی موضوع پر کہی جانی والی بات پر کافر نہیں قرار دیا جاسکتا؛ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں اس سلسلے میں امام ابو حنیفہ، شافعی وغیرہ کی بھی رائے یہی ہے۔" وذھبت طائفۃ الی انہ لایکفر ولا یفسق مسلم بقول قالہ فی اعتقاد اوفتیا وان کل من اجتھد فی شئ من ذل فبان بما رأی انہ الحق فأنہ ماجور علی کل حال ان اصاب فاجران وان اخطا فاجر واحد، وھذا قول ابن ابی لیلی وابی حنیفہ والشافعی وسفیان الثوری وداود بن علی وھو قول کل من عرفنالہ قولا فی ھذہ المسئلہ من الصحابہؓ لانعلم منھم خلافا فی ذل اصلاً ۴۳۔ ایک گروہ کا ماننا ہے کہ کسی مسلمان کو کسی فتویٰ یا عقیدتی مسئلہ پر کافر یا فاسق نہیں قرار دیا جاسکتا ہر انسان اپنے علم اور اجتہاد کے سہارے اگر کسی نتیجہ پر پہونچتا ہے وہ اس کے لئے حجت ہوتا ہے یہی ابن ابی لیلیٰ، امام ابو حنیفہ، امام شافعی سفیان توری اور داؤد بن علی کا نظریہ ہے اور بہر حال یہ نظریہ صحابہ کرام کے طرز فکر سے مختلف نہیں ہے۔

ایک بزرگ سنی عالم دین نے الیواقیت والجواہر میں شیخ تقی الدین السبکی کے قول کو نظر میں رکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: اعلم یا اخی ان الاقدام علی تکفیر المومنین عسراً جدّا وکل من فی قلبہ ایمان یستعظم القول بتکفیر اھل الاھواء والبدع مع قولھم لاالہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، فان تکفیر امر ھائل عظیم ۴۴۔ امام غزالی بھی ایسے فلسفیوں کو جو دنیا کے قدیم ہونے کے قائل اور معاد جسمانی کے منکر ہیں مستحق تکفیر جانتے ہیں ۴۵، مگر وہ فرق کلامی کے بارے میں یوں فرماتے ہیں: اسلامی فرقوں کے لیے ان کے نقطہ ہائے نظر کے مطابق جب تک ممکن ہو انہیں تکفیر کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے، قبلہ رو نماز پڑھنے والوں اور کلمہ شہادتین پڑھنے والوں کا خون بہانا بہت بڑا جرم ہے، ہزار واجب القتل کافروں سے ترک قتال بہت آسان ہے ایک مسلمان کا خون بہانے کے مقابل پیغمبرؐ فرماتے ہیں: میں لوگوں سے اس وقت تک جہاد کرسکتا ہوں جب تک وہ کلمہ شہادتین زبان پر جاری نہ کرلیں۔۴۶۔

تکفیری اور خوارج کے انکار میں ظاہری، اعتقادی اور عملی مماثلتوں کا جائزہ

تکفیر خود تکفیریوں اور خوارج کے مابین اہم مشترکات میں سے ایک ہے۔ یہ دونوں گروہ پوری تاریخ میں مسلمانوں کے خون ومال کو مختلف بہانوں سے مباح جانتے رہے ہیں۔

البتہ تکفیری، خوارج سے اس سلسلے میں آگے نکل گئے ہیں کیونکہ خوارج گناہ کبیرہ کے مرتکب افراد کو کافر شمار کرتے ہیں مگر تکفیری ان مسلمانوں کو جو مناسک شرعی پر عمل پیرا ہیں اور ان کے سیاسی مفاد میں ان کے ہمراہ نہیں ہیں کافر اور ان کے خون اور مال کو جائز سمجھتے ہیں۔

طائرانہ نظر میں بھی خوارج اور تکفیریوں کے بیچ شباہتوں کو دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے، خوارج و مسلمانوں کو کافر شمار کرتے تھے او ران پر تلوار چلاتے تھے اور نہ صرف ان کے مردوں کو بلکہ ان کی عورتوں اور بچوں کو کبھی مار ڈالتے تھے، جن لوگوں کو وہ قتل کرتے تھے ان میں کفار کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔ انہوں نے اسلامی سرزمین کو دار الحرب کا نام دیا ہوا تھا اور وسیع پیانے پر مسلمانوں کو قتل کرتے تھے۔ تکفیری سارے مسلمانوں کو کافر اور خود کو مسلمان سمجھتے ہیں اور اسی تکفیر کو ہی قاتلانہ روش کا جواز سمجھتے تھے اور ہیں۔ یہ بھی مسلمانوں کی سرزمین کو دار الکفر سمجھتے ہیں خوارج اور تکفیریوں میں بس یہ فرق ہے کہ خوارج نے ہر چند کہ مسلمانوں کو قتل کیا مگر وہ بالعموم اس کے لیے تکفیریت کا سہارا نہیں لیتے تھے در حالیکہ تکفیری گروپ، امریکہ اور برطانیہ کی مدد سے مسلمانوں کا قتل بھی کر رہا ہے ان پر شرک وکفر کا الزام بھی لگاتے ہیں جبکہ انہیں دشمنان اسلام سے ہاتھ ملانے میں کوئی تامل نہیں ہے۔

خوارج، کلمات حق کا استعمال کرکے بالکل باطل اور غلط معنیٰ مراد لیتے تھے ان الحکم الا اللہ تکفیری بھی ظاہر آیات کے معانی سے استفادہ کرتے ہوئے باطل تفاسیر کے سہارے غلط راستوں پر چل پڑے ہیں۔ اسی طرح جیسے کہ ایمان و عمل کا تلازم خوارج کی فکری اساس ہے اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب ان کی نظر میں دین سے خارج کردینے کے لیے کافی ہے، تکفیریوں کے یہاں بھی وہ چیزیں جو علامت شرک نہیں ہوتیں شرک شمار کی جاتیں ہیں اور ان کا انجام دینے والا کافر ومشرک قرار پاتا ہے اور اس کا خون اور اس کا مال جائز سمجھا جاتا ہے،۔ اس صورت حال کے باوجود تکفیری لوگ، تلاوت قرآن کریم، نماز یومیہ، اور دیگر واجبات ودینی فرائض کی انجام دہی میں خاصی تندہی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ خود کو عام مسلمانوں سے سبقت یافتہ بھی مانتے ہیں تقریباً یہی صورت حال خوارج کے ساتھ بھی تھی۔ یہ لوگ بھی ظواہر دین پر سختی سے پابند تھے، ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان تھے، قرآن کی خوبصورت تلاوت کرتے تھے، بہت طولانی نمازیں پڑھتے تھے: "تم میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جس کے نمازی، تمہاری نمازوں کی، جس کے روزہ دار، تمہارے روزوں کی، جن کے اعمال، تمہارے اعمال کی توہین کریں گے،

قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کی حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ لوگ دین سے خارج لوگ ہیں بالکل جیسے تیر، کمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ " تکفیریوں اور خوارج میں محض ان کا وحشیانہ و بہیمانہ رویہ ہی ایک دوسرے سے مشابہ نہیں ہے بلکہ ان دونوں میں دیگر متعدد مشترکات بھی ہیں جن میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے:

۱۔ ارادوں میں شباہت

خوارج کا شعار تھا کہ وہ آیہ، قرآنی سے ماخوذ " لاحکم الا للہ" کو اپنے اہداف کے لئے استعمال کرتے تھے درحالیکہ اس بات کا ظاہر حق تھا مگر مراد باطل لیا۔

۲۔ تقدس مآبی میں شباہت

خوارج انتہائی متعصب اور دینی ظاہر داری کے بڑے پابند تھے اور عبادتوں میں اس قدر سنجیدگی اختیار کرتے تھے کہ پیشانیوں پر سیاہ نشان پڑ جاتے تھے وہ گناہوں سے دوری کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر عبادت میں خاصا اہتمام کرتے تھے۔ وہابی نقطہ نظر میں بھی خوارج کی طرح تعصب اور شدت پسندی کو ان کی دینداریوں میں خصوصی مقام حاصل ہے وہ بھی ظواہر آیات وروایات کی خصوصیت کی رعایت کرتے ہیں اور اس قدر محتاط مزاج ہیں کہ بہت سارے جدید آلات سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔

۳۔ فاسد وفرسودہ اعتقادات میں مشابہت

خوارج اپنے علاوہ سارے مسلمانوں کو کافر جانتے تھے اور اگر کسی سے گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے تو اسے دائرہ اسلام سے خارج گردانتے تھے تکفیری بھی ان تمام مسلمانوں کو جو ان کے ہمسو اور ہم فکر نہیں ہیں کافر جانتے ہیں اور ان کی جان ومال کو حلال سمجھتے ہیں۔

۴۔ ظواہر سے استدلال کرنے میں مشابہت

خوارج اپنے موقف کے استدلال میں ظاہر آیات و روایات سے استفادہ کرتے تھے اور ان کا بھی خیال یہی تھا کہ گناہ کبیرہ کفر کا مستلزم ہوتا ہے، تکفیری لوگ بھی اسی نظریہ کے حامل ہیں۔

۵۔ مسلم سربراہان مملکت سے جنگ کرنے میں شباہت

خوارج کی نظر میں اسلامی سلطنتوں سے جنگ جائز تھی کیونکہ انکا خیال تھا کہ یہ بادشاہ ہی گمراہی اور

ضلالت کے پیشرو ہیں اور انہی کے ذریعے شرک وبدعت کو بڑھاوا ملتا ہے۔

۶۔ جنگ پسندی میں مشابہت

خوارج بھی موت کی پرواہ کئے بغیر ہمیشہ جنگ وجدال میں ملوث رہے تھے چونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ بہشت جانے کا واحد راستہ یہی ہے؛ تکفیری لوگ بھی اسی کو شجاعت اسلامی کا مظہر جانتے ہیں اور ہمیشہ برسرپیکار رہتے ہیں ان کا بھی یہی ماننا ہے یہ راستہ انہیں بہشت لے جانے والا ہے۔

۷۔ فکری تعطل میں مشابہت

خوارج بے انتہا فکری تعطل اور خشک زہد کے قائل تھے، کسی ایسے مسلمان کی جان ومال کو جو وساطت (جو کہ اللہ کی طرف سے عطا کی گئی ایک ذمہ داری ہے) کا مطالبہ کرے، حلال جانتے تھے اور اس کو قتل کردیتے تھے۔

۸۔ دین سے خروج میں مشابہت

حضور اکرمؐ نے خوارج سے متعلق فرمایا: یہ لوگ اسی طرح دین سے خارج ہیں جیسے تیر کمان سے خارج ہوجاتا ہے : یخرج فیکم قوم تحقرون صلاتکم مع صلاتھم وصیامکم مع صیامھم وعملکم مع عملھم، یقرؤن القرآن لایجاوز حناجرھم، یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیة ۴۷۔" تم میں ایک ایسا گروہ بھی رونما ہوگا جو اپنے اعمال یعنی نمازوں سے تمہاری نمازوں کی، اپنے روزوں سے تمہارے روزوں کی تذلیل کرے گا وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کی حلق سے نیچے نہیں اترے گا یہ لوگ بالکل اس طرح دین سے خارج لوگ ہیں جیسے تیر کمان سے خارج ہوجاتا ہے۔" ۴۸

۹۔ قرآن کی آیات سے استفادہ میں مشابہت

جیسے خوارج، قرآن کی ان آیات کو جو مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں مسلمانوں سے نسبت دیتے تھے تکفیری لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

۱۰۔ تکفیری کے ظاہری شمایل میں مشابہت

تکفیری بھی ظاہری طور پر خوارج کی طرح ہیں خوارج اپنے بال منڈوایا کرتے تھے۔ مشہور کتاب نہایہ کے باب تسبید میں ایک حدیث درج ہے جو خوارج سے متعلق ہے جس کے معنی بالوں کو جڑ سے تراشنا ہے۔

اسلامی افکار اور تکفیری رجحانات میں سنت وبدعت کا مطالعاتی موازنہ

کسی بھی قسم کے جدید عمل کا بدعت ہونا شرعاً مستند ہونا چاہئے اور اس کی نسبت سے ہی اس پر حکم لگانا چاہئے اور کوئی چیز بغیر شرعی فارمولوں کو بروئے کار لائے بدعت قرار دیدی جائے تو یہ درست نہیں ہے کوئی بھی نیا عمل یا طریقہ جس کا تعلق قوانین اسلام سے نہ ہو اور قرآن وحدیث اس کی تائید نہ کرتے ہوں تو وہ بدعت ہے۔

غور طلب ہے کہ تکفیری گروہ، بدعت کو روکنے کی آڑ میں مسلمانوں کی جان ومال سے کھیل رہا ہے درحالیکہ یہ نقطہ نظر کسی بھی اسلامی فرقہ کے یہاں قابل قبول نہیں ہے۔

اسلام کے مکاتب فکر اور تکفیری انکار کے آئینہ میں عالم برزخ کا تقابلی جائزہ

ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے نہیں ہے کہ جس کے نفی واثبات کا دار ومدار کفر واسلام پر ہو بلکہ یہ ایک علمی و تحقیقی مسئلہ ہے بعض مانتے ہیں کہ مردہ، زندہ کی آواز سن سکتا ہے جبکہ کچھ یہ خیال کرتے ہیں کہ مردہ، زندہ کی آواز نہیں سن سکتا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مردہ زندہ کی آواز سن سکتا ہے ان کی دلیل "الغازی" میں درج امام بخاری کی ایک روایت ہے: ففی الصحیحین عن انس عن ابی طلحة قال لما کان یوم بدر وظهر علیهم نبی الله امر ببضعه وعشرین وفی روایت اربعه وعشرین رجل من صنادید قریش فالقوا فی طوی من اطواء بدر۔ فقال رسول الله قال یا اباجهل یا امیه یاشیبة۔ الیس قد وجدتم ماوعد ربکم حقا فانی وجدت ماوعد ربی حقا فقال عمر۔ رسول الله ماتکلم من اجساد لا ارواح فیها فقال والذی نفسی بیده ماانتم باسمع لما اقول منه وفی صحیحین عن ابن عمر قال: اطلع النبی علی اهل القلیب فقال وجدتم ما وعد ربکم حقا قیل له اتدعوا امواتا قال ماانتم باسمع منهم ولکن لایجیبون وفی روایت قال انهم الان یسمعون ما اقول :"۴۹

جو لوگ مردوں کے نہ سننے کے قائل ہیں ان کی دلیل حضرت عائشہ سے مروی ایک حدیث ہے: عن عروه عن عایشه انها قال (ما) قال رسول الله انهم لیسمعون الان ما اقول وقد وهم یعنی ابن عمر (انما) قال انهم لیعلمون الان ماکنت اقول لهم۔ انه حق۔ ثم قرات قوله تعالیٰ (انک لاتسمع الموتی وماانت بمسمع من فی القبور) ۵۰ حضرت عائشہ کے علاوہ علماء کا کی اکثریت، اسی بات کی قائل ہے کہ مردہ نہیں سن سکتا ہے جیسے قاضی ابو یعلی نے جامع اکبر میں تحریر فرمایا ہے: واحتجوا بما احتجت به عایشه وبانه یجوز ان یکون ذالک معجزه مختصه لنبیٔ صلی الله علیه وآله وسلم دون غیره وهو سماع الموته کلامه وفی صحیح البخاری قال قتاده، احیاهم الله تعالیٰ (یعنی اهل القلیب)

حتی اسمعهم قوله توبيخا وتصغيرا ونقمة وحسرة وندما ۵۱؎ وذهب طوائف من اهل العلم (وهم اكثرون) وهو اختيار الطبری وغيره وكذلك ذكره ابن قتيبه وغيره من العلما وهولاء يحتجون بحديث القليب كما سبق وليس هو بوهم ممن رواه فان ابن عمر وابا طلحه وغيرهما ممن شهد القصه حكياه عن النبی صلی الله عليه وآله وسلم وعايشه لم تشهد ذالك (قال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری ۵۲؎، قال السهيلی عايشه لم تحضر قول النبی صلی الله عليه وآله وسلم فغيرها ممن حضر احفظ للفظ النبی صلی الله عليه وآله وسلم ثم تعقبه ابن حجر فقال لكن لا يقدح ذلك فی روايتهما لانه مرسل صحابی وهو محمول علی انها سمعت ذلك ممن حضره او من النبی صلی الله عليه وآله وسلم بعد ولو كان ذلك قادحا فی روايتها لقدح فی روايت ابن عمر فانه لم يحضر ايضا۔ ولا مانع ان يكون النبی ﷺ قال اللفظين معا فانه لا تعارض بينهما۔ روايتهما عن النبی ﷺ انه قال انهم ليعلمون الان ان ما كنت اقول لهم حق۔ يويد روايت من روی انهم ليسمعون ولا ينافيه فان الميت اذا جاز ان يعلم جاز ان يسمع لان الموت ينافی العلم كما ينافی السمع والبصر فلو كان مانعا من البعض لكان مانعا من الجميع،

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاں بھی یہ گفتگو ہو کہ مردہ سنتا ہے یا نہیں جس کی بعض تائید کرتے ہیں اور بعض نفی کرتے ہیں بغیر کسی شک کے یہ کہنا چاہئے کہ اگر وہ چاہے، تو سنتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو نہیں سنتا ہے، مگر بہر حال وہ زندہ نہیں ہے اور اب فطری اور طبعی حالت میں نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ظاہر آیت قرآنی سے مردوں کے نہ سننے کی تائید ہوتی ہے مگر اس بات کے پیش نظر کہ سماع اموات سے متعلق احادیث صحیح اور معتبر ہیں اور موضوع عقیدتی نہیں ہے بعض علمانے آیات قرآنی اور احادیث صحیح کے درمیان مفاہیم کو تطبیق دینا چاہا ہے کہ نفی اسماع سے نفی سماع مراد نہیں لیا جا سکتا، ان تمام باتوں کے باوجود تکفیری لوگ آیات قرآن سے استثناء کرتے ہوئے عدم سماع کے ہی قائل ہیں۔ ناصر الدین البانی نے اس سلسلے میں ایک کتاب الآیات البینات فی عدم سماع الاموات تحریر کی ہے تاکہ اسلامی دانشوروں کی عمومی رائے کے مطابق مردوں کے عدم سماع کو مزید تائید و تقویت حاصل ہو سکے۔

حالانکہ برزخ کی زندگی سے متعلق ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ بہر حال مردے بھی سنتے ہیں درحالیکہ تکفیری لوگ بعض آیات سے استفادہ کرتے ہوئے اس کے منکر ہیں، آئندہ آنے والے اقتباسات میں ہم ان کے دلائل کا بھی جائزہ لیں گے۔

مردوں کے سننے سے متعلق آیات

تکفیری لوگ اپنے موقف کی تائید میں جن آیات کو پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

"انک لاتسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعا اذا ولوا مدبرین" ۵۳ تم مردوں کو اپنی آواز نہیں سنا سکتے اور انہیں ہدایت نہیں کر سکتے وہ بہرے ہیں تم اپنی آواز کو اور اپنی دعوت کو ان تک نہیں پہونچا سکتے بالخصوص جب کہ وہ تمہیں اپنی پشت دکھا رہے ہیں۔

یہی آیت بالکل ایسے ہی سورہ روم کی آیت ۵۲ میں تکرار ہوئی ہے اور تکفیریوں نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اسے اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا ہے در حالیکہ ان کا پہلا غلط فرضیہ اس آیت سے غلط مفہوم نکالنا ہے کیونکہ انہوں نے " موتی" سے اس کے ظاہری معنی مراد لیے ہیں یعنی وہ لوگ جن کی روح ان کے بدن سے خارج ہو چکی ہے حالانکہ یہ حقیقت سب پر واضح ہے کہ آیات قرآنی کے ظاہری معنی کو اس کے قرائن اور شواہد کو نظر میں رکھے بغیر مراد لینے سے انحراف و گمراہی کا پورا امکان ہوتا ہے اور اس کے نتائج بہت نامطلوب ہوتے ہیں اور یہ کسی بھی صورت میں قرآنی منطق اور اسلامی نظریات سے سازگار نہیں ہوتا۔ غور طلب ہے کہ مد نظر آیۂ شریف کے قرائن و شواہد بہت واضح انداز میں اصل مفہوم کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ اس موقع پر "موتی" سے مراد ہر گز اس کے ظاہری معنی نہیں ہے بلکہ وہ منکرین وحدانیت ہیں جن کے دل مر چکے ہیں اور ان کے کانوں اور آنکھوں پر مہر لگ گئی ہے لہٰذا پیغمبر سے ارشاد ہے کہ آپ کی باتیں ان پر بے اثر رہیں گی جیسا کہ بعد والی آیت اس مفہوم کیلئے مضبوط قرینہ ہے:

"وماانت بہادی العمی عن ضلالتھم ان تسمع الا من یؤمن بایاتنا فھم مسلمون" ۵۴ اے رسول یہ لوگ اندھے ہیں اور راستہ بھٹکے ہوئے ہیں اور تم اندھوں کو راستہ نہیں دکھا سکتے اور انہیں گمراہی سے نہیں بچا سکتے تم صرف انہیں اپنی بات سنا سکتے ہو اور ہدایت کر سکتے ہو جو ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو ہمارے آگے سراپا تسلیم ہیں۔

خداوند کریم نے اس آیت مذکور میں کفار کو نابیناؤں سے تشبیہ دی ہے۔ مختصر یہ کہ سورہ نمل کی آیت ۸۰ اور ۸۱ عوام کو چار گروہوں میں تقسیم کرتی ہے:

۱۔ وہ لوگ جو ظاہراً زندہ ہیں مگر ایسے مردہ ہیں کہ ان میں حقیقتوں کو درک کرنے کی صلاحیت نہیں: "فانک لاتسمع الموتیٰ" ۵۵

۲۔ ایسے بہرے لوگ جو حق بات سننے کے لیے آمادہ نہیں ہیں: " ولا تسمع الصم الدعا"۔

۳۔ ایسا گروہ جو حق کے چہرے کو دیکھنے سے محروم ہے: "وما انت بہادی العمی عن ضلالتھم"۵۶

۴۔ وہ مومن لوگ جو بصیرت، سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں رکھتے ہیں: "الا من یومن

بایاتنا فھم مسلمون"۔

ظاہر ہے کہ قرآن کریم اپنے مخاطبین کو متوجہ کرنے کے لیے انتہائی شائستہ تشبیہوں سے استفادہ کرتا ہے، ان آیات میں کفار، حق کو قبول نہ کرنے کی صورت میں مردوں سے مشابہ قرار دیئے گئے ہیں تاکہ انسانوں کو بہتر انداز میں بات سمجھائی جاسکے۔ واضح رہے کہ اس موقع پر سماع سے مراد محض سننا نہیں بلکہ سمجھنا بھی ہے کیونکہ مشرکین وکافرین ظاہراً سن بھی سکتے ہیں اور حضور اکرمؐ اپنی بات کو ان کے کانوں تک پہونچا بھی سکتے ہیں لہٰذا گفتگو سمجھنے سے متعلق ہے نہ کہ سننے سے چنانچہ اللہ نے اس آیت میں مزید واضح کردیا: " کفار چاہے ظاہراً کتنا ہی سنتے ہوں مگر آپ کی بات کو قبول نہیں کرتے"۔

ایک اور قرینہ جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سننے سے مراد سمجھنا اور قبول کرنا ہی ہے، آیت کا دوسرا جز ہے کہ سننے کو صرف مومنین سے مخصوص جانا گیا ہے۔ اس آیت میں اللہ اپنے حبیب سے ارشاد فرمارہا ہے: " تم مردوں تک اپنی آواز نہیں پہونچا سکتے" مگر آگے چل کے ارشاد ہوتا ہے "صرف مومنین تمہاری آواز کو سن سکتے ہیں" لہٰذا ان آیات میں نہ صرف یہ کہ سننے سے مراد سمجھنا ہے بلکہ "موتی" سے مراد کفار ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو رسول کی آواز نہیں سنتے اور جو لوگ رسول کی بات سننے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ مومن ہیں؛ اکثر مفسرین نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے جیسے قرطبی، طبری اور فخر رازی تاہم بعض افراد جیسے ناصر الدین البانی نے ایک شبہ کا اظہار کیا ہے کہ " گو کہ موتی سے مراد اس آیت میں کفار ہیں اور اس میں ان کے نہ سن پانے کو موتی (مردہ) سے تشبیہ دی گئی ہے مگر بہر حال مردے تو بدرجہ اولیٰ نہیں سنتے ہیں"۔ ابن قیم نے اس شبہ کا جواب دیا ہے: یہ آیت اس کافر کی طرف اشارہ کررہی ہے جس کا دل مرچکا ہے کیونکہ وہ حقائق کو درک کرنے کی اب صلاحیت نہیں رکھتا جس طرح کسی مردہ انسان کو کچھ دینا چاہیں تو وہ اس کے لئے بے سود ہے۔

چنانچہ کفار اور مردوں کے مابین وجہ مشترک یہی ہے جیسے پیغمبرؐ کی نصیحتوں کا مردوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ مرنے کے بعد ہدایت نہیں پاسکتے اور رسول اکرمؐ کی باتوں سے کسی بھی طرح بہرہ مند نہیں ہوسکتے اس لئے کہ وہ اس کا موقع کھوچکے ہیں کفار بھی اسی طرح ہیں یعنی چاہے جتنا حضور اکرمؐ انہیں وعظ ونصیحت کریں، حق کی دعوت دیں وہ قبول کرنے والے نہیں ہیں۔

اس شبہ میں البانی کی مشکل، ظاہر کی طرف بیش از حد جھکاؤ ہے انہوں نے سماع سے اس کے لغوی معنی مراد لیئے ہیں در حالیکہ شباہت کی وجہ سننا ہرگز نہیں ہے اس لیئے کہ اگر اس سے مراد اسی طرح سننا ہوتا جو لغوی معنی سے ظاہر ہوتا ہے تو بہر حال ظاہری طور پر کفار اور مردوں میں کوئی شباہت نہیں ہے کیونکہ کفار میں سننے کی صلاحیت ہوتی ہے چنانچہ وہ پیغمبرؐ کی آواز کو سنتے بھی تھے جبکہ مردوں کی قوت

سماعت جواب دے چکی ہوتی ہے اور ظاہری طور پر وہ کچھ سننے کے قابل نہیں ہوتے۔

اسلام دین امن صلح و دوستی اور محبت

دین اسلام کی اہم تعلیمات میں پر امن معاشرہ کو خصوصی مقام حاصل ہے، اسلام نے دنیا بھر میں امن و آشتی کو بحال رکھنے کے تعلق سے اس کی خصوصی تائید کی ہے یہی وہ دین ہے جس میں تعصب اور انتہا پسندی کو بہت ناپسند اور صلح و سلامتی کو ہمیشہ انسانوں کے لیے اہم اور آزادی بخش مانا گیا ہے۔

اگر رسول اکرمؐ کی سیرت اور ان کے اقوال کو تمام جہات پر نظر رکھتے ہوئے مطالعہ کیا جائے تو بآسانی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ دین اسلام، دین صلح و آشتی ہے اور کسی بھی رخ سے جنگ وجدال کو اس سے جوڑ کر نہیں دیکھا جاسکتا، حضور اکرمؐ کا مقصد بعثت ہی یہی تھا، بنیادی طور پر جس دین کی اساس ہی رحمت ہو جس کے پیغمبرؐ، یہی پیغام لے کے آئے ہوں: وماارسلناک الّا رحمۃ للعالمین ۵۷ ہم نے آپ کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، خود حضرت رسول خداؐ ارشاد فرماتے ہیں: وانابنی الرحمہ ۵۸ وانماانا رحمۃ مھداہ ۵۹ اصحاب پیغمبر نے ایک دفع بارگاہ رسالت مآب میں مشرکوں کی طرف سے کی جانے والی اہانت آمیز حرکتوں کے سلسلے میں کہا: یا رسول؛ اس قوم کے حق میں لعنت بھیجئے تاکہ ان کے شر سے نجات مل جائے۔ حضور نے ان کے جواب میں فرمایا: انی لم ابعث لعانا وانما بعثت رحمہ ۶۰ میں لعنت کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ چنانچہ آپ کی پوری سیرت عفو و بخشش کے نمونوں سے بھری ہوئی ہے۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت اور اس سلسلے میں وحشی کو معاف کر دینا آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کی واضح مثال ہے۔ محبت اور عدم تشدد ہی اسلام کی بنیادوں کو تشکیل دیتے ہیں۔ قرآن کریم اور رسول اکرمؐ نے اسی روش زندگی کی تاکید کی ہے اور تمام احکام اسلام اسی پر استوار ہیں۔ قرآن کریم نے عرب کے جاہلوں کو جنہیں جنگ و خون ریزی کی عادت پڑ چکی تھی اپنے پہلے ہی پیغام میں آشتی کی دعوت دی اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وان جنحوا للسلم فاجنح لہا وتوکل علی اللہ ۶۱ جب وہ صلح کی پیش کش کریں تو تم بھی ان سے صلح کرلو، یہی نہیں بلکہ دین اسلام تو میدان جنگ میں صلح و آشتی کا خواہاں نظر آتا ہے: "ولاتقولوالمن القی الیکم السلم لست مؤمنا" ۶۲ اگر کوئی تمہارے پاس مصالحت آمیز رویہ اختیار کرے تو تم اسے بے ایمان مت کہنا۔

مفسرین کی رو سے اگر کوئی مسلمانوں سے جنگ کرتے وقت صلح کی پیش کش کرے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کا مثبت جواب دیں اور جنگ روک دیں ۶۳ "سلام" اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے "ھو اللہ الّذی لا الہ الّا ھو الملک القدوس السلام" ۶۴ وہ وہی خدا ہے جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے وہی پاکیزہ اور سالم حاکم ہے۔ قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے ہی عالم انسانیت کو عالمی صلح کا مژدہ سنایا

تھا: "یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السّلم کآفۃ ولا تتّبعوا خطوات الشّیطان" ۶۵؎ اے ایمان والو سب داخل امن وآشتی ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی سے بچو، قرآن کریم نے مسلمانوں کے ساتھ امن ومصالحت کے چولی دامن کے ساتھ کو یوں بیان کیا ہے: "فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السّلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا"۔ ۶۶؎ جب وہ جنگ روک دیں اور آشتی کرنا چاہیں تو ان کے خلاف برسرپیکار ہونے کا پھر کوئی راستہ خدا کی طرف سے نہیں رہ جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے جو آیات صلح وآشتی پر دلالت کرتی ہیں، نسخ (منسوخ) نہیں ہوئی ہیں اور جنگ وجدال کو اس صورت میں روا رکھا گیا ہے جب صلح کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو۔ لفظ اسلام اور اس کے مشتقات کو قرآن کریم میں سو سے زائد مقام پر دیکھا جاسکتا ہے اور اس کے بالکل برعکس حرب یعنی جنگ سے متعلق مشتقات قرآن کریم میں صرف ۶ مقام پر نظر آتے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ، تاریخ اسلام کی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے صحیح معنی میں صلح پسندی کے لیے ڈپلومیسی کا رویہ بھی اختیار کیا اور مختلف وفود کو حکومتوں اور سربراہوں کے ساتھ پر امن معاشرتی رابطوں کے فروغ کے لیے بھیجے جن میں مصر، اور فارس کو ارسال کیے گئے خطوط خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

سلام، سلم کے مشتقات میں سے ہے۔ السلام علیکم۔ وعلیکم السلام۔۔ ایسے کلمات ہیں جو روزانہ کروڑوں مسلمانوں کی زبان پر جاری ہوتے ہیں، واضح رہے کہ اس کے اندر امن وآشتی اور صلح ودوستی کے بے پناہ مفاہیم چھپے ہوئے ہیں، اسی طرح مسلمان اپنی تمام نمازوں کو اسی لفظ کے ساتھ اختتام پذیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں" السلام علیکم ورحمۃ اللہ" جو محبت ورحمت اور صلح و دوستی کے گرانقدر پیغاموں سے مملوء نعرہ ہے۔ مورخین نے لکھا ہے رسول اکرمؐ ہجرت سے قبل جب تک مکہ میں تشریف رکھتے تھے انہوں نے کبھی جنگ نہیں فرمائی مگر جب مدینہ تشریف لے گئے اور مسلمانوں پر ظلم ہونا شروع ہوا تو آپ نے کفار ومشرکین کے مقابل اپنے دین کے دفاع میں حکم خدا سے جہاد کو واجب سمجھا اور مسلمانوں نے اسی کا اتباع کیا۔

قرآن کریم کی جنگ سے متعلق مشہور آیت، سورہ توبہ کی ۲۶ ویں آیت ہے: "وقاتلوا المشرکین کآفۃ کما یقاتلونکم کافۃ واعلموا ان اللہ مع المتّقین "مفسرین نے اس آیت کی اس طرح تفسیر فرمائی ہے:

۱۔ اس آیت کا مقصد، انسانی زندگی کے حق کا تحفظ ہے لہٰذا اگر دشمنان اسلام مسلمانوں سے یہ حق لینا چاہیں تو ضروری ہے کہ مسلمان اپنے حق کا دفاع کریں جو کہ ایک جائز حق ہے انہیں دشمنوں کے مقابل کھڑا ہو جانا چاہئے اور یہ سب جانتے ہیں کہ ایسا دفاع، انسان کے فطری قوانین سے بالکل سازگار ہے۔

۲۔ آیت مبارکہ میں آیا ہے: چونکہ وہ لوگ تم سب سے جنگ کرنا چاہتے ہیں تو تم بھی ان کے ساتھ جنگ کرو کیونکہ وہ مسلمانوں سے ٹکرا رہے ہیں اور مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ اس زیادتی کا جواب دیں۔ اگر غزوات پیغمبر کا مطالعہ کریں تو ہم پائیں گے کہ ان سب کی اصلی ماہیت دفاع ہے کوئی بھی اسلامی جنگ، اسلام کو کسی پر تھوپنے کے لیے کبھی نہیں ہوئی کیونکہ اسلام اسے قبول نہیں کرتا اسی لیے جتنے بھی غزوات رسول کے دور میں واقع ہوئے وہ در اصل جوابی کارروائی میں تھے کہ جن سے اسلام کا دفاع مقصود تھا۔

یہ مشرکین ہی تھے جنہوں نے دوستداران رسالت مآب کو غریب الدیار کر دیا تھا اگر کافروں نے رسول کے چاہنے والوں کو مکہ سے باہر نہ نکالا ہوتا اور مدینہ میں ان کے خلاف نبرد آزمانہ ہوتے تو کسی بھی قیمت پر جنگ نہیں ہوتی، یہی مشرکین مکہ تھے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف مدینہ پر حملہ کر دیا اور جنگ احد اور جنگ احزاب کے ذریعہ مرکز اسلامی کو تاراج کرنے کی کوشش کی در حالیکہ ہم اس زمانے میں بھی اسلامی حکومتوں کا، حبشہ کی حکومت سے صلح آمیز روابط کا سلسلہ بھی دیکھتے ہیں۔

گذشتہ دنوں سے اسلام دشمن طاقتوں نے نئے ڈھنگ اور نئی آواز کے بہانے دنیاوالوں کے ذہن کو شبہات میں مبتلا کرتے ہوئے جہاد کو مسلحانہ حملہ اور جنگ وجدال سے تعبیر کیا ہے یہاں تک کہ اب تو دنیا کی معتبر لغتوں میں بھی جہاد کے معنی براہ راست جنگ درج کیے جا رہے ہیں حالانکہ جہاد کی مختلف قسمیں ہیں ان میں سے ایک کا نام اسلحہ بدست ہو کر لڑنا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاد کا مقصد جو دین اسلام میں بیان کیا گیا ہے وہ امن قائم کرنا، حاکمیت کو یقینی بنانا اور اسلام و مسلمین کا دفاع کرنا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضور اکرمؐ کی ساری جنگیں دفاعی تھیں، اپنی جانب سے حملہ کی شروعات پر مشتمل نہیں تھیں۔ روایات میں ہے کہ جب آنحضرتؐ لشکری دستوں کو جنگ پر روانہ کرتے تھے تو تاکیداً فرمایا کرتے تھے: "ولا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً صغیراً ولا امرأة ولا تغلو واصلحو واحسنوا والله یحب المحسنین"۔ ۶۷ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، صلح کو در پیش رکھنا نیکی کرنا کیونکہ اللہ نیکی کرنے والے کو عزیز رکھتا ہے۔ یہ اسلام و پیغمبر اسلام کی عظمت ہے جن کی تعلیمات میں ہمیشہ صلح وآشتی کی تاکید ملتی ہے اور آپس میں بھائی چارہ کی دعوت دی جاتی ہے۔

تبلیغ دین کی تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان اس سے پہلے کہ مشرکوں کے ظلم وستم کو اکھاڑ پھینکیں خود استبداد وبربریت کا نشانہ نہ بنے ہیں، گھر سے بے گھر ہوئے ہیں، شہر بدر ہوئے اور حبشہ جیسی جگہوں پر جا کر پناہ گزیں ہوئے ہیں، مسلمانوں نے کبھی زبردستی کا مظاہرہ نہیں کیا، مگر کوئی غیر منطقی موقف پر اڑ گیا تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کا وہ حقدار تھا جب تک مسلمانوں سے خود کوئی نہیں الجھا انہوں نے

کسی کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کی حکومت کا برتاؤ اس کا ثبوت ہے۔ جزیرۂ عرب میں مسلمانوں اور عرب قبائل میں کوئی جنگ نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ انہوں نے حملہ ہونے کی صورت میں اپنا دفاع کیا، حملہ آوروں کو روکنے کوشش کی۔ اسلام نے جب جب شمشیر بکف ہونے کو لازم جانا وہ اضطراری حالات ہیں اور جس میں شمشیر بکف ہوا ہے حیات بخش ثابت ہوا ہے۔ اسلام میں حق زندگی، حق آزادی اور دعوت، عقائد سے مربوط ہے۔ اگر ہم دنیا کے موجودہ منظر نامہ کو دیکھیں اور تاریخ اسلام کو سمجھنا چاہیں تو ہم دیکھیں گے کہ شاذ و نادر مقامات کے علاوہ اسلام کی ترویج میں تلوار کا رول نہیں رہا ہے۔ ان جگہوں پر جہاں جنگ کم ہوئی ہے اسکا سبب مسلمان ہیں اس کے لیے انڈونیشیا، ہندوستان اور چین کا بطور مثال ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اس رخ سے اسلام کے بنیادی آئین نے مختلف اقوام کے مابین رابطوں کی استواری کو امن و دوستی پر منحصر جانا ہے اور جنگ محض اس صورت میں ہے جب شروعات دوسروں کی طرف سے ہو چکی ہو۔

امن کو برقرار رکھنے اور ادیان الٰہی کا دفاع کرنے کے لیے جہاد کو فرض قرار دیا گیا تھا: قرآن کریم اس سلسلے میں یوں گویا ہے۔ "ولولادفع الله النّاس بعضهم ببعض لّهدّمت صوامع وبيَع وصلواتٌ ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيراً ولينصرنّ الله من ينصره ان الله لقوى عزيز"۶۸ اگر اللہ نے بعض لوگوں کا بعض کے ہاتھوں دفاع نہیں کیا ہوتا تو راہبوں کی خانقاہیں، عیسائیوں کے گرجا گھر، یہودیوں کی عبادتگاہیں اور مسلمان کی مسجدیں کہ جہاں اللہ کا نام لیا جاتا ہے ویران ہو جاتیں؛ بیشک اللہ قادر مطلق ہے۔ جہاد کے کبھی یہ معنی نہیں رہے کہ جنگ کے ذریعے دوسروں سے زبردستی اسلام قبول کرایا جائے کیونکہ اس تصور کا اسلام کی اصل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ فکر قرآن کریم کی روح ہدایت کے ۶۹ بھی منافی ہے۔

پیغمبرؐ کی سیرت میں کہیں نہیں ملتا کہ کسی عیسائی کو اس لیئے اسلام قبول کرنا پڑا کیونکہ اسے قتل ہو جانے کا ڈر تھا بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا رسولؐ نے نجرانی عیسائیوں سے انتہائی محترمانہ برتاؤ کیا یہاں تک کہ انہیں اجازت دی کہ وہ مسلمانوں کی مسجدوں میں آکر اپنی عبادتیں انجام دیں۔ مورخین نے صدر اسلام کے بہترین دور میں، صلح حدیبیہ کے اوائل سے مخصوص وہ صلح لکھی ہے جو مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہوئی۔ ان دو سالوں میں کثیر تعداد میں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اس کی تعداد آغاز اسلام سے لیکر ۲۰ برس میں ہونے والے مسلمانوں سے بھی زیادہ ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ غیر مسلموں سے روابط کی بنیاد اسلام میں صلح و دوستی پر استوار ہے البتہ حملہ ہو جانے کی صورت میں سرزمین اسلامی کا دفاع مسلمانوں کا قانونی اور شرعی حق ہے یہی وہ حق ہے جو آج

بھی بین الاقوامی قانون کا بھی حصہ ہے۔ اقوام متحدہ کے منشور کے آرٹیکل اکیاون میں اسے صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر یہ دین اسلام کو ایک مکمل دین مانتے ہیں تو یہ فطری سی بات ہے کہ جہاں اس دین نے اخلاقی ضابطے طے کئے وہیں جنگ اور صلح کے آداب کو بھی معین کیا ہے اور ظاہر ہے انسانی زندگی میں جنگ و صلح ایک ناگزیر امر ہے۔

ہمارے قانونی نظام میں بھی اس سلسلے کے قوانین کا پایا جانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہم ہمیشہ انہی حالات سے دوچار رہیں گے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ چونکہ اسلام میں جہاد فرض ہے لہٰذا مسلمانوں کو ہمیشہ غیر مسلمین سے جنگ کرنی چاہئے! دوسری طرف سوال یہ ہے کہ کیا دیگر ادیان ہمیشہ صلح وآشتی سے ہی ہمکنار رہے ہیں اور انہوں نے کبھی جنگ نہیں کی ہے؟ کیا عیسائی تاریخ میں دوسروں کو عیسائی بنانے کے لیے جنگوں کی مثال نہیں ملتی؟ کیا عیسائیوں کے ذریعے کی گئی جنگوں کو حضرت عیسیٰؑ سے منسوب کیا جاسکتا ہے جن کے دین وشریعت کو دین صلح سے یاد کیا جاتا ہے؟!

وہ لوگ جو اسلام کو اسلحوں کا دین قرار دیتے ہیں اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس دین نے اپنے تابعین پر جہاد فرض قرار دیا ہے اور وہ جہاد کو اسلحوں کی جنگ سے ماوراء سمجھتے ہیں تب تو وہ کسی حد تک درست کہتے ہیں البتہ اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام اسلحوں کے زور پر پھیلا ہے تو وہ شدید غلط فہمی کے شکار ہیں کیونکہ دین اسلام دین عقل ومنطق ہے، صلح ورحم دلی، عفو وبخشش ہے، دین اسلام اپنی عقلانیت کی بناپر عالمی ہوتا گیا ہے اس نے ہمیشہ منطقی استدلال کی بنیاد اپنی طرف دعوت دی ہے جیسے " ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالّتی هی احسن" ۷۰۔

اسلام قلبی یقین واعتقاد کا دین ہے جسے مکمل ارادہ اور اختیار کیساتھ قبول کیا جاتا رہا ہے نہ تلوار اور اسلحہ کے بل پر، اسلام کی دعوت زبان پر منحصر نہیں ہے بلکہ عمل سے یہ پیغام دیا جاتا ہے چونکہ یہ دین دین صلح وآشتی، رحمت ومرحمت ہے، ہاں مسلمانوں کے پاس اسلحہ ہے تو اپنے جائز دفاع کے لیئے، دفاع اور دین کی اشاعت کی بنیاد، دعوت پر ہے حملوں اور قتل وغارت پر نہیں۔

نتیجہ

اگرچہ امت اسلامیہ میں ایسے لوگ ہیں جو تکفیری رجحانات کے نتیجہ میں سارے مسلمانوں کو کافر ثابت کرنے پر تلے ہیں مگر اسے اسلامی تعلیمات پر حمل نہیں کیا جانا چاہئے کیونکہ یہ قانون، انسانی اور غیر الٰہی ضابطوں سے مبرّا ہے، ان غیر انسانی حرکتوں کو چند نام نہاد مسلمان، غیر عقلی اور بے دین افکار کے حامل افراد پر حمل کیا جانا چاہیئے۔ اس سلسلے میں علمائے اسلام کو آگے آنا چاہیئے اور تکفیریت کا مقابلہ کرنا

چاہئے اور ان کو بے نقاب کرنا چاہئے، ان کے فکری اصولوں سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہئے اور اتحاد کا نعرہ بلند کرتے ہوئے افراط و تفریط کے خلاف سنجیدہ اقدام کرنا چاہئے۔

حوالے جات:

۱۔ لسان العرب، مادہ (وحد) والقاموس المحیط، ج ۱، ص ۳۴۳

۲۔ سورۂ اعراف، آیت ۵۴

۳۔ سورۂ فاتحہ، آیت ۱

۴۔ سورۂ یونس، آیت ۳۱

۵۔ سورۂ لقمان آیت، ۲۵ و نیز سورۂ مؤمنون آیات ۸۴۔۸۹

۶۔ سورۂ محمد، آیت ۱۹

۷۔ سورۂ انعام، آیات ۱۶۲ و ۱۶۳

۸۔ سورۂ فاتحہ، آیت ۴

۹۔ سورۂ بینہ، آیت ۵

۱۰۔ سورۂ الذاریات، آیت ۵۶

۱۱۔ سورۂ اعراف، آیات ۵۹، ۶۵، ۷۳، و ۸۵؛ سورہ ہود، آیات ۵۰ و ۶۰ و ۸۴؛ مؤمنون، آیات ۲۳ و ۳۲۔

۱۲۔ سورۂ شوریٰ، آیت ۱۱

۱۳۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۸۰

۱۴۔ سورۂ اخلاص، آیت ۴

۱۵۔ سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۱۰

۱۶۔ سورۂ مریم آیت ۶۵ اور رجوع کریں: شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص ۷۶؛ و تسہیل العقیدۃ الاسلامیہ، ص ۳۷

۱۷۔ شرح الحدیقۃ العقیدہ، ص ۸۸

۱۸۔ مجموع المفتاوی، ج ۳، ص ۹۸

۱۹۔ سورۂ زخرف، آیت ۹

۲۰۔ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۱۷۰ و ۱۷۱ (تھوڑی تبدیلی کے ساتھ)

۲۱۔ سورۂ سباء، آیت ۲۲

۲۲۔ سورۂ نحل، آیت ۳۶

۲۳۔ سورۂ یٰس، آیت ۶۰
۲۴۔ سورۂ شعراء، آیت ۲۲
۲۵۔ سورۂ نساء، آیت ۶۰
۲۶۔ فتح الباری، ج ۱۳، ص ۱۰۵
۲۷۔ سنن ابو داود
۲۸۔ سنن ترمذی
۲۹۔ سورۂ فرقان، آیت ۴۳
۳۰۔ سورۂ نحل، آیت ۱۴
۳۱۔ ایضاً، آیت ۱۰۶
۳۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۸
۳۳۔ سورۂ نساء آیت ۹۴
۳۴۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۳
۳۵۔ صحیح بخاری، ج ۳، ص ۱۶۲
۳۶۔ سنن نسائی، ج ۷، ص ۷۵
۳۷۔ شرح مقاصد، ص ۵۲
۳۸۔ عقیدۂ الطحاویہ، ص ۲۰
۳۹۔ شرح فقہ اکبر، ص ۱۸۸
۴۰۔ شرح فقہ اکبر، ص ۱۸۹
۴۱۔ تلخیص المحصل، ص ۴۰۵
۴۲۔ شرح المواقف، ج ۷، ص ۳۳۹
۴۳۔ ابن حزم، ص ۲۷۴
۴۴۔ ماخوذ از الفصول المہمۃ، ص ۳۴
۴۵۔ غزالی، ص ۲۶۸
۴۶۔ ایضاً، ص ۲۶۹ و ۲۷۰
۴۷۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن
۴۸۔ ایضاً

۴۹۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز
۵۰۔ سورۂ فاطر، آیت ۲۲
۵۱۔ صحیح بخاری، حدیث شمارہ ۳۹۷۶
۵۲۔ ایضاً، ج ۳، ص ۲۳۴
۵۳۔ سورۂ نمل، آیت ۸۰
۵۴۔ ایضاً، آیت ۸۱
۵۵۔ سورۂ روم، آیت ۵۱
۵۶۔ ایضاً، آیت ۵۲
۵۷۔ سورۂ انبیاء، آیت ۱۰۷
۵۸۔ سنن ترمذی، ص ۱۰۶
۵۹۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۳، ص ۲۲۱
۶۰۔ ایضاً، ج ۳، ص ۲۱۱
۶۱۔ سورۂ انفال، آیت ۶۱
۶۲۔ سورۂ نساء، آیت ۶۳
۶۳۔ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ج ۵، ص ۱۴۰ و ۳۳۶
۶۴۔ سورۂ حشر، آیت ۲۳
۶۵۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۰۸
۶۶۔ سورۂ نساء، آیت ۹۰
۶۷۔ الشامی، ج ۷، ص ۶ یا ج ۶، ص ۷
۶۸۔ سورۂ حج، آیت ۴۰
۶۹۔ "لا اکراہ فی الدین"
۷۰۔ سورۂ نحل، آیت ۱۲۵

حرمت تکفیر
قرآن وسنت کی نظر میں

تالیف: عبد الطیف عرب تیموری*
ترجمہ: عباس اصغر شبریز

خلاصہ

اسلام کے پھیلنے اور عوام الناس کے جوق در جوق اس آسمانی مذہب کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے کفر واسکتباری طاقتوں کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عالم کفر نے بھرپور کوشش کی کہ اپنی تمام تر قوت کو یکجا کرکے اسلام کے مقابلے میں صف آرا ہو جائے اور اسکے لئے اس نے کسی بھی قسم کے حربے اور فتنے کے استعمال سے دریغ نہیں کیا، حال حاضر میں مسلمانوں کے درمیان تکفیریت کے بیج بو کر اسلام اور مسلمانوں کے چہرے کو مخدوش کرنے میں کوشاں ہے، اس مضمون میں کوشش کی گئی ہے کہ اہلسنت اور شیعہ فرقے کے تفسیری، روائی و تاریخی منابع کو بنیاد بناتے ہوئے قرآن وسنت میں اہل قبلہ کی حرمت تکفیر پر ایک نظر ڈالی جائے تاکہ استعماری طاقتوں کی سازشوں کو بے نقاب کیا جاسکے اور موجودہ اسلامی دنیا پر تکفیریت سے پڑنے والے منفی اثرات اور بیداری امت مسلمہ کی بیداری کا جائزہ بھی لیا جاسکے۔

تکفیر، قرآن وسنت، اہل قبلہ، صحابہ

مستعمل بنیادی اصطلاحیں:

مقدمہ

آج مسلم معاشرہ اور مسلم ممالک جہاں چوطرفہ اندرونی مشکلات اور مسائل کا شکار ہیں، وہیں دوسری طرف عالمی استعماری طاقتوں اور خونخوار صیہونزم نے اسلامی دنیا پر اپنے حملوں کو تیز تر کر رکھا ہے۔ اس درمیان افسوس ناک صورتحال یہ ہے کہ بعض افراد اور کچھ سیاسی و دینی دھڑوں کی پیدائش، ان کے غلط افکار اور اور دین کی غلط تفسیر نے بھی امت مسلمہ کی مشکلوں کو کئی گنا بڑھا دیا ہے۔ جو استعداد اور

* حوزہ علمیہ اہل سنت، تربت جام، ایران کے استاد

صلاحیتیں اسلام کی حقانیت اور اس پر امن دین اور نجات دینے والے مذہب کی دنیا بھر میں تبلیغ پر صرف ہونی چاہئے تھیں وہ آپسی جنگوں اور سازشوں میں برباد ہو رہی ہیں۔ تکفیریت اور تکفیری رجحان عصر حاضر کے مسائل میں سے ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جس کا سراغ یوں تو صدر اسلام کے خوارج اور پھر معتزلہ اور اس کے بعد وہابیت کے بوسیدہ ایوانوں میں ملتا ہے لیکن آج دشمنان اسلام کی سازشوں کے ذریعے اس میں ایک بار پھر نئی روح پھونکی گئی ہے جس نے اسلامی معاشروں کو کافی حد تک اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی سماج اور نوجوان نسل کے سامنے تاریخ، قرآن اور حدیث کو بنیاد بناتے ہوئے مسئلہ تکفیریت پر ایک عمیق جائزہ پیش کیا جائے۔اس مضمون میں قرآن و حدیث جو کہ اسلام کے دو گرانبہا ستون ہیں اور جن پر ہر حکم کی بنیاد رکھی جانی چاہئے،ان میں تکفیر کا درجہ طے کرنے اور در حقیقت تکفیر کی تردید اور عدم قبولیت پر عملی اور تحقیق گفتگو پیش کی گئی ہے۔ نیز اس مختصر مضمون میں قرآن کریم اور پیغمبرؐ کی صحیح حدیثوں (کتاب و سنت) میں موجود اہل قبلہ و منادیان توحید کی حرمت اور انکے خون اور جان ومال کی حفاظت کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ مضمون چونکہ مختصر ہے لہٰذا کوشش یہ کی گئی ہے کہ براہ راست بنیادی منابع مثلاً قرآن کریم،اس کے تراجم ،اسکی قدیم و جدید تفاسیر اور حدیث کی اصلی و بنیادی کتابوں (صحاح ستہ) اور مستند و معتبر تاریخی کتابوں سے استفادہ کیا جائے۔اس مضمون میں اہلسنت کے تفسیری و حدیثی منابع کے ساتھ ساتھ مشترک موارد میں اس موضوع سے متعلق مختصر طور پر شیعی معتبر تفاسیر و منابع کا حوالہ بھی پیش کرتے ہوئے اہل قبلہ کے سلسلے میں قرآن اور مستند احادیث نبوی رسول اکرمؐ، خلفائے راشدین، صحابۂ کرام ،ائمہ ہدیٰؑ اور علمائے دین کی عملی زندگی اور طرز عمل کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ مضمون کی کیفیت کو دوبالا کرنے کیلئے کوشش کی گئی ہے کہ پہلے سے موجود مواد، ویب سائٹس یا ثانوی تحقیقات اور علمی تحقیق سے استفادہ نہ کیا جائے یعنی براہ راست چشمۂ زلال قرآن کریم اور احادیث نبوی سے فیضیابی حاصل کی جائے۔اس سلسلے میں شیخ جام کے نظریات اور تالیفات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے کیونکہ حوزۂ علمیہ شہر جام ،ایران اور خود شہر جام آپ کی ذات والا صفات سے ہی منسوب ہے۔

تکفیر کیا ہے؟

تکفیر عربی لفظ ہے جسکا مادہ "کَفَرَ" ہے۔اسکو باب تفعیل سے لیا گیا ہے اور متعدی کی صورت میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا آیا ہے مثلاً کسی شئ کو چھپانا یا زرہ کو لباس سے ڈھکنا یا اسے چھپانا بلکہ موجودہ مفہوم سے بالکل جدا اور مکمل طور پر ایک دوسرے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کسی کے

گناہ کو بخش دینا، خداوند عالم کے ذریعہ گناہوں کی بخشش، گناہ کو مٹا دینا، انکساری کرنا، کسی کے سامنے سینے پر ہاتھ رکھنا، قسم کا کفارہ دینا وغیرہ۔ اس کے علاوہ اپنے اسمی مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً کسی بادشاہ کے تاج کا نام رکھنا یا ایسے تاج کو سر پر رکھنا جس کو دیکھ کر انسان خاضع ہو جائے۔[۱] اگرچہ ابتدا میں اور زیادہ تر تاریخی استعمالات میں اس لفظ کو "کافر" کے معنی میں بیان نہیں کیا گیا ہے لیکن اس مفہوم میں اسکا اس حد تک استعمال ہوا ہے کہ اب اسکے یہی معنی عام ہو گئے ہیں۔ اب اس لفظ کا استعمال خصوصاً اسی رائج معنی اور اصطلاح میں ہوتا ہے۔ فرہنگ دہخدا کے مطابق اس کے معانی "بے دینی کی طرف نسبت دینا" "کسی کو کفر کی طرف منسوب کرنا" "کسی کو کافر کہنا" ہیں۔[۲] اس سلسلے میں دہخدا نے ایک عارفانہ شعر بھی مثال کے طور پر پیش کی ہے:

دانی کہ چنگ و عود چہ تقریر می کنند
پنہان خورید بادہ کہ تکفیر می کنند

دور حاضر میں میڈیا کی زبان میں یہ لفظ "کسی کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

احباط و تکفیر

قرآن شریف میں یوں تو لفظ تکفیر اس تلفظ کے ساتھ نہیں آیا ہے لیکن اس کی دیگر ترکیبیں مثلاً "کفروا، کافرون" وغیرہ کا ذکر ہوا ہے۔ قرآن کے مورد نظر جو معنی ہیں وہ "حبط" ہے جسکی جمع "احباط" ہے۔ یہاں تک کہ بعض اسلامی متون میں لفظ "حبط" تکفیر کی جگہ استعمال ہوا ہے اور وہ اس معنی میں کہ احباط علم کلام کی ایک اصطلاح ہے جس میں گناہ، اطاعت اور ثواب کی نابودی کا موجب بن جاتا ہے۔ معتزلہ متکلمین نے اس کو خصوصیت سے توجہ کا باعث قرار دیا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے خداوند عالم کی اطاعت کی ہے تو آخرت میں وہ اس کی پاداش میں ثواب کا مستحق ہوگا لیکن اگر اس نے کوئی گناہ انجام دیا ہے تو اس کا عذاب اس کی اطاعت کے ثواب سے زیادہ ہوگا۔ اس کے گناہ اس کی اطاعت اور اس کے ثواب کو اس طرح محو کر دیتے ہیں گویا اس نے اطاعت ہی نہیں کی لیکن اگر کسی فرد کا ثواب اس کے گناہوں سے زیادہ ہو تو موضوع تکفیر پیش آتا ہے اور اس کا ثواب اس کے گناہوں کو محو کر دیتا ہے اور چھپا

۱۔ فرہنگ دہخدا، ج ۵، ص ۶۹۱
۲۔ ایضاً

لیتا ہے۔[۱] واضح رہے کہ یہ مفہوم تکفیر کے پہلے والے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ موجودہ اصطلاحی معنی میں ۔ یہ بحث مطلق طور پر کلامی ہے جو ہمارے مضمون کے دائرے سے خارج ہے۔اپنے مناسب مقام پر اس سلسلے میں معتزلہ،اشاعرہ اور امامیہ متکلمین و علماء نے مفصل بحث کی ہے۔زیادہ تر امامیہ (شیعی) متکلمین اس قسم کے احباط کو قبول نہیں کرتے ہیں۔

قرآن نے مومنین (اہل قبلہ) کی تکفیر نہیں کی

اگر حبط اور اعمال کی نابودی یعنی تکفیر سے متعلق قرآنی آیات پر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ موارد بعض خصوصی اعمال کو شامل ہیں جن کا تذکرہ قرآنی آیات میں ہوا ہے جن میں عموماً مومنین سے خطاب کیا گیا ہے کہ پہلے ایمان رکھتے تھے لیکن کچھ خاص اعمال کی بناپر خدا کی طرف سے اپنی تکفیر اور اپنے اعمال کے حبط ہونے کا موجب بن گئے ہیں مثلاً وہ افراد جنہوں نے انبیاء کو قتل کیا ہے (آل عمران، ۲۱۔۲۲) یا وہ لوگ جو خدا کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں (اعراف،۱۴۱و کہف،۱۰۵) یا وہ جو راہ خدا کو مسدود کرتے ہیں (محمد،۳۲) یا خدا کو غضبناک کرتے ہیں (حجر،۲۸) یا خدا کے لئے شریک قرار دینے والے ہیں (انعام،۸۸،توبہ،۱۷ و زمر،۶۵) یا جو پیغمبرؐ کی موجودگی میں اپنی صدائیں بلند کرنے والے ہیں (حجرات،۲) یا دوسرے موارد۔اس قسم کی تمام آیتوں میں ایک طرف خداوند عالم ہےاور دوسری جانب وہ مومنین ہیں جو اس قسم کے اعمال انجام دیتے ہیں۔ان موارد میں صرف اور صرف خداوند متعال معاملے کی تشخیص دیتا ہے، پھر ایک اصول پیش کرتا ہے،اپنے بندے کی تکفیر کرتا ہےاور اس کے اعمال کو حبط کرتا ہے،نہ کہ کوئی اور ذات۔

یہاں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان آیتوں کی نص کی بنیاد پر مومن کی تکفیر اور اس کے اعمال کا حبط کیا جانا صرف خداوند عالم سے مخصوص ہے اور کسی دوسری ذات کو مومن کی تکفیر کرنے کا قطعاً حق نہیں ہے کہ نعوذ باللہ خدائی امور میں دخل اندازی کرے۔طول تاریخ میں اگر اسلام کی مدافعت میں کبھی کسی حقوقی یا شرعی حکم سے متعلق کوئی مورد پیش آتا تھا تو مسلم قضات اور فقہاء،ملزم افراد پر حد جاری کرنے کیلئے دوسری شرعی و عرفی اصطلاحوں سے استفادہ کرتے تھے مثلاً انہیں مرتد یا باغی یا اہل سب وغیرہ کا عنوان دیتے ہوئے حکم صادر کرتے تھے،نہ کہ ان کے عقائد کی بنیاد پر اپنا فیصلہ سناتے ہوں کیونکہ قاضی یا فقیہ کی ذمہ داری کسی بھی فرد کے عقیدے کے سلسلے میں جستجو کرنا نہیں تھی۔اس زمانے میں شاذ و نادر ہی کسی کی تکفیر کی جاتی تھی کیونکہ وہ حضرات قرآن اور سنت نبی کی صریح نص کی بنیاد پر ایسے کسی مسلمان

۱۔ دائرۃ المعارف،بزرگ اسلامی،ج ۶،ص ۶۳۹

کی تکفیر نہیں کر سکتے تھے اور اس کے واجب القتل ہونے کا حکم جاری نہیں کر سکتے تھے جس نے کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کر لیا ہو، خواہ ایسا کسی خوف یا نفاق کی وجہ سے ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔اس سلسلے میں آئندہ صفحات میں قرآنی و حدیثی موارد پیش کئے جائیں گے۔ تعجب ہے کہ آج کے تکفیری گروہوں کو کیا ہو گیا ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم اور تکفیری فکر کی مخالفت کرنے جیسے کسی بھی سادہ سے عمل پر دوسروں کے اعمال کے حبط ہونے کا فتویٰ اور انکی تکفیر و واجب القتل ہونے کا حکم جاری کر دیتے ہیں؟آخر یہ دھڑے ایک ایسے فعل کو اتنی آسانی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں کیسے لے لیتے ہیں جو صرف اور صرف خدا سے مخصوص ہے اور وہی اس کی تشخیص دے سکتا ہے۔

اہل قبلہ کی تکفیر کی ردّ میں ایک دوسری قرآنی دلیل

"یا ایہا الذین آمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومناً تبتغون عرض الحیاۃ الدنیا۔۔۔۔"

اے ایمان والو! جب تم راہ خدا میں جہاد کیلئے سفر کرو تو پہلے تحقیق کر لو اور خبردار جو اسلام کی پیشکش کرے اس سے یہ نہ کہنا کہ تم مومن نہیں ہو کہ اس طرح تم زندگانی دنیا کا چند روزہ سرمایہ چاہتے ہو۔[۱]

قرآنی کریم نے اس آیت کریمہ میں کس قدر خوبصورتی کے ساتھ واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ مومنین اور اہل قبلہ کو زود گزر دنیاوی سرمائے کی خاطر قتل نہ کر دینا۔ گویا یہ آیت ابھی ابھی ہمارے ہی زمانے میں نازل ہوئی ہے۔یہ بذات خود اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن کریم اپنے اندر ہر زمانے اور تمام حالات کو سمیٹے ہوئے ہے کیونکہ ہم خود مشاہدہ کر رہے ہیں کہ آج تکفیری گروہ کس طرح قتل و غارت گری، ثروت کی جمع آوری اور حصول قدرت میں مشغول ہیں۔اس آیت کی حقیقت اس وقت اور نکھر کر سامنے آتی ہے جب ہم خود سنتے ہیں کہ انہیں حالیہ ایام میں مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کر کے ان سے چھینے گئے شہروں کے بینکوں سے اربوں ڈالر ہتھیا لئے جاتے ہیں۔

اس آیت اور تمام شیعہ سنی تفاسیر جن میں اس آیت کی شان نزول میں رسول اکرمؐ اور آپ کے ایک اہم صحابی اسامہ بن زید والا مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے، اسی بنیاد پر تمام قدیم و جدید مفسرین نے یہی مذکورہ نظریہ اخذ کیا ہے اور فقط ظاہری اسلام اور توحید کو ہی کسی مسلمان کی جان و مال کی حفاظت کیلئے کافی مانا ہے۔اس آیت کی شان نزول کو بہتر طور پر سمجھنے اور اپنے مدعا کے اثبات کیلئے مختصراً یہاں پر اس واقعے کو

۱۔ آیت اللہ مکارم شیرازی، قرآن کریم و شرح آیات منتخب، ص ۹۳ و قرآن کریم ترجمہ علامہ ذیشان جوادی اور تفسیر نمونہ، ج ۴، ص ۷۴

تفسیر سورآبادی سے نقل کیا جارہا ہے جو کہ فارسی اور اہل سنت کی قدیم ترین تفسیر ہے (تفسیر طبری اور اسفراینی کے بعد فارسی کی تیسری تفسیر) اور جس کو پانچویں صدی ہجری میں تحریر کیا گیا ہے:

"یہ آیت اسامہ بن زید اور ان کے ذریعے قتل کئے گئے "مرداس بن نہیک" کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔ واقعہ یوں تھا کہ پیغمبرؐ نے حربی کافروں کے ایک قبیلے سے جنگ کرنے کیلئے اسامہ کو ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ خبر سن کر قبیلے والوں نے اپنے اموال اور جانوروں کو چھپا دیا تھا۔ کچھ لوگ غاروں میں چھپ گئے تھے۔ رات کا وقت تھا کہ مرداس بن نہیک نامی ایک شخص نے اپنی بھیڑوں کو ایک غار میں چھپایا اور خود اس غار کے دہانے پر کھڑا ہوگیا۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ہتھیار تھا۔ اس نے ایک مسلمان کو دیکھا کہ وہ اس کے ایک قبیلے والے کے ساتھ قریب ہی میں جنگ کر رہا ہے، وہ خوف زدہ ہوگیا۔ فوراً کہا لا الہ الا اللہ۔ اسامہ نے اس پر حملہ کرکے قتل کر دیا اور اس کا لباس اٹھالیا۔ تبھی اسامہ کو خیال پیدا ہوا کہ ارے وہ تو کلمۂ شہادتین پڑھ رہا تھا اور میں نے اس کو قتل کر دیا۔ اس فعل سے وہ بہت غمگین ہوئے۔ پلٹے تو رسول کو سارا واقعہ بتایا۔ رسولؐ ان پر بہت غضبناک ہوئے اور فرمایا: کیف انت بقائل لا الہ الا اللہ؟ ایک لا الہ الا اللہ کہنے والا تم پر کیسے غضبناک ہوسکتا ہے؟ اسامہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! وہ دل سے کلمہ نہیں پڑھ رہا تھا بلکہ وہ صرف خوف کی بنا پر کہہ رہا تھا۔ پیغمبرؐ نے کہا: ھل شققت عن قلبہ؟ کیا تم نے اسکا دل چیر کر دیکھا تھا؟ جب رسولؐ نے فرمایا کہ تم نے اسکو قتل کیوں کیا، اس موقع پر خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی۔ اسامہ کہتے ہیں کہ رسولؐ مجھ پر اسقدر غضبناک ہوئے کہ میں سوچنے لگا کہ کاش! میں اس دن مسلمان ہی نہ ہوتا اور اس کے بعد مسلمان ہوتا تاکہ یہ آیت میرے سلسلے میں نازل نہ ہوتی۔"[۱]

فاضل مفسر نے اتمام واقعہ پر اپنی فہیمانہ نظر بھی پیش کی ہے: اس آیت سے یہ حجت اور دلیل اخذ کی جاسکتی ہے کہ کسی بھی کلمۂ شہادتین پڑھنے والے کو غیر مومن نہیں کہا جاسکتا، خواہ وہ گنہگار ہو یا کسی خوف و احتیاط کی وجہ سے ایسا کر رہا ہو اور یہ خداوند عالم کا حکم ہے کہ جو بھی اس کی مخالفت کریگا وہ خدا کی بارگاہ میں معصیت کار ہوگا۔[۲]

دوسرے قدیم و جدید، شیعہ و سنی مفسرین بھی اسی نظریے پر اتفاق کرتے ہیں۔ جیسا کہ سید قطب نے تفسیر فی ظلال القرآن میں اس قبیل کی آیتوں پر تاکید کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

۱۔ تفسیر سورآبادی، ج۱، ص ۹۴

۲۔ ایضاً

"قرآن کے اس طرح کے اصول دلوں کو جلا بخشتے ہیں، قلوب زندہ ہوتے ہیں، پرہیزگاری اور تقویٰ اپناتے ہیں اور خدا کی نعمتوں کو یاد کرتے ہیں۔ قرآن چودہ صدیوں سے اس قدر وضاحت کے ساتھ جامع و مانع انداز میں، نیز بین الاقوامی معاملات کے تمام جوانب کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ درس پیش کرتا آرہا ہے۔ قرآن اسی تقویٰ اور حساسیت کو مد نظر رکھتے ہوئے احکام اور قوانین صادر کرتا ہے۔"[۱]

تفسیر نمونہ میں مرجع عالی قدر آیت اللہ مکارم شیرازی نے بھی اسی مضمون کی تائید فرمائی ہے اور اس واقعہ کو فدک سے نزدیک ایک گاؤں سے مربوط بیان کیا ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ کیا اسلام کسی کے ظاہری اسلام کو قبول کرکے اسلامی معاشرے میں نفاق و منافق کی پرورش نہیں کررہا ہے جس سے غلط فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ آیت اللہ مکارم نہایت عالمانہ جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ غلط فائدہ تو دنیا کے کسی بھی قانون سے اٹھایا جاسکتا ہے:

"اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مد مقابل کے دل کے حال سے عدم آگاہی کی بنا پر اس کے ظاہری اسلام کو قبول نہ کیا جائے تو اس سے بے شمار مفاسد پیدا ہو جائیں گے جس کا نقصان ظاہری اسلام کو قبول نہ کرنے سے کہیں زیادہ ہوگا، نیز اس سے انسانی جذبات کو بھی زبردست ٹھیس پہونچے گی کیونکہ جس کسی کے دل میں کسی کے خلاف ذرہ برابر بھی کینہ یا حسد ہوگا وہ مد مقابل کے خلاف بہتان لگا دے گا کہ اس کا اسلام صرف ظاہری اسلام ہے اور اس نے دل سے اسلام کو قبول نہیں کیا ہے۔ نتیجے میں نہ جانے کتنے بے گناہوں کا خون بہہ جائے گا۔"[۲]

اہلسنت کی ایک دوسری معتبر تفسیر، تفسیر جلالین میں بھی اس آیت کی شان نزول کے ضمن میں دیگر شیعہ و سنی مفسرین کی طرح اسامہ اور قبیلۂ بنی سلیم کے ایک شخص والے واقعہ کو ہی بیان کیا گیا ہے:

"مومنین کو قتل نہ کرو۔ جیسا طرز عمل تمہارے ساتھ اپنایا گیا ہے ویسا ہی ان کے ساتھ بھی روا رکھو۔ چونکہ وہ اسلام لے آئے ہیں اور انہوں نے کلمۂ شہادتین جاری کر لیا ہے اس لئے ان سے درگزر کرو۔"[۳]

مذکورہ مفسر اور مرجع عالیقدر نے اپنے ترجمۂ قرآن اور شرح آیات منتخب میں بھی تفسیر نمونہ کی طرز پر اسی مفہوم پر تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب پیغمبرؐ نے قتل مرداس کے بارے میں سنا تو

۱۔ تفسیر فی ظلال القرآن، ج ۲، ص ۱۹۳
۲۔ تفسیر نمونہ، ج ۴، ص ۷۵
۳۔ تفسیر جلالین، ص ۲۰۶

فرمایا: تم نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے کلمۂ شہادتین کو زبان پر جاری کر لیا تھا؟[۱] اور جب اسامہ نے جواب دیا کہ اس شخص نے خوف کی وجہ سے کلمہ شہادتین کو جاری کیا تھا تو رسولؐ نے فرمایا: "تم نے اس کے دل سے پردہ تو نہیں اٹھا دیا تھا کہ باطن کے حال سے آگاہ ہو گئے۔ جب تم اس کے باطن نفس سے آگاہ نہیں تھے تو جو کچھ اس نے زبان سے کہا اسے قبول کیوں نہیں کیا۔"[۲]

یہاں تک کہ پیغمبرؐ کے اسی عتاب و خطاب کی بنا پر اسامہ نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ کسی بھی کلمہ پڑھنے والے کو قتل نہیں کریں گے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ خلفائے راشدین کے دور میں جب جنگیں ہو رہی تھیں اور ایک طرف مسلمانوں کا لشکر تھا، اسامہ اسی وجہ سے ان جنگوں میں بھی شرکت نہیں کرتے تھے۔

اہل قبلہ کی حرمت تکفیر پر قرآن کریم سے ایک اور دلیل

۳۔ "یاایھاالذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انّہ لکم عدوّ مّبین"۔[۳]

ایمان والو تم سب مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطانی اقدامات کا اتباع نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

یہ آیۂ کریمہ صریحی طور پر ایسے تمام افراد کو اہل سلامتی، صلح والا اور امن و امان کے ساتھ نشست و برخاست کا مستحق قرار دے رہی ہے جو ایمان لے آئے ہیں، اور مسلمان و اہل قبلہ ہو گئے ہیں۔ اس آیت کو دلوں کے احوال سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ نیز اس سلامتی و صلح اور امن و آشتی بھری فضا سے خارج نہ ہونے کی تاکید کے لئے فرمایا ہے کہ شیطانی اقدامات کی پیروی نہ کرنا اور اس کے غلام نہ ہو جانا۔ اس مذکورہ آیت سے یہ بھی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو اس وقت تک مکمل طور پر صلح و صفا اور امن و امان کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ نشست و برخاست کرنی چاہئے جب تک کہ کوئی فرد صریحی طور پر اسلام اور ضروریات دین کے خلاف کوئی اقدام نہ کر بیٹھے۔ کسی کو بھی اس بات کا حق نہیں پہونچتا کہ وہ دوسروں کی تکفیر کرکے انہیں پر امن اسلامی سماج سے خارج کر دے۔ شیطانی اقدامات کی پیروی نہ کرنے سے متعلق اس آیت کے مورد خطاب شاید وہ افراد ہوں جو خود مسلمان ہیں اور مومنین کے زمرے میں آتے ہیں لیکن کسی بھی مقصد یا وجہ کی بنیاد پر وہ اسلامی معاشرے کو صلح و صفا اور امن و امان سے خارج کرکے جنگ و خونریزی کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ آیۂ مذکورہ سے استفادہ کرتے ہوئے یہ بھی

۱۔ قرآن حکیم، شرح آیات منتخب، ص ۹۳
۲۔ ایضاً
۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۰۸

کہا جاسکتا ہے کہ معاشرے میں امن و امان اور سکون و اطمینان صرف اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب معاشرہ خدا پر ایمان رکھتا ہو۔ مفسر گرامی قدر کے مطابق، "یہ عمومی حکم ہے جس میں بغیر کسی استثناء کے تمام مومنین سے خطاب کیا گیا ہے خواہ وہ کسی زبان، نسل، علاقے اور معاشرے کے ہوں۔"[۱] یہی وہ صورت ہے جس میں مسلمانوں کے اندر جزئیات عقائد کے فرق کے بجائے فقط اصل اور اصول اسلام کی قبولیت، اسلامی اتحاد اور ایک عالمی اسلامی حکومت کا مضبوط عامل بن سکتی ہے۔ یہ وہ صورت حال ہے جس میں جزئی اختلافات کے باوجود اسلامی فرقوں کے مابین اسلامی وحدت اور خدا اور اس کے رسولؐ پر عقیدہ ایک نئے انداز سے ابھر کر سامنے آسکتا ہے جس میں تمام مسلمان متفقہ طور پر امن و امان کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔ یہ نظریہ اس بات کا بھی موجب بنتا ہے کہ خداوند عالم کی بندگی و عبادت اور اسکے خاتم الرسلؐ کی رسالت کے اقرار کی وجہ سے اسلامی فرقوں کے تمام جزئی اختلافات کی اہمیت ختم ہو جائے یا سرے سے اختلافات ہی ختم ہو جائیں۔ جس کے نتیجہ میں تمام مسلمان خداوند عالم کے لطف کے سائے میں حقیقی امن و امان اور صلح و صفا کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔

۴۔ اہل قبلہ کی حرمت تکفیر سنت پیغمبرؐ اور صحابہ کے نزدیک

جیساکہ سورہ نساء کی آیت ۹۴ کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے، رسول اکرمؐ کے قول و فعل اور طرز سلوک کی سنت میں کلمۂ شہادتین کو زبان پر جاری کرنے والے کی جان و مال محفوظ ہے۔ اسامہ پر غضبناک ہونا اور ان سے سوال کرنا کہ کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا کہ اس کے ضمیر سے آگاہ ہو گئے تھے، اسی نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ سنت نبویؐ کے مطابق اہل قبلہ کے اظہار اسلام کو قبول کرنا ضروری ہے، ہمیں اس بات کا حق نہیں ہے کہ ہم دوسروں کے ضمیر اور باطن کے اندر جھانکنے کی کوشش کریں۔ اگر کسی نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا ہو اور ہم نے ضروریات دین کے خلاف اس سے سرزد ہوتا کوئی عمل بھی نہ دیکھا ہو اور وہ ضروریات دین کا منکر بھی نہ ہو تو سنت رسولؐ کی بنیاد پر کافی ہے کہ ہم اس کو مسلمان فرض کریں، اس کی تکفیر نہ کریں اور اس کی جان و مال کو محفوظ رکھیں۔

اب ہم یہاں پر رسول اکرمؐ کے اصحاب کبار میں سے دو افراد کی جو کہ خلفائے راشدین بھی ہیں، عملی سیرت سے دو مثالیں بعنوان نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ قابل غور یہ ہے کہ ان مثالوں میں بھی یہی مذکورہ روش اپنائی گئی ہے جو ہمارے لئے عملی درس ہے۔ جب ابو لولو نے خلیفۂ دوم کو کنایۃً (چکی بنانے کے مورد میں) قتل کرنے کی دھمکی دی تو خلیفہ اگرچہ اس کے ارادے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور

۱۔ قرآن حکیم، شرح آیات منتخب، ص ۳۲

حاضرین کو اس بارے میں بتا بھی دیا تھا لیکن عملی طور پر اس کے دل میں چھپی ہوئی سازش کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا تھا اور اسے آزاد چھوڑ دیا تھا کیونکہ ابھی ابو لولو دائرہ اسلام میں داخل تھا اور اس نے اسلام کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔[۱]

اسی طرح حضرت علیؑ، ابن ملجم کی جانب سے سازش کا احتمال ہونے اور اس کے ظالمانہ اقدام سے پہلے بارہا اس سے ملتے ہیں بلکہ مسجد کوفہ میں اسکو بیدار بھی کرتے ہیں لیکن اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرتے۔ یہی وہ دلیل تھی جسکی بنیاد پر آپ نے جنگ جمل، جنگ نہروان اور جنگ صفین میں لشکر کا پیچھا کرنے کو کبھی جائز نہیں مانا اور نہ ان کے اموال اور اسیروں پر تصرف کیا بلکہ ان کے زخمیوں کو امان تک دی۔[۲] خصوصاً خوارج کے معاملے میں ان سے جنگ کے باوجود آپ نے اپنے علاوہ دوسروں کو انہیں ختم کرنے کی اجازت بالکل نہیں دی، یہاں تک کہ انکا اور ان کے افراد خانوادہ کا بیت المال سے وظیفہ بھی منقطع نہیں کیا۔ آپؑ نے کسی بھی موقع پر اپنے مسلمان مخالفوں کی تکفیر نہیں کی اور نہ انہیں کافر سمجھا۔ اسی وجہ سے ان کے ساتھ وہ جنگی احکام بھی جاری نہیں کئے جو کفار کے ساتھ جنگ کے دوران اپنائے جاتے ہیں۔

طبری رقمطراز ہیں:

"علی نے کوفہ و بصرہ کے مقتولین جنگ (نہروان) کی نماز جنازہ پڑھی اور مکہ و مدینہ کے مقتولین قریش میں سے بھی دوست و دشمن سب کی نماز جنازہ پڑھی اور سب کو ایک وسیع قبر میں دفن کیا۔۔۔۔اور فرمایا: مسلمان کے مال میں سے رہ جانے والی شئ دوسرے مسلمان کیلئے ہرگز حلال نہیں ہوتی ہے۔"[۳]

حضرت علیؑ کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ کسی بھی فراری کو قتل نہیں کرتے تھے، کسی بھی زخمی پر حملہ نہیں کرتے تھے، کسی پڑے ہوئے پردے کو نہیں اٹھاتے تھے اور کبھی کسی کا مال نہیں چھینتے تھے۔ جنگ جمل میں آپ کا حکم تھا کہ کسی فراری کو قتل نہ کرنا، کسی بھی زخمی کی جان نہ لینا اور مخالفوں کا پیچھا نہ کرنا۔[۴]

صدر اسلام کی تاریخ میں اصحاب، خلفائے راشدین اور ائمہ ہدیٰ کی زندگی سے ایسے بہت سے نمونے نظر آتے ہیں اور یہ تو واضح ہے کہ تکفیر کے سلسلے میں بھی ان تمام حضرات کی سیرت اور

۱۔ تاریخ طبری، ترجمہ پائندہ ج۵، ص۲۰۲۷

۲۔ تاریخ کامل اسلام وایران ج۳، ص۴۱۵ و حسن ابراہیم حسن، تاریخ سیاسی اسلام، ۲۸۴

۳۔ تاریخ طبری، ج۶، ص۲۴۷۱

۴۔ ایضاً، ص۲۴۳۳ اور ۲۴۷۴

طرز عمل ہی حجت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی واقعی سلفیت کا دعویٰ کرتا ہے تو حقیقی وصالح سلفیت اور اصلی سنت پیغمبرؐ اور آپ کے اصحاب کی عملی زندگی ہی ہے۔

۵۔ حدیث قدسی میں اہل قبلہ کی حرمت تکفیر

اس سلسلے میں رسول اکرمؐ سے منقول مشہور حدیث قدسی سے استناد کیا جاسکتا ہے:

"من قال لا الہ الا اللہ دخل حصنی ومن دخل حصنی امن من عذابی"

جس نے کہہ دیا کہ خدا ایک ہے اور اس کے علاوہ کوئی اللہ نہیں، وہ میرے قلعے میں داخل ہوگیا اور جو میرے قلعے میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہوگیا۔"[۱]

بعض کتابوں میں اس حدیث کے شروع میں ایک دو الفاظ اضافہ یا حذف شدہ ہیں لیکن اکثر منابع میں ایک تکملہ موجود ہے۔ شیعہ کتابوں میں بھی یہ حدیث موجود ہے جس کو حدیث سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے جسے امام علی رضاؑ نے نیشاپور میں بیان فرمایا تھا۔ مشہور ہے کہ حضرتؑ نے اصل حدیث کو بیان فرمانے کے بعد تھوڑا سکوت فرمایا اور اس کے بعد جملہ "بشرطھا وشروطھا وانا من شروطھا" کا اضافہ فرمایا۔ تمام شیعہ وسنی علماء اس حدیث کی اصالت اور استناد پر متفق ہیں اور اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ تمام منادیان توحید اور کلمہ گو افراد کے خدا کے قلعہ میں داخل ہونے کیلئے یہ حدیث حجت ہے جو ان افراد کو ہر عذاب سے محفوظ رکھے گی۔ ظاہری طور پر حدیث میں صرف توحید اور اہل قبلہ سے منسلک ہونے کا ذکر ہوا ہے جس میں خلوص یا نیت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جس سے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ خود خداوند عالم کلمہ گو حضرات کے قلوب سے واقف ہے، اب اس کے بعد کلمہ گو حضرات کے قلوب سے پردہ اٹھانے یا تجسّس و تفحص کرنے کی چندان ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اس طرح خدا نے آئندہ آنے والے مفتیان دین، فقہاء اور شدت پسند عناصر کیلئے دروازہ مکمل طور پر بند کردیا ہے، تبھی تو اپنے قلعے میں داخل ہونے اور عذاب سے محفوظ رہنے کیلئے توحید کے صرف ظاہری اقرار کو ہی قبول کرلیا ہے۔ اب تعجب اس پر ہوتا ہے کہ خداوند عالم تو کلمۂ توحید کا اقرار کرنے والے کو قلعۂ امن میں داخل ہونے کا پروانہ عنایت کر رہا ہے، پھر کیسے اس کے موحد بندے کو کافر کہا جاسکتا ہے اور کیسے اسے خدا کے قلعۂ امن سے خارج کیا جاسکتا ہے؟ نعوذ باللہ خدا کی دی ہوئی امان اور حمایت کو کیسے اس سے سلب کیا جاسکتا ہے؟ کیا ایسے بندے کی تکفیر کرنے والا، العیاذ باللہ، خود کو خدا سے برتر فرض کرتا ہے کہ ایسا حکم دے رہا ہے؟ اس

۱۔ مناقب العارفین، ج ۲، ص ۶۷۲

حدیث کی وضاحت کے ذیل میں اس قسم کے تکفیر کرنے والوں کو خطاب کرتے ہوئے شیخ جام فرماتے ہیں:

"اے ناپاک! اے بے علم! اے بے تقویٰ! خداوند عزوجل تو کلمہ گو کو اپنے عذاب سے امان دے رہا ہے اور تو اسے برا کہنے سے باز نہیں آرہا ہے؟ تو رب العزت کے قلعۂ امن میں داخل ہو گیا ہے اور تو نے گوہر ہائے ایمان کی سرقت کی ہے۔ بروز قیامت تمام خلق کے سامنے تجھے دار سیاست و قطعیت پر لٹکایا جائے گا۔[۱]

اہل قبلہ کی حرمت تکفیر، اہل سنت کے معتبر حدیثی منابع (صحاح ستہ) میں

۱۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں رسول اکرمؐ سے منقول ایک نہایت معتبر اور صحیح حدیث میں اس طرح نقل ہوا ہے:

"اذا قال الرجل لاخیہ یا کافر ھو باء بہ احدھما" جب کوئی اپنے بھائی کو "اے کافر" کہہ کر خطاب کرتا ہے تو یہ کفر اُن دونوں میں سے کسی ایک کی طرف پلٹ جاتا ہے۔[۲]

حدیث کے اسی مضمون کو بعض دوسرے افراد نے ابو سلمہ کے ذریعہ سے رسولؐ سے نقل کیا ہے۔ عبداللہ بن عمر سے بھی یہ حدیث نقل ہوئی ہے۔ یہ حدیث معتبر ہے، اسی سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ مومنین اور برادران دینی کی تکفیر کے سلسلے میں کس قدر سخت تھے۔ آپ نے اپنی عملی سیرت اور سنت میں ایسا کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ آپ نے خود تکفیر کرنے والے کو کافر بتایا ہے۔ امام بخاری نے تو اس باب کا نام ہی "جو اپنے مسلمان بھائی کو بغیر کسی تاویل کے کافر کہے، وہ خود ویسا ہے جیسا اس نے کہا ہے" رکھا ہے۔[۳]

یا باب ۷۴/ میں امام بخاری کہتے ہیں، "جس نے کسی کا کفر نہ دیکھا ہو اور وہ اسے کافر کہے، خواہ توجیہ کی بنیاد پر یا نادانی کی وجہ سے" (تو وہ خود کافر ہے)۔[۴]

اپنے اس قول کی تصدیق کیلئے وہ ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب نے حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں کہا کہ وہ منافق ہے۔ پیغمبرؐ نے عمر سے کہا کہ تمہیں کیا خبر؟ خداوند عالم اہل بدر کے

۱۔ بحار الحقیقہ، ص ۸۴
۲۔ صحیح بخاری، ج ۶، ص ۵۴۳
۳۔ صحیح بخاری، ج ۶، باب ۷۳
۴۔ ایضاً، باب ۷۴

حالات سے آگاہ تھا، تبھی تو فرمایا تھا کہ میں نے تمہارے گناہوں کو بخش دیا ہے۔[۱] اسی طرح مذکورہ حدیث "جو اپنے مسلمان بھائی۔۔۔" کے سلسلے میں عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ اگر سامنے والا واقعی کافر ہو تو کہنے والے نے صحیح بات کہی ہے جسکا کوئی گناہ نہیں ہے لیکن اگر مد مقابل مسلمان ہو تو اس غلط نسبت کا گناہ خود کہنے والے کی طرف پلٹ جائے گا۔ لہٰذا ہر صورت میں دونوں میں سے کوئی ایک گنہگار ہوگا۔[۲]

شیخ الاسلام احمد جامی نے اس حدیث نبوی کی مکمل وضاحت کرتے ہوئے کس قدر خوبصورت انداز میں فرمایا ہے:

"رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جو بھی کسی مسلمان کو کافر کہے گا ان دونوں میں سے کوئی ایک کافر ہوگا کیونکہ اگر تم مجھے کافر کہوگے اور مجھے اپنے مسلمان ہونے کا یقین ہوگا تو میں رسولؐ کے قول کی بنیاد پر تمہیں کافر سمجھونگا، جو کچھ تم میرے بارے میں کہوگے میں بھی وہی تمہارے بارے میں کہونگا۔[۳]

یہ تو واضح سی بات ہے کہ جس اسلامی معاشرے میں ایک دوسرے کو کافر کہا جارہا ہو وہاں عام زندگی کا عالم کیا ہوگا، معاشرے میں عقیدتی لحاظ سے کس قدر اتھل پتھل مچے گی اور مسلمانوں کی عام زندگی، مسلم ممالک اور اسلامی سماج میں اس سے نہ جانے کتنے خطرناک نقصانات ہونگے، جیسا کہ آج ہو رہا ہے۔

مزید وضاحت کیلئے ہم یہاں پر شیخ جام کا ایک اور قول نقل کر رہے ہیں جو شیخ اب سے نو سو سال قبل فرماگئے ہیں اور یہ بات گویا عصر حاضر ہی کیلئے کہی گئی تھی۔ ظاہراً اُس دور میں بھی اسلامی معاشرہ موجودہ حالات کے مشابہ حالات اور اُس زمانے کے تکفیریوں سے دوچار تھا۔ شیخ فرماتے ہیں:

"اگر آپ حقیقت پر نظر ڈالیں گے تو مشاہدہ کریں گے کہ سب ایک دوسرے کے خلاف کفر اور بدعت کی گواہی دے رہے ہیں.....اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ غزنین جیسے شہر (جسے آپ موصل یا ہرات یا حمص یا حلب یا دمشق یا نائجیریا.....یا ان جیسے حالات سے دوچار کوئی بھی مسلمان شہر کہہ سکتے ہیں) جہاں تمام باشندے ہم مذہب یعنی سنی ہیں اور غازی ہیں، پھر بھی دیکھئے کہ انہی اہل سنت نے اپنے ہم مذہب سنی مردوں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ کیا کیا ہے۔ دوسری جانب نزول باران رحمت تھم گیا ہے، مہنگائی آسمان کو چھو رہی ہے، ہزار ہا صوفی و درویش حیران و پریشان ہیں، بہت سی پاکیزہ اور شریف

۱۔ ایضاً، ج ۶، ص ۵۴۴

۲۔ لولؤ و مرجان ۶۱

۳۔ بحار الحقیقہ، ص ۸۰

عورتیں مراکز فساد و فحشاء میں چلی گئی ہیں۔ اگر نعوذ باللہ ہم بھی ایسے ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو رسول اکرمؐ کے زمانہ سے اب تک مسلمانوں نے جتنا رنج اٹھایا ہے وہ سب ہمارے اعمال اور ہمارے دیئے ہوئے رنج کے آگے ناچیز ہوجائے گا اور دشمن ہماری مسلمان عورتوں اور بچوں کا وہی حشر کرے گا جو اس نے بیت المقدس کا کیا ہے۔"[۱]

یہ وہ دور تھا جب صلیبی جنگوں کی وجہ سے بیت المقدس ظلم کی زد پر تھا۔ خوش قسمت تھے شیخ جام کہ اس دنیا میں نہ رہے ورنہ انہیں فلسطین، قدس و غزہ اور نہ جانے دوسرے کتنے مسلمان شہروں کی موجودہ بدترین صورت حال کا مشاہدہ کرنا پڑتا۔

آگے بڑھکر شیخ جام ایسے مفتیان دین کے خلاف خامہ فرسائی فرماتے ہیں جنہوں نے مسلمان معاشروں کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے انہیں مبتدع، مشبہ، مرجئ، رافضی، صوفی، زعفرانی اور بادنجانی جیسے نام دے دئے ہیں:

"آج فقہاء اور مفتیان دین فتوے دے رہے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ذبیحہ حلال ہے لیکن دین پاک کا ہر ذبیحہ حرام ہے۔"[۲]

گویا شیخ جام اپنے زمانے سے نو سو سال بعد کے زمانے کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ تکفیری گروہ کتنی آسانی سے مغربی دنیا کی تیار کردہ اشیاء اور خورد و نوش کا استعمال کر رہے ہیں اور اس کے بعد یہودیوں اور عیسائیوں کی خوراک و اسلحے سے مسلمانوں کے درمیان داخلی جنگ کا آغاز کر چکے ہیں۔ شیخ کے قول کے مطابق: "یہ بھی جہالت کا ایک نمونہ ہے..... شرم سے ڈوب مرجانا چاہئے ایسے شخص کو جو اس قسم کا فتویٰ صادر کرے۔ کیا اس کا قیامت پر اعتقاد نہیں ہے؟ لوگوں کو سنت محمدیؐ اور شریعت نبویؐ کی طرف دعوت دو تاکہ کوئی بھی راہ راست رسولؐ سے جدا نہ ہو..... آیات قرآنی اور احادیث مصطفویؐ سے دور ہو چکے ہو اور کفر و بدعت کے فتوے صادر کر رہے ہو۔ تمہیں نہ کفر کی قباحت کا علم ہے نہ بدعت کی۔ اگر تمہیں کفر کی قباحت اور ایمان کی قدر و منزلت کا احساس ہوتا تو ہرگز کلمہ گویوں کو کافر قرار نہ دیتے۔"[۳]

اس عالم باعمل اور فقیہ زمان نے کتاب اللہ اور سنت نبویؐ و سیرت صحابہ سے استناد کرتے ہوئے کس قدر روشن فکری کے ساتھ اپنے زمانے کے حالات کو درک کیا ہے۔ اور پھر لوگوں کو ہدایت دیتے

۱۔ بحار الحقیقہ، ص ۸۰
۲۔ ایضاً، ص ۸۲
۳۔ ایضاً، ص ۸۳

ہوئے حبل اللہ کو تھامنے کی دعوت دی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ شجاعانہ طور پر اپنے زمانے کے ان مفتیان دین اور علماء پر گرجے ہیں جو غلط دین فہمی کی وجہ سے معاشرے میں تکفیر، تفرقہ اور ناامنی کا موجب بن گئے تھے۔ آج بھی اسلامی دنیا ایسے ہی مشکلات و مسائل میں مبتلاء ہے اور ایک بار پھر شیخ جام جیسے شجاع اور دین شناس علماء کو پکار رہی ہے۔

۲۔ رسول اکرمؐ سے منقولہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مقداد بن عمرو کندی نے پیغمبرؐ سے عرض کیا:

"اگر کسی روز کسی کافر سے میرا سامنا ہو جائے، مجھے اس سے جنگ کرنا پڑے اور وہ تلوار سے میرا ایک ہاتھ قلم کردے، اس کے بعد وہ میرے خوف سے کسی درخت پر پناہ لے کر وہیں سے کہے کہ میں مسلمان ہوتا ہوں (کلمہ شہادتین جاری کرلے) تو کیا ایسی صورت حال میں مجھے حق پہونچتا ہے کہ اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد بھی اسکو قتل کردوں؟ پیغمبر نے فرمایا: نہیں۔ تم اس کو قتل نہیں کر سکتے۔ مقداد نے کہا کہ اے خدا کے رسولؐ! میں اسے کیسے قتل نہ کروں؟ اس نے تو میرا ایک ہاتھ قلم کردیا اور اس کے بعد کہا کہ اب میں مسلمان ہوتا ہوں۔ پیغمبرؐ نے کہا کہ تم اسے قتل نہیں کر سکتے۔ اگر تم نے اسے قتل کردیا تو تم دونوں کا درجہ ایک دوسرے سے تبدیل ہو جائے گا یعنی وہ اس جگہ پہونچ جائے گا جہاں تم اس کو قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اس جگہ قرار پا جاؤگے جہاں وہ مسلمان ہونے سے پہلے تھا۔[۱]

اس صحیح و معتبر حدیث میں اہل قبلہ کی تکفیر کو حرام بتایا گیا ہے، یہاں تک کہ ایک تازہ مسلمان ہونے والے اور مسلمان ہونے سے پہلے دوسرے مسلمانوں کو ضرر پہونچانے والے کافر کی تکفیر کو بھی صرف کلمہ پڑھ لینے کی وجہ سے حرام کہا گیا ہے، اب مسلمانوں اور پھر ایسے مسلمانوں کی تو بات ہی جدا ہے جو صدیوں سے اہل قبلہ، عبادت گزار اور بلاد اسلامی کے باشندے رہے ہیں جنکا روزانہ کا معمول ہی کلمہ پڑھنا ہے۔ ایسے تمام افراد کی جان و مال اور ناموس کی حفاظت کرنا واجب ہے۔

۳۔ ایک دوسری معتبر حدیث میں منقول ہے کہ ایک شخص معاذ بن جبل کی امامت میں نماز جماعت پڑھ رہا تھا۔ نماز کے طولانی ہونے اور نماز جماعت میں سورہ بقرہ کی قرأت کی وجہ سے وہ نماز جماعت سے جدا ہو گیا اور فرادیٰ نماز پڑھنے لگا جس کی وجہ سے معاذ نے اس پر نفاق کا الزام لگا دیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے جب سنا کہ وہ شخص محنت کش انسان ہے اور اور اس کا جسم طولانی نماز کا متحمل نہیں ہو سکتا تو اس کا دفاع اور بچاؤ کرتے ہوئے معاذ بن جبل سے جو کہ کبائر صحابہ میں سے ہیں، فرمایا، "اے معاذ! کیا تم لوگوں کو

۱۔ لولؤ و مرجان، احادیث مشترک بخاری و مسلم، ج ۱، ص ۷۲۸۳

فتنوں کی وادی میں ڈھکیلنا چاہتے ہواور پھر تین بار فرمایا: "والشمس والضحیٰ" اور سبح اسم ربک الاعلیٰ جیسے سورے پڑھا کرو،اور اس طرح اس شخص پر لگا نفاق کا داغ دھویا اور اسے مسلمان و قابل احترام ثابت کیا۔[۱]

۴۔ صحیح بخاری و مسلم میں منقول ایک دوسری معتبر حدیث میں رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے:

"امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فقد قال لا الہ الا اللہ فقد عصم منی نفسہ و مالہ الا بحقہ و حسابہ علی اللہ"

مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ لاالہ الااللہ کہیں۔جو بھی خدا کی وحدانیت کا اقرار کرلے گا اس کی جان و مال میری طرف سے محفوظ ہے مگر اس کی گردن پر جو حق (نیت اور چھپ کر کیا گیا کام) ہے اسکا حساب خدا کے ہاتھ میں ہے۔[۲]

اہل قبلہ کی تکفیر کے حرام ہونے کے سلسلے میں سنت نبویؐ میں کیا اس سے زیادہ واضح حکم مل سکتا ہے؟ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ ان معتبر احادیث اور واضح احکامات کو کیسے نظر انداز کر دیا گیا ہے!

۵۔اسی سلسلے میں ایک اور حدیث میں ابن عمر سے روایت ہے کہ رسولؐ فرماتے ہیں، "مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ وحدانیت خدا اور رسالت محمدؐ کا اقرار کریں، نماز کی ادائیگی کریں اور زکات ادا کریں۔اگر وہ ان کاموں کو انجام دے لیتے ہیں تو ان کا خون اور مال میری طرف سے محفوظ ہے مگر ان کی گردن پر جو حق (نیت اور چھپ کر کیا گیا کام) ہے اسکا حساب خدا کے ہاتھ میں ہے۔[۳]

یہاں بھی پیغمبرؐ نے صراحت کے ساتھ کلمۂ طیبہ اور رسالت محمدیؐ کے اقرار اور نماز و زکات کو مسلمانوں کی حفاظت اور عدم تکفیر کی شرط بتایا ہے جبکہ نیت اور اخلاص کو خدا کی طرف منسوب کیا ہے۔اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس معتبر حدیث سے استناد کرتے ہوئے کسی بھی اہل قبلہ نماز گزار اور زکات کے ادا کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جاسکتی اور کسی نے ایسا کیا تو اس نے سنت نبویؐ کے خلاف عمل کیا ہے۔

۶۔عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے، "سباب المسلم فسوق و قتالہ کفراً" کسی مسلمان پر سبّ و شتم کرنا موجب فسق ہے اور توہین کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج

۱۔ صحیح بخاری، ج ۶، ص ۵۴۴

۲۔ لولؤ و مرجان، احادیث مشترک بخاری و مسلم، ص ۴۹

۳۔ ایضاً، حدیث ۱۵، ص ۵۰

ہو جاتا ہے اور مسلمان سے جنگ کرنا کفار کی صفت ہے۔[۱] کیونکہ کسی مسلمان کے ساتھ اس قسم کا طرز عمل، کفران نعمت اور میل و محبت کا انکار ہے جو اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔اس توہین اور تکفیر کی وجہ سے یہ محبت اور بھائی چارہ بکھر جاتا ہے۔واضح رہے کہ جب خود آنحضرتؐ کسی مسلمان کی توہین کے سلسلے میں یہ حکم دے رہے ہیں تو تکفیر مسلمان، کس قدر عظیم گناہ ہوگا جس سے اسلامی دنیا میں نہ جانے کتنے بھیانک مفاسد و مسائل پیدا ہو جائیں گے۔

۷۔ایک دوسری معتبر حدیث میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے:

"ثلث من اصل الایمان: الکف عمن قال لا الہ الا اللہ، و لا نکفرہ بذنب، و لا نخرجہ من الاسلام بعمل والجہاد۔۔۔"

تین چیزیں اصول ایمان میں شمار کی جاتی ہیں: اول یہ کہ جو بھی لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلے (اس کے ساتھ حسن ظن کیا جائے)، کسی گناہ کی انجام دہی کی وجہ سے اسکی تکفیر نہ کی جائے اور اسے دائرہ اسلام سے خارج نہ سمجھا جائے۔دوم جہاد و.....[۲]"

اس حدیث کا مصداق یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے کلمہ گو اور اہل قبلہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے۔زمانۂ قدیم میں خوارج و معتزلہ اور عصر حاضر میں بعض خاص فرقوں اور تکفیریوں کے برخلاف اہل سنت والجماعۃ کا نظریہ ہے کہ کسی بھی کلمہ گو مسلمان کو کافر نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اسکو دائرہ اسلام سے خارج تصور کیا جاسکتا ہے۔ایسا کوئی بھی اقدام صراحت کے ساتھ بیان کی گئی معتبر حدیث نبویؐ کے خلاف ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آخر کوئی کس طرح خود کو مسلمان اور پیرو سنت رسولؐ کہہ سکتا ہے جبکہ وہ رسولؐ کی فرمائشات کے خلاف قدم اٹھا رہا ہو اور دوسرے مومنین اور اپنے دینی بھائیوں کی تکفیر کر رہا ہو؟

۸۔مزید ایک دوسری حدیث میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ پیغمبرؐ فرماتے ہیں:

"من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ و ذمۃ رسولہ فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ"

جو بھی ہماری طرح نماز بجالاتا ہو، ہمارے قبلے کی سمت رخ کرتا ہو اور ہمارے ذبیحہ کو کھاتا ہو وہ مسلمان ہے۔اس کے لئے خدا اور اس کے رسولؐ کی امان ہے۔لہٰذا اس کی امان کے بارے میں عہد خدا

۱۔ ایضاً، ص ۶۳

۲۔ علامہ نعمانی، معارف الحدیث، ص ۱۲۰، منقول از ابو داؤد

کومت توڑو۔[۱]

درحقیقت رسول اسلامؐ نے اپنے اس صریح حکم کے ذریعے اُس دور کے اپنے اصحاب اور اس کے بعد قیامت تک آنے والے مسلمانوں، علماء اور فقہاء کو یہ سمجھایا ہے کہ اگر ضروریات دین کے بجائے بعض موارد میں کسی مسلمان کے عقائد اور نظریات ہمارے احکامات کے برخلاف دیکھو اور اس کے اندر مذکورہ نشانیاں بھی دیکھو تو اس کو یہ کہہ کر کافر قرار مت دیدینا اور دائرہ اسلام سے خارج مت کردینا کہ اس نے قلبی طور پر ایمان لانے کے بجائے نفاق یا خوف یا اور کسی اور وجہ سے اسلام کا زبانی اقرار کر لیا ہے بلکہ ایسے مسلمان کے سلسلے میں خدا اور اس کے رسولؐ کی امان کو محفوظ رکھا جانا چاہئے، اس کی ہر موقع پر حمایت کی جانی چاہئے اور نفاق یا خوف کے بہانے اسلامی مروت کا گلا نہیں گھونٹنا چاہئے۔

۹۔انس بن مالک جو کہ پیغمبرؐ کے قریبی ترین افراد میں سے ہیں، آپ کے ساتھ مستقل رہنے والے ہیں، اور آپ کے خدمت گزار بھی ہیں، ساتھ ہی نقل حدیث میں مورد اعتماد بھی ہیں، رسول اسلامؐ سے نقل کرتے ہیں:

"مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کریں۔ لہٰذا جو بھی اقرار کرلے اور ہماری طرح نماز بجالائے، ہمارے قبلے کی سمت رخ کرے اور ہمارے ذبیحے کو کھائے اس کا خون اور مال ہم پر حرام ہے مگر اس کی گردن پر جو حق ہے اس کا حساب خدا کے ہاتھ میں ہے۔[۲]

سنن ابی داؤد میں اسی مضمون کے ساتھ ایک اور حدیث نقل ہوئی ہے جس کے تکملہ میں "حسابهم على الله" کے بجائے جملۂ "لهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين" ذکر ہوا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جن افراد نے دعوت اسلام کو قبول کر لیا ہے، ان کے خلاف نہ صرف یہ کہ جنگ کا خاتمہ ہوگیا ہے بلکہ انکی جان و مال محفوظ ہے اور حقوق اور ذمہ داریوں میں وہ ہمارے اور دیگر تمام مسلمانوں کے برابر ہیں۔[۳]

۱۰۔ سنن ترمذی اور نسائی سے نقل شدہ ایک اور حدیث میں رسول اکرمؐ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

"مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں اور مومن وہ ہے

۱۔ ایضاً، ص۷۹، منقول از بخاری

۲۔ ایضاً، ص۱۱۸، از منقولہ بخاری وابوداؤد

۳۔ علامہ نعمانی، معارف الحدیث، ص۱۱۸، بخاری وابوداؤد سے منقولہ

جس کی طرف سے دوسرے اپنی جان و مال کیلئے کسی طرح کے خطرے کا احساس نہ کریں۔[۱]

مذکورہ حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے افراد کو کیسے پیروئے دین محمدؐ مان لیا جائے جو خود کو کہتے تو مسلمان ہیں لیکن ان کے اعمال، کردار و رفتار و گفتار کی وجہ سے اسلامی معاشروں میں دہشت و وحشت پیدا ہو رہی ہے، ہر طرف قتل عام ہو رہا ہے اور عالمی سطح پر غیر مسلم دنیا میں اسلام کی بدنامی ہو رہی ہے۔

اگر مذکورہ قرآنی آیات اور احادیث پر غور کیا جائے تو خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ، آپ کے اصحاب، خلفائے راشدین، ائمہ ہدیٰؑ اور گزشتہ و موجودہ علماء کی نظر میں تمام اہل قبلہ اور کلمہ گو افراد قابل احترام ہیں جنکی جان، مال، ناموس اور زندگی کا تقدس و احترام لازم ہے۔ قرآنی آیات معتبر احادیث نبویہ، پیغمبرؐ اور آپ کے اصحاب کی عملی سیرت اور کردار میں ایسے متعدد نمونے تلاش کئے جا سکتے ہیں جن میں منادیان توحید اور کلمہ گو افراد کی حرمت اور احترام کا حکم موجود ہے جس پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اگر اس سلسلے میں کسی نے گزشتہ ادوار یا موجودہ زمانے میں کتاب و سنت کی نص کے خلاف کوئی اقدام کیا ہے تو وہ خود اس دنیا یا پھر آخرت میں خداوند متعال اور مسلمانوں کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ کتاب و سنت کیا کہہ رہی ہے اور ہم سے کیا مطالبہ کر رہی ہے اس کا علم رکھنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ اہل قبلہ کی حرمت کوئی ایسی شئ نہیں ہے جس کو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے جدا کیا جا سکے۔

پیش نظر مضمون کے اختصار کی وجہ سے اس سلسلے میں مزید دلائل پیش نہیں کئے جا سکتے۔ لہٰذا خاتمے کے طور پر ایک بار پھر اس گراں قیمت حدیث نبویؐ کا ذکر کیا جا رہا ہے:

"الا ان الذین النصیحة الا ان الذین النصیحة الا ان الذین النصیحةقالوا:لمن یا رسول الله؟قال:لله ولکتابه ولرسوله والائمةالمسلمین وعامتهم"[۲]

اس آرزو کے ساتھ کہ تمام مسلمان خصوصاً تکفیری عناصر، علماء و دانشوران اسلام، عام مسلمان اور تمام دوستداران اسلام، الٰہی آیات اور احادیث نبویؐ کا مطالعہ کریں گے اور ان پر عمل کریں گے، انشاء اللہ۔

نتیجہ

۱۔ "ولاتکونوا کالذین تفرقوا واختلفوامن بعد ماجاءهم البینات واولئک لهم عذاب عظیم"

۱۔ ایضاً، ص ۱۳۵

۲۔ احمد جام نامقی بحار الحقیقہ، ص ۸۶ و نیز صحیح مسلم و سنن ترمذی،

اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ پیدا کیا۔ واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا کہ ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔[۱]

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ مفہوم لیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے بیچ تفرقہ واختلافات کی آگ بھڑکانے سے دشمنوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی عزت و شوکت خاک میں مل جائے گی اور اس پر شدید عذاب ہوگا۔اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ کفار کے اندر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حملے کی جرأت وہمت پیدا ہو جائے گی۔

۲۔ تکفیر کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اس سے مسلمانوں اور اسلامی فرقوں کے درمیان آپسی اعتماد کو ٹھیس پہونچے گی جس سے مسلمان ایک دوسرے سے دور ہو جائیں گے۔جس کے نتیجہ میں وحدت اسلامی کا شیرازہ بکھر جائے گا،امت واحدہ کے لئے تشکیل دئے گئے اصولوں کو شدید خطرات کا سامنا کرنا پڑیگا اور پھر بغیر کسی دلیل کے یا لاعلمی کی وجہ سے کوئی بھی اسلامی فرقہ کسی بھی دوسرے اسلامی فرقے کی تکفیر کردے گا اور صرف خود کو مسلمان فرض کرے گا جبکہ حالات یہ ہیں کہ اسلامی دنیا کو شدت کے ساتھ وحدت واتحاد کی ضرورت ہے۔

۳۔ تکفیر کا دوسرا نقصان یہ سامنے آیا ہے کہ اس کی وجہ سے اسلام کو صلح و صفا اور امن وآشتی کے مخالف مذہب کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا جارہا ہے جس کو دلیل بنا کر اسلاموفوبیا کے ذریعے دنیا کو خوف زدہ بھی کیا جارہا ہے تاکہ اسلام کی طرف آنے کی یورپی وامریکی جوانوں کی شدید خواہش کو دبایا جاسکے۔چونکہ وہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کو سینے سے لگانے والے جوانوں کے سیلاب کو نہیں روک سکے لہٰذا کوشش کی گئی کہ ان کے سامنے اسلام کا ایک ناگوار اور خطرناک چہرہ پیش کرکے انہیں اسلام سے ہی خوف زدہ کردیا جائے تاکہ اپنے مادی اور عیسائی معاشرے کو اسلام پسندی کی امواج سے محفوظ رکھ سکیں اور اس کی جگہ اسلاموفوبیا کو لاکر رکھ دیں۔

۴۔اس قسم کا طرز عمل اور تکفیری رجحانات دنیا کی نظر میں اسلام کا چہرہ بگاڑنے کا موجب بنتے ہیں،یعنی یہ کہ صرف کچھ برسوں پہلے اور تکفیری رجحانات کے رواج پاجانے سے قبل تک ایک یورپی اور امریکی باشندے کے سامنے اسلام اور مسلمان کا تصور ایک ایسے مرد یا عورت کا تھا جو مہذب، باوقار، باادب لائق، باپردہ اور مناسب لباس والی ہو،جس کے ہاتھ میں قرآن کا ایک نسخہ ہو اور وہ شائستگی کے ساتھ مسکراتی ہوئی پروقار انداز میں یورپ اور امریکہ کے عوام کو اپنی عقل وخرد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قرآن

۱۔ قرآن حکیم وشرح آیات منتخب، (آل عمران، آیت ۱۰۵ص ۶۳)

اور اسلام و عدالت کی طرف دعوت دے رہی ہو، لیکن آج دنیا کا تصور یہ ہے کہ مسلمان یعنی جس کا چہرہ خطرناک ہو، لمبی ڈاڑھی ہو، کمر میں گرینیڈ اور ہاتھ میں بندوق ہو، لباس سیاہ ہو اور جس کو خونریزی اور غارت گری کے سوا اور کچھ سجھائی ہی نہ دیتا ہو۔

ذرا غور فرمایئے کہ اسلام کے اس چہرے سے یورپی اور امریکی بچے یا نوجوان کے ذہن میں کون سی تصویر اپنی جگہ بنائے گی؟

۵۔ایک دوسرے کی تکفیر اور مسلم ممالک میں آپسی جنگ کی وجہ سے مسلمانوں کا ایک طبقہ آسانی کے ساتھ کفار کا آلۂ کار بن کر ان کی سازشوں کو عملی جامہ پہنا دیتا ہے جس کے نتیجے میں اپنی غیرت و عزت کو بیچ کر اقتصادی طور پر کفار کا محتاج و نمک خوار بن جاتا ہے۔اس سے کفار کو موقع فراہم ہو جاتا ہے کہ وہ مسلم ممالک اور اسلامی سرزمینوں پر پھیل جاتے ہیں جس کے بُرے نتائج دین اور اسلامی دنیا کو برداشت کرنے ہونگے کیونکہ حدیث نبویؐ "ویلکم او ویحکم لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض" خبردار! میرے بعد کفر کی طرف مت لوٹ جانا، اگر ایسا کیا تو تم میں سے بعض ایک دوسرے کی گردن ماریں گے[۱]، کی بنیاد پر ایسا طرز عمل کفار کا طرز عمل ہے۔اصولی طور پر ایک دوسرے کے خلاف جنگ اور شمشیر زنی مسلمانوں کی صفت ہے ہی نہیں۔اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس نے یقیناً کفار کی پیروی کی ہے اور ان کی سازش کو عملی جامہ پہنایا ہے۔

۶۔مسلمانوں کے درمیان تکفیر کے رواج اور ایک دوسرے کے عقیدتی و اخلاقی احترام نہ کرنے سے آپسی میل۔محبت اور الفت و مہربانی جو کہ اسلام کا خاصہ تھا اور ہے، اس کی جگہ نفرت، بدگمانی اور کینہ لے لے گا جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ اپنی تاریخی ظرافت اور شوکت سے دور ہو جائے گا۔

شیخ جام کے مطابق مومن وہ ہے جو تمام اہل قبلہ کو مسلمان سمجھتا ہو، ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں کفر کے زمرے میں شمار نہ کرتا ہو، ان کے لئے مہربانی کا جذبہ رکھتا ہو، ان کی اصلاح کے لئے کوشاں رہتا ہو، ان کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہو، ان کے غم میں غمگین اور ان کی شادمانی میں شاد ہوتا ہو.....تاکہ حق برادری و مسلمانی کو ادا کیا جاسکے۔[۲] اگر ایسا نہ ہو اور اسلامی معاشرے میں یہ صفات نہ پائی جاتی ہوں تو ایسا معاشرہ ایک بے مروت اور خشک معاشرے میں تبدیل ہو جائے گا۔ایک دوسرے کیلئے مہربان مسلمان، جن کا سلام امن کا پیغام ہوتا ہے وہ ایک دوسرے کے دشمن اور ایک دوسرے سے

۱۔ لولؤ و مرجان، احادیث ۴۴۔۴۵، ص ۶۳

۲۔ بحار الحقیقہ، ص ۷۸

بد گمان ہو جائیں گے، پھر ایک دوسرے پر تہمتوں اور بہتانوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

۷۔ تکفیری رجحانات کے رواج کا ایک نہایت اہم نقصان، اسلامی معاشروں میں شرعی و قانونی مشکلات کی صورت میں سامنے آئے گا جسکے برے اثرات کافر و مسلمان کے درمیان زوجیت و حرمت زوجیت پر پڑیں گے۔ کسی کو بھی پہلے سے موجود کسی کینے یا نفرت کی وجہ سے آسانی کے ساتھ قتل کر دینے کے رجحان کی بنیاد پر ارث و میراث، نظام مالکیت، کافر کا مسلمان سے میراث حاصل نہ کرنا، حق ولایت کا ختم ہونا، اولاد پر والدین اور مردوں کا زوجہ پر کنٹرول کا ختم ہونا، والدین کیلئے اولاد کی طرف سے وجوب احترام کا ختم ہونا قدرتی آفات میں مسلمانوں کے درمیان ایک دوسرے کے لئے محبت و تعاون کا نہ ہونا، امداد حاصل کرنے کی غرض سے نص صریح قرآن کے برخلاف کفار کی ولایت اور حکومت کو قبول کرنا.....اسی طرح دوسری شرعی مشکلات جیسے غسل، نماز جنازہ وتدفین، مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کا جواز، مرحومین کے لئے دعائے مغفرت جیسے بے حد شدید مسائل کھڑے ہو جائیں گے جن سے اسلامی سماج کی بنیادیں ہل جائیں گی جس کا نہائی نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرہ عملی طور پر ہر چیز کو مباح وجائز قرار دینے والی فکر کا علمبردار بن جائے گا۔

۸۔مذکورہ بالا اثرات ومسائل کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہے لیکن اس کے علاوہ بھی تکفیر سے ایسے اثرات مترتب ہونگے جنکا تعلق اخروی زندگی سے ہوگا جس پر بحث کرنے کیلئے ایک مستقل باب کی ضرورت ہے۔شاید یہی وجہ رہی ہے کہ طول تاریخ اسلام میں تکفیر پر کوئی خاص توجہ نہیں رہی ہے۔ پہلی صدی کے صرف معتزلہ وخوارج اور بعد کی صدیوں میں بعض جزئی گروہوں کے علاوہ دوسرے اسلامی معاشروں، ائمہ دین اور علماء نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ہے بلکہ اکثر مسلمانوں اور اسلامی فرقوں نے تکفیر کے سلسلے میں اعتدال سے کام لیتے ہوئے تکفیر کیلئے نہایت سخت شرائط بیان کئے ہیں بلکہ اس کو قریب قریب ناممکن قرار دیا ہے جس کا مشاہدہ آغاز سے لیکر اواخر تک تاریخ تکفیر کے مطالعے سے باآسانی کیا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ غزالی جیسے سخت نظریات اپنانے والے عالم نے اس کو غلط بتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر ہزار کافر چھوڑ دئے جائیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک مسلمان کی تکفیر کی جائے، مبادا حکم تکفیر کی بنیاد پر ایک حقیقی مسلمان قتل ہو جائے۔

دور حاضر میں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر غور وفکر کرنے کی شدید ضرورت ہے کہ کیا ہوا کہ فراموش شدہ تکفیری رجحان ایک بار پھر نشو ونما پا رہا ہے۔ کس مقصد کے تحت اور کن افراد کے ذریعے اس کو پیش کیا جارہا ہے؟ وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی بنیاد پر اسلام کو خطرات کے دلدل میں ڈھکیلا اور اسلامی معاشروں کو مسائل میں جکڑا جارہا ہے؟

۹۔ طول تاریخ میں مسلم اکثریت والے معاشروں میں غیر مسلمان دینی اقلیتوں جیسے عیسائی، یہودی مجوسی، یہاں تک کہ بودھ مذہب والے بھی مسلمانوں کی حمایت اور اسلامی حکومتوں کے زیر سایہ آرام و اطمینان سے اپنے مکمل حقوق کے ساتھ زندگی بسر کرتے آئے ہیں جبکہ اس کے برخلاف غیر مسلم اقلیت والے معاشروں میں مسلمان پہلے بھی اور آج بھی غیر مسلمانوں اور غیر مسلم حکومتوں کے مظالم کا شکار رہے ہیں۔ موجودہ زمانے میں اسکی واضح مثال میانمار، سنٹرل افریقہ، مغربی چین، روس، اور دنیا کی اور بہت سی جگہیں ہیں جہاں مسلمانوں پر ظلم و ستم، ان کا قتل عام اور ان کا بائیکاٹ عام سی بات ہے۔ مسلمان اکثریت والے علاقوں میں دیگر اقلیتوں کی پرسکون زندگی اسلام اور مسلمانوں کیلئے باعث فخر رہی ہے اور ہے لیکن تکفیری رجحانات کے سر اٹھانے کی وجہ سے ان اقلیتوں کا امن و سکون غارت ہو رہا ہے اور ان کے عبادتی مراکز خطرے کی زد پر ہیں اور کلیسا مسمار کئے جا رہے ہیں۔ یہ سب اسلامی اصولوں اور صدر اسلام سے لیکر آج تک کے مسلمانوں کے طرز عمل کے خلاف ہے جس سے اسلام، اسلامی حکومتوں اور اسلامی ممالک کے خلاف ایک قسم کی بدگمانی اور نفرت آمیز فضا قائم ہو رہی ہے۔

۱۰۔ تکفیری رجحانات کی ترویج اور اس رجحان کے پیروکاروں کے بے روح نظریات، مقامات مقدسہ وتاریخی اماکن مثلاً انبیاء، اصحاب اور بزرگان اسلام کی آرام گاہوں وغیرہ کی تخریب میں جہاں ایک دوسرے کے عقائد کی بے احترامی و توہین جیسا معنوی پہلو موجود ہے وہیں تاریخی و ہنری لحاظ سے بھی اس کے منفی اثرات سامنے آرہے ہیں کیونکہ عام طور پر ان تاریخی مقامات کی تعمیر مسلمان معماروں کے ذریعے ہوئی تھی جو آج بھی اسلامی ثقافت و ہنر کا سرمایہ شمار کئے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے اسلامی تاریخ و آرٹ کو زبردست نقصان پہونچے گا جس سے اسلامی کلچر اپنے ایک اہم ترین سرمائے سے ہاتھ دھو بیٹھے گا جس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ غیر مسلمانوں کے ذہن میں یہ تصور پیدا ہو جائے گا کہ مسلم اقوام کو تاریخی و ثقافتی سرمائے کی قدر کا احساس نہیں ہے۔

امید ہے کہ خداوند عالم کی توفیقات کے سائے میں قرآن و سنت سے توسل اور ان پر حقیقی معنی میں عمل پیرا ہوتے ہوئے دنیا کے تمام مسلمان آپسی اختلافات اور تکفیر کو بھلا کر ایک دوسرے کے نظریاتی اختلافات کے مقابلے میں وسعت نظری کا مظاہرہ کریں گے اور بغیر کسی استثناء کے تمام اسلامی فرقے شدت پسندی اور افراط سے پرہیز کرتے ہوئے آپس میں اتحاد و اتفاق سے زندگی بسر کریں گے اور ایک بار پھر صدر اسلام کے طرز پر مشرکین عالم کے مقابلے میں امت واحدہ کے طور پر ابھر کر سامنے آئیں گے تاکہ توفیقات الٰہی ہمارے شامل حال ہو سکیں۔ آمین!

منابع و مآخذ

۱۔قرآن کریم، ترجمہ علامہ ذیشان جوادی۔قرآن کریم؛ترجمہ مرحوم الٰہی قمشہ ای چاپ اول ۸۴ قم، انتشارات لقمان۔

۲۔آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی، ترجمہ قرآن حکیم و شرح آیات منتخب، طباعت اول، اسوہ پبلیکیشنس، قم ۱۳۸۸ شمسی

۳۔ابن اثیر، عزالدین علی، تاریخ بزرگ اسلام و ایران، ترجمہ عباس خلیلی، مؤسسہ مطبوعاتی علی اکبر علمی، تہران (تاریخ موجود نہیں ہے)

۴۔احمد جام نامقی، بحار الحقیقہ، تصحیح و توضیح حسن نصیری جامی، پرنٹ اول :پژوہشگاہ علوم انسانی و مطالعات فرہنگی، تہران ۱۳۸۹

۵۔افلاکی، شمس الدین احمد، مناقب العارفین بہ تصحیح تحسین یازی چی، انجمن تاریخ ترک پریس، (شہر کا نام موجود نہیں ہے)، ۱۹۶۱

۶۔بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ترجمہ عبد اللہی نور احراری، پرنٹ دوم، شیخ الاسلام احمد جامی پبلیکیشنس، تربت جام، ۱۳۹۰ شمسی۔

۷۔حسن ابراہیم حسن، تاریخ سیاسی اسلام، ترجمہ ابوالقاسم پائندہ، بدرقہ جاویدان پبلیکیشنس، تہران ۱۳۸۵ شمسی

۸۔دہخدا، علی اکبر، لغت نامہ دہخدا، مؤسسہ انتشارات و تہران یونی ورسٹی پریس، ۱۳۷۷ شمسی

۹۔سورآبادی ابوبکر عتیق نیشاپوری، تفسیر سورآبادی (تفسیر التفاسیر) بہ تصحیح سعیدی سیر جانی، فرہنگ نشر نو، تہران ۱۳۸۱ شمسی۔

۱۰۔سید قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ترجمہ ڈاکٹر مصطفیٰ خرم دل، جلد ۲، احسان پبلیکیشنس، تہران، ۱۳۸۷ شمسی

۱۱۔سیوطی، جلال الدین، تفسیر جلالین، ترجمہ حسن رستمی، پرنٹ اول، مؤسسہ انتشارات حسینی اصل، ارومیہ، ۱۳۹۱ شمسی

۱۲۔طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری (الرسل والملوک)، ترجمہ ابوالقاسم پائندہ، فرہنگ ایران پبلیکیشنس، تہران، ۱۳۵۲ شمسی۔

۱۳۔عبد الباقی محمد فواد، لؤ لؤ و مرجان (احادیث مشترک امام بخاری و امام مسلم)، ترجمہ ابو ابکر حسن زادہ، جلد ۱، پرنٹ پنجم، احسان پبلیکیشنس، تہران، ۱۳۹۱ شمسی۔

۱۴۔مکارم شیرازی، آیت اللہ ناصر و دیگران، تفسیر نمونہ، پرنٹ ہفتم، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۲ شمسی

۱۵۔موسوی بجنوردی، کاظم، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، مرکز دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تہران، ۱۳۹۱ شمسی

۱۶۔نعمانی، علامہ محمد منظور، معارف الحدیث، ترجمہ عبد المجید مراد زہی خاشی، جلد ۱، فاروق اعظم پبلیکیشنس، زاہدان، ۱۳

اسلام صلح و دوستی اور رافت و رحمت کا آئین

علی جان محمدی (قرہ باغی)*
ترجمہ: نثار احمد زین پوری

خلاصہ

اسلام، صلح و سلامتی کا دین ہے اور رحمت و مہربانی کا نقیب ہے اور اسلام کا زندہ و جاوید منشور قرآن، صلح و اصلاح کو انسان کی اجتماعی زندگی کی ضرورت سمجھتا ہے اور مسلسل اسی کی تاکید کرتا ہے۔ قرآن اور اہل بیتؑ کی روایات کے تناظر میں مسلمان، بھائی بھائی ہیں، قرآن اور روایات کی روشنی میں انہیں فرقہ وارانہ اور مذہبی اختلافات کو برطرف کرکے صلح اور امن کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اسلامی معاشرہ میں مختلف اقوام و مذاہب کے وجود سے اختلاف اور ٹکراؤ ناگزیر ہے لیکن اس اختلاف و ٹکراؤ کو مسلمانوں کی صفوں میں زیادہ شگاف کا باعث نہیں ہونا چاہئے، اسی لئے قرآن مجید نے مذاہب کے درمیان بلکہ ادیان کے بیچ صلح قائم کرنے کا دستور پیش کیا ہے۔ اس مقالہ کے پہلے حصہ میں ہم مفسرین کی رائے اور فریقین کی روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان چند آیتوں کا جائزہ لیں گے جو صلح کی اہمیت و ضرورت کو بیان کرتی ہیں اور مقالہ کے دوسرے حصہ میں عالمی سطح پر مذاہب وادیان کے درمیان صلح قائم کرنے کے ان طریقوں کو پیش کریں گے جو قرآن کے تناظر میں بیان ہوئے ہیں۔

صلح اور اصلاحی پہلو کے متعلق اسلام کا نظریہ واضح ہے لیکن اس کے مقابلہ میں ایک بدترین نظریۂ تکفیر بھی ہے جس کو ساتویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ نے وجود دیا تھا۔ انھوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں مسلمانوں کے تمام عقائد پر سوال اٹھائے ہیں اور ان کے کفر و ارتداد کا فتویٰ دے کر انھیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ ان کے ہم عصر علماء نے ان کے اس اقدام کی مذمت کی۔ پھر بارہویں صدی ہجری میں محمد بن عبدالوہاب نے آل سعود کی مدد سے اپنے افکار و خیالات کو دنیا میں منتشر کیا اس بنا پر ایک بار پھر

---

* موصوف جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ سے فارغ التحصیل ہیں اور مؤسسۂ تحقیقاتی حضرت ولی عصر عجل اللہ کے محقق ہیں۔

مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا اور مسلمانوں کے چند گروہوں کے درمیان یہ نظریہ آج بھی رائج ہے۔ ان کے طرفدار وحشی گروہ "وہابیت، القاعدہ، طالبان اور داعش" کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں اور مسلمانوں کو اس جرم میں قتل کر رہے ہیں کہ وہ ان کے عقائد کے مخالف ہیں۔ یہ لوگ ابن تیمیہ کے زمانہ سے آج تک اسلامی مذاہب کے ماننے والوں خصوصاً شیعوں کے کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں جس سے اسلامی ممالک میں فتنہ و فساد برپا ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کے کفر کے سلسلہ میں انہوں نے جو فتاوے دیئے ہیں ہم ان کے چند نمونے ذیل میں درج کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ یہ فتوے قرآن و احادیث کے خلاف ہیں۔

متصل بنیادی اصطلاحیں صلح، دوستی، رحمت، صلح کی اہمیت، مہربانی صلح کے طریقے کی وضاحت۔

مقدمہ

صلح و دوستی ایسے دلکش خوبصورت الفاظ ہیں جو آزاد خیال انسانوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل و متوجہ کر لیتے ہیں اور انھیں بے پناہ تازگی و فرحت بخشتے ہیں۔ لیکن وہابیت اور دوسرے چھوٹے چھوٹے گروہوں کی تکفیری تحریک نے اسلامی معاشرہ بلکہ عالمی امن وامان اور صلح و سلامتی کو متزلزل کر دیا ہے چنانچہ وہ ہر روز تکفیر کے حربہ سے مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں۔

مرحلۂ اول میں علمائے اسلام پر لازم ہے کہ وہ کمرِ ہمت باندھیں اور اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ مسلمانوں کو تکفیر کے جال سے نجات دلائیں اور اسلامی معاشرے کو تکفیر کی وباء سے پاک کریں۔ دوسرے مرحلہ میں لازم ہے کہ مذہب کے اختلافی مسائل کو، جو وہابیت کے لئے حربہ بن گئے ہیں، انھیں قرآن مجید کی روشنی میں مفاہمتی آمیز طریقوں سے حل کیا جائے تاکہ اسلامی معاشرے کو اس کا حقیقی سکون و اطمینان واپس مل جائے۔

یہ مقالہ صلح و دوستی کے بارے میں قرآن کے دستور اور دین اسلام کو "صلح و دوستی، رأفت و مہربانی اور رحمت" کے آئین کے عنوان سے متعارف کروانے کے پیش نظر چند حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں موضوع "صلح و دوستی، رأفت و رحمت" کے لغوی و اصطلاحی معنی کو جامع صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے حصہ میں اسلام میں صلح کی اہمیت و ضرورت سے متعلق بحث کی گئی ہے اور اس کی اہمیت کو قرآن و احادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے حصہ میں مختلف معاشروں خصوصاً مذاہب و ادیان کے درمیان صلح و دوستی کی فضا بناہموار کرنے کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ اس مقالہ کا زیادہ تر حصہ اسی حصہ پر مشتمل ہے۔ چوتھے حصہ میں شیعوں کے بارے میں وہابی مفتیوں کے کفر کے کچھ فتاوے

نقل کئے گئے ہیں جن میں اعلان جنگ کیا گیا ہے تاکہ سب پر آشکار ہو جائے، کہ یہ تکفیر کی تحریک، صلح و مفاہمت اور دینی بھائی چارہ کے خلاف ہے۔ اسی وجہ سے وہ پورے عالم اسلام میں ظلم و ستم کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں اور گروہ در گروہ مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے خطرہ کے بارے میں سنجیدگی سے غور کریں اوران کے مقابلہ میں متحد ہو جائیں پھر قرآن و احادیث کے احکام وفرامین کی روشنی میں قومی، مذہبی اور گروہی اختلافات سے پہلو تہی کریں۔

۱۔ الفاظ کے لغوی واصطلاحی معنی

تحقیق کے اسلوب کے تحت ہم پہلے اپنے موضوع کے الفاظ کے **لغوی واصطلاحی معنی بیان کرتے ہیں۔**

۱/ ۱۔ لفظِ صلح کے معنی

۱/ ۱/ ۱۔ لغوی معنی

لفظ "صلح" اسم مصدر[۱] ہے اور اس کا مصدر "صلاح" ہے لغت میں اس کے معنی، فساد کی ضد لکھے ہیں اس کی جمع "صلحاء"[۲] ہے۔ لفظ "صلح" مصالحت، جنگ و جھگڑا ختم کرنے اور مد مقابل سے توافق کرنے کے ہیں۔[۳]

راغب کہتے ہیں: صلح کے معنی، مخصوص لوگوں کے درمیان سے نفرت واختلاف کو برطرف کرنا ہے۔[۴] تاکہ صلح کی وجہ سے اتحاد اور مفاہمت آمیز حالات پیدا ہو جائیں۔

۱/ ۱/ ۲۔ صلح کے اصطلاحی معنی

صلح کے متعلق کے پیش نظر، اصطلاح میں اس کے متعدد معنی ہیں:

الف: شرعی اصطلاح میں "صلح" ایک معاہدہ ہے جو متحارب فریقین کے درمیان ہوتا ہے اور یہ نص اور اجماع کی دلیل سے جائز ہے۔[۵] ممکن ہے یہ معاہدہ عین یا منفعت کی تملیک کے لئے ہو یا ٹکراؤ ختم کرنے کی بناپر ہو یا اپنا حق مفت دینے کی صورت میں ہو یا کچھ عوض لینے کی شکل میں ہو، یہ معاہدۂ صلح طرفین کو راضی کرنے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے۔[۶]

ب: عرف عام اور سیاسی اصطلاح میں بھی "صلح" کے خاص معنی ہیں، یہ بین الاقوامی اور بین الممالک اختلافات اور جھگڑوں کو حل کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ صلح کے مقابلہ میں کوئی عوض معین کیا جائے یا معین نہ کیا جائے۔ "سلم" سین کے فتح اور کسر، بھی فریقین کے درمیان صلح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[۷]

ج: کبھی مذاہب کو قریب لانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔
اس مقالہ میں لفظ صلح، صرف جنگ و جھگڑا ختم کرنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اس سے وسیع معنی مراد لئے گئے ہیں، اس طرح یہ مذاہب کے درمیان علمی مسائل کے اختلاف کے حل کو بھی شامل ہے۔

۱/ ۲۔ دوستی کے معنی

۱/۲/ ۱۔ لغت میں

دوسرا لفظ دوستی ہے، عربی میں یہ "حُب" سے عبارت ہے۔ماہرینِ لغت جیسے "ابن منظور" نے لفظِ "حُب" کے معنی دوستی اور دوست رکھنے کے بیان کئے ہیں، "حُب" کی نقیض، بغض ہے جس کے معنی دشمنی ہیں اور "حِبّ" کسر کے ساتھ محبت و دوستی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے[۸] لہٰذا جب "احببتُ فلاناً" کہتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم اس کو دوست رکھتے ہیں۔[۹] ایک روایت میں امام صادقؑ نے بھی "حب" کو بغض کی ضد بتایا ہے۔[۱۰]

۱/ ۲/ ۱۔ اصطلاحی معنی

اصطلاح میں "حب" کے معنی قلبی میلان ہیں۔ انسان کے نفس اور روح میں وہ چیز رچ بس جاتی ہے جس کی طرف وہ راغب ہوتا ہے۔ مازندرانی "شارح اصول کافی" کہتے ہیں: "حب" نیز محبت اور ضمہ و کسرہ کے ساتھ اس چیز کی طرف قلبی لگاؤ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو اس سے میل کھاتی ہو۔[۱۱] اور وہ اکثر زبان سے اس کا ذکر کرتا ہے اور کبھی دل میں اسے یاد کرتا ہے۔[۱۲]
"بغض" بھی اصطلاح میں قلبی لگاؤ نہ ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کے ساتھ دشمنی یا کم سے کم کراہت اور نفرت بھی ہوتی ہے۔ سبزواری مرحوم نے "کفایۃ الاسلام" میں اصطلاحی لحاظ سے "بغض" کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔[۱۳]

۱/۴۔ لفظِ رحمت کے معنی

۱/ ۳/ ۱۔ لغوی اعتبار سے

اس لفظ کا مادہ "رحم" ہے اس کے معنی، رحمدلی اور مہربانی کے ہیں۔ بالفاظ دیگر "نرمی" ہے "مرحمت"

کے بھی یہی معنی ہیں۔[۱۴] بعض اہل لغت نے "رحم" کے معنی "رأفت" تحریر کئے ہیں جس سے بہت زیادہ مہربانی سمجھ میں آتی ہے۔ کیونکہ "رحمت" ورأفت میں فرق ہے۔[۱۵]

۱/ ۳/ ۲۔اصطلاحی معنی

اس لفظ کے اصطلاحی اور لغوی معنی میں فرق نہیں ہے اور مد مقابل کے ساتھ نیکی کرنے کا تقاضہ کرتا ہے۔ یہ لفظ کبھی صرف مہربانی اور نرم دلی اور کبھی نیکی واحسان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: "رَحم اللہ فلاناً" خدا فلاں شخص پر رحم کرے۔ اکثر یہ لفظ دعا کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور جب یہ لفظ خدا کی صفت کے عنوان سے استعمال ہوتا ہے تو محض احسان کے معنی میں ہوتا ہے اور رقت و رحم دلی کے بغیر نہیں ہوتا۔[۱۶]

بنابرایں، رحمت کے دو معنی ہیں: (۱) رِقّت قلب (نرم دلی) (۲)احسان و نیکی

۱/ ۴۔رافت کے لغوی واصطلاحی معنی

رافت کا مادہ "رَاَفَ" ہے بعض لوگوں نے اس کے معنی رحمت مراد لیئے ہیں اور بعض نے رحمت کی کثرت و بہتات مراد لیئے ہیں لہٰذا یہ رحمت سے اوپر ہے۔[۱۷] رافت و رحمت میں یہ فرق ہے کہ رحمت کسی علت کی بنا پر اور بہ دل نخواستہ بھی ہوتی ہے۔ لیکن رافت جو کہ رحمت سے اوپر اور اس سے زیادہ دقیق و لطیف ہے اس میں کراہت و مصلحت کو دخل نہیں ہے۔[۱۸] کھلے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ رأفت کے معنی مہربانی، لطف اور ایسی خالص و انتہائی رحمت کے ہیں جو کراہت و مصلحت کی وجہ سے نہیں ہوتی ہے اور کیفیت کے اعتبار سے یہ رحمت سے زیادہ قوی ہے۔ رحمت، مطلق عطوفت و مہربانی کا نام ہے جو مصلحت کی بنا پر کی جاتی ہے خواہ اس میں کراہت بھی ہو، جیسے ڈاکٹر کا بیمار کو دوا دینا بھی ایک قسم کی رحمت ہے لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ وہ دوا مریض کے میلان کے مطابق ہی ہو۔

۲۔اسلام میں صلح کی اہمیت وضرورت

معاشرہ میں صلح قائم کرنا اور ایک دوسرے کا اعتماد حاصل کرنا قرآن کے اعلیٰ احکام میں سے ایک ہے اسی کے سایہ میں انسانی معاشرے کمال وکامیابی کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ صلح ایک اہم ترین راستہ ہے کہ جس کو طے کرکے انسان اجتماعی وسماجی زندگی کے روشن آفاق پر پہنچ سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے مفاہیم والے حصہ میں بیان کیا ہے کہ قرآن مجید نے کہیں لفظ "صلح"[۱۹] اور کہیں "سلم"[۲۰] استعمال کیا ہے کہ یہ بھی صلح کا مترادف ہے۔ یہ تعبیریں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ انسانی معاشرہ کی روح جنگ وجدل و شدت پسندی سے میل نہیں کھاتی ہے لہٰذا حقیقی سکون کی فضا قائم کرنے کے لئے صلح کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱/۲۔آیات قرآن کے تناظر میں صلح کی اہمیت

لفظِ "صلح" اور اس کے مشتقات قرآن مجید میں دسیوں بار استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن اس مقالہ میں ہم بحث سے مربوط مواقع ہی کا ذکر کریں گے:

پہلی آیت:

دو بھائیوں، دو دوستوں کی کدورتوں اور دشمنیوں کو برطرف کرکے ان کے درمیان دوستی اور اتحاد و یگانگی قائم کرنا اسلام کا اہم ترین منصوبہ ہے جس کا تذکرہ اس آیت میں ہوا ہے: "فَاتّقوا اللّٰہَ واَصْلحوا ذاتَ بینکم واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین"۔[۲۱] یہ آیت مال غنیمت کے سلسلہ میں صحابہ کے اختلاف کے بارے میں نازل ہوئی، اور غنیمت کا ایک مصداق انفال ہے۔

عبادہ بن صامت کی روایت کے مطابق جنگ بدر میں جب دشمن نے شکست کھائی اور مسلمانوں کے ایک گروہ نے انھیں قتل کرنے کے لئے ان کا تعاقب کیا، مسلمانوں کا ایک گروہ رسولؐ کے پاس رہا، بعض دشمن کے لشکر پر غالب آئے اور انہوں نے مال غنیمت جمع کیا، ان تینوں گروہوں کے درمیان اختلاف ہوگیا، ہر ایک خود کو مال غنیمت کا مستحق سمجھتا تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کی اور ان میں صلح کرانے کا دستور دیا چنانچہ رسولؐ نے مال غنیمت کو ان کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کردیا۔[۲۲]

اس آیت کے مفہوم سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ "اصلاح ذات البین" دوستوں کے درمیان اتحاد واتفاق کی فضا قائم کرنا اور ان کے درمیان سے کدورتوں کو ختم کرنا اسلام کا اہم ترین منصوبہ ہے۔ اس آیت کا مفہوم شان نزول کے وقت سے مخصوص نہیں ہے۔ اس نکتہ پر ہم اس کی جگہ پر تیسرے حصہ میں ابن عباس سے نقل کریں گے۔

دوسری آیت:

مومنین کے درمیان جنگ و دشمنی بہت بری بات ہے اس لئے خدا نے ان میں صلح کرانے کے لئے

دوسری آیت میں فرمایا:

"اِن طائفتان من المومنین اقتتلوا فَاَصلحوا بینھما فان بغت اھدٰھما علی الاُخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الیٰ امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین"۔ (۲۳)

اگر مومنوں کے دو گروہوں میں جنگ ہو جائے تو ان میں صلح کرادو اگر (پھر) ان دونوں میں سے ایک دوسرے (گروہ) پر زیادتی کرے تو تم سب اس سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹے پھر اگر لوٹ آئے تو دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت کی شان نزول کے بارے میں اہل سنت کے علماء نے دو روایتیں بیان کی ہیں۔ بعض روایات کا مفہوم یہ ہے:

رسول خدا اپنی سواری پر تشریف فرما تھے اور انصار کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ مدینہ کے مشہور منافق عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک پکڑ کر کہا: سواری کا راستہ چھوڑ دو، عبداللہ بن رواحہ نے کہا: رسولؐ کے حمار کے پیشاب کی بو تمہارے مشک و عنبر کی خوشبو سے بہتر ہے۔ رسولؐ تشریف لے گئے لیکن ان کے درمیان تو، تو میں، میں، شروع ہو گئی دونوں اوس و خزرج کے قبیلے و خاندان آگئے آپس میں لاٹھی ڈنڈے چلنے لگے۔ رسولؐ واپس آئے اور ان کے درمیان صلح کرادی۔ (۲۴)

دوسری روایت یہ ہے کہ رسولؐ کے عہد میں دو قبیلوں (اوس و خزرج) کے درمیان جنگ چھڑ گئی آپس میں لاٹھی ڈنڈے چلنے لگے، خدا نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

اس کے علاوہ دوسرے موارد بھی بیان کئے ہیں کہ اوس و خزرج کے درمیان اختلاف ہو گیا جس میں تکرار اور پھر لڑائی ہو گئی ان کی اصلاح کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ (۲۵) اہل سنت کے مفسر قرطبی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: اس آیت کا خطاب تمام مسلمانوں سے ہے کہ اگر ان کے درمیان نزاع ہو جائے تو وہ صلح کرانے کے پابند ہیں۔ (۲۶)

تیسری آیت:

ایک دوسری آیت میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی شمار کیا ہے اور ان کے درمیان صلح کرانے کو واجب قرار دیا ہے: "انّما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتّقوا اللہ لعلکم ترحمون" (۲۷)

مومین آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے دونوں بھائیوں میں صلح کرادو اور خدا کا تقویٰ اختیار کرو ہو سکتا

ہے تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت کے بعد دوسری آیت نازل ہوئی اور دو مومنوں کے درمیان صلح کا حکم دیا ہے لہٰذا بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگرچہ یہ حکم اوس وخزرج کے درمیان صلح کرانے کے لئے آیا تھا لیکن اہل سنت کے اکثر مفسرین اسے اس واقعہ سے مخصوص نہیں جانتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اصلاح و صلح کا حکم تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔

اس جملہ "فاصلحوا بین اخویکم" کے بعد شوکانی لکھتے ہیں: "اخویکم" یعنی وہ تمام مسلمان جن کے درمیان عداوت و نزاع ہو اور یہ جو آیت میں تثنیہ –مضاف (اخویکم) ہے تو یہ اس نکتہ کی وضاحت کے لئے آیا ہے کہ دو سے زیادہ لوگوں کے درمیان صلح کرانا بطریق اولیٰ واجب ہے۔[۲۸]

ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں: جب دو لوگوں کے درمیان صلح و اصلاح واجب ہے تو زیادہ کے درمیان زیادہ واجب ہے۔[۲۹] "آلوسی" مندرجہ بالا مطلب کی تصریح کے ساتھ لکھتے ہیں کہ دو سے زیادہ لوگوں کے درمیان صلح کرانا زیادہ واجب ہے اس کی دلیل یہ ہے۔ فتنہ و فساد اتنا ہی زیادہ ہے نیز بیان کرتے ہیں: ایسی اصلاح اور صلح دینی اخوت کے سایہ میں ہی کی جاسکتی ہے۔[۳۰]

اس آیت میں اہم مسئلہ "اخوت" ہے اگر ساری دنیا کے مسلمان دینی اخوت کے محور پر ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور اپنے اختلافات کو حل نہیں کر سکتے تو پھر کوئی مشترک چیز ان کی مشکل کو حل نہیں کر سکے گی لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات اخوت دینی کے معیار کو جاننا ہے۔ کیا صرف مسلمان ہونے کا دعویٰ کافی ہے یا معین معیار سے مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے؟

اس سلسلہ میں فریقین کے علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے اور معاد (قیامت) کا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ مسلمان ہے۔ اس آیت کے ذیل میں اہل سنت کے مفسرین نے ایک بہت اچھی بات کہی ہے کہ:

جملہ "انّما المؤمنون اخوۃ" ایک عقد و عہد ہے جو خدا نے مومنین کے درمیان استوار کیا ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو بھی خدا، فرشتوں، آسمانی کتابوں، انبیاء اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ چاہے وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں وہ اس آیت کی رو سے مومن ہے اور مومنوں کا بھائی ہے اس لئے مومنوں کو چاہئے کہ اس کے لئے وہی چیز پسند کریں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے اسے اس کے لئے بھی پسند نہ کریں۔[۳۱]

چوتھی آیت:

اس آیت میں اصلاح کرنے کی اہمیت بیان ہوئی ہے اور نیکی و تقویٰ اور مومنوں کے درمیان صلح و اصلاح نہ کرنے پر سرزنش کی گئی ہے:

"ولا تجعلوا اللہ عُرضۃً لایمانکم أن تبرّوا وتتّقوا وتُصلحوا بین الناس واللہ سمیع علیم۔"[۳۲]

اور خدا کو اپنی قسموں کی دستاویز نہ بناؤ کہ اس سے تم نیکیوں، پرہیزگاریوں اور لوگوں کے درمیان صلح و سلامتی قائم کرنے سے قاصر رہوگے اور خدا خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

صلح اور اصلاح کرنے کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ لوگوں کی اصلاح نہیں کرے گا یا اپنے عزیزوں کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کرے گا تو اس کی یہ قسم نیک کاموں میں مانع (و منعقد) نہیں ہوگی۔

اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کوئی شخص نیک اعمال ترک کرنے کی قسم کھائے تو اس کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں ہے (قسم کے خلاف یہ کام کر سکتا ہے) ورنہ "حنث قسم" قسم توڑنا جائز نہیں ہے۔

اہل سنت کے مفسرین کے نظریہ کے مطابق یہ آیت عبداللہ بن رواحہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس کا واقعہ یہ ہے "بشیر بن نعمان" عبداللہ کا بہنوئی تھا اور اس نے ان کی بہن کو طلاق دے دی تھی۔ اس پر عبداللہ بن رواحہ نے قسم کھائی کہ اب وہ بشیر کے پاس نہیں جائیں گے اور اس سے بات نہیں کریں گے اور اس کے اور اپنی بہن کے درمیان صلح نہیں کرائیں گے۔[۳۳] یہ آیت نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ خدا کے نام کو قسموں کی قیمت کے بازار میں رکھ کر اس کی اہمیت کو کم نہ کرو۔

ہر چند یہ آیت کسی مخصوص واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم اور معنی اس کے شان نزول ہی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ اس کا حکم عام ہے اور ہر زمانہ کے لئے ہے۔ یہ مفہوم لفظ "الناس" سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کیونکہ یہ لفظ تمام انسانوں کو شامل ہے۔ اسی لئے مفسرین نے آیت کے حکم کو عام مانا ہے۔ اہلسنت کے مفسر "سمرقندی" نے لکھا ہے: "وتُصلحوا بین الناس" أی بین اخوانکم۔[۳۴] یعنی اپنے بھائیوں کی اصلاح کرو۔

پانچویں آیت:

اس آیت میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اگر جنگ میں مدمقابل، صلح کی پیش کش کرے تو اس کا استقبال کرنا چاہئیے "وان جنحوا للسّلم فاجنح لھا وتوکّل علی اللہ انّہ ھو السمیع العلیم۔"[۳۵]

"جنحوا" کے معنی ہیں: میل تمائل اور "سلم" کے معنی ہیں: مصالحت و مسالمت اور جنگ نہ کرنا "فاجنح" اگر وہ مصالحت کی طرف مائل ہیں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ۔ مفسرین نے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں دو قول نقل کئے ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت قریش کے مشرکوں کے بارے میں (نازل ہوئی) ہے یعنی اگر وہ صلح کی پیشکش کریں تو تم اسے قبول کرلو جیسا کہ رسولؐ نے مشرکین مکہ کی درخواست پر حدیبیہ کے مقام پر کیا تھا اور اس بات پر صلح کی تھی کہ دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے چنانچہ کچھ شرطوں کے ساتھ یہ صلح ہوئی۔

دوسرا قول ایک تابعی مفسر "مجاہد" کے نظریہ کی بنیاد پر یہ ہے کہ یہ آیت "بنی قریظہ" اور "بنی نضیر" کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[۳۶] کیونکہ اگر صلح کرنے میں مصلحت ہوگی تو یہ جہاد کی مانند ہے۔ کیونکہ جہاد کا مقصد شر کو دفع کرنا ہے یہ مقصد صلح کے ذریعہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔[۳۷] البتہ اس شان نزول کو بعض مفسرین، جیسے ابن کثیر وغیرہ قبول نہیں کرتے ہیں۔[۳۸]

چھٹی آیت:

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصلاح کرنا خدا کے انبیاء کا شعار ہے۔

"وواعدنا موسیٰ ثلاثین لیلۃً واتممناھا بعشر فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی فاصلح ولا تتبع سبیل المفسدین۔[۳۹] اور ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر ہم نے اسے دس راتوں کے اضافہ کے ساتھ مکمل کیا اس طرح ان کے پروردگار نے چالیس راتوں میں وعدہ پورا کیا اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے فرمایا: تم میری امت کے درمیان میرے جانشین بن جاؤ اور ان کی اصلاح کرو اور فساد پھیلانے والوں کی پیروی نہ کرو۔

جب حضرت موسیٰ اپنے پروردگار کے میقات" کوہ طور" پر تشریف لے گئے اور جناب ہارون کو اپنی قوم میں اپنا جانشین معین کیا اور ان سے فرمایا: "اُخلفنی فی قومی" میری قوم میں میرے جانشین بن جاؤ "واصلح" مصلح (اصلاح و صلح کرنے والے) رہنا۔ بنی اسرائیل کے دینی امور کی اصلاح کرتے رہنا اور اگر ان میں سے کوئی فساد کی طرف بلائے تو اس کی بات نہ ماننا۔[۴۰]

حضرت موسی نے اس جملہ "واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین" میں سیاست کے بارے میں ایک جامع اور طویل المدۃ معیار بیان کر دیا ہے اور وہ یہ کہ امت کی سیاست کا محور اصلاح کرنا ہے، عہد حاضر میں بھی

یہ دستور بشر کی متاع گمشدہ ہے۔

نتیجہ:

ان آیتوں سے درج ذیل نکات سمجھ میں آتے ہیں:

۱۔ اصلاح کرنا یعنی مسلمانوں کے باہمی اختلاف حل کرنا واجب ہے اور یہ بات "واصلحوا"، "فاصلحوا" اور "تُصلحوا" سے سمجھ میں آتی ہے۔

۲۔ جو لوگ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی اور ان میں اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ متقی و خداترس نہیں ہیں۔

۳۔ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لئے دو بھائیوں کے درمیان اختلاف و نزاع نہیں ہونا چاہئے، اگر خدانخواستہ ان کے درمیان اختلاف ہو جائے تو دوسرے مومنین پر واجب ہے کہ ان کے درمیان صلح کرائیں۔

۴۔ ہر معاشرہ میں اختلاف ناگزیر ہے، فطری بات ہے، اس سے محفوظ نہیں رہا جا سکتا ایسے واقعہ کے بعد صلح کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ بعبارت دیگر جب تک معاشرہ میں مکمل طور پر امن وامان کی فضا قائم ہے اور کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے اس وقت تک صلح و سلامتی کی اہمیت معلوم نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اگر معاشرہ سے امن وامان ختم ہو جائے اور بجائے وحدت کے تفرقہ پڑ جائے تو صلح وامان کی اہمیت و ضرورت کو ہر شخص محسوس کرے گا۔ اس لئے مذکورہ آیتوں میں اس کی اہمیت و ضرورت کی تاکید کی گئی ہے۔ اسی پر درج ذیل آیت دلالت کر رہی ہے: "وَاطیعوا اللہ ورسولہ ولاتنازَعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین"۔[۴۱]

تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جس معاشرہ نے اختلاف سے پرہیز نہیں کیا اور نزاع و کشمکش میں مبتلا رہا مرور زمانہ کے ساتھ اس کی شان و شوکت ختم ہو گئی یا وہ مکمل طور پر نابود ہو گیا یا دوسری طاقتوں کا غلام بن گیا۔

اس حقیقت کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:

"وَمَا کانَ رَبّکَ لیُھلکَ القریٰ بظلم واھلھا مصلحون۔"[۴۲]

تمہارا پروردگار ان بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک نہیں کرنا چاہتا جس کے باشندے اصلاح کرتے ہوں۔

اس جہاں میں جو الٰہی سنتیں پائی جاتی ہیں ان کے مطابق ہر رونما ہونے والے حادثے کا ایک سبب لوگوں

کے اعمال و کردار ہوتے ہیں۔ اگر کوئی معاشرہ منصف و مصلح ہوگا تو خدا اسے اس کی پوری جزا عطا کرے گا۔
وَالّذین یُمسّکون بالکتاب وَاقاموا الصلوۃ انّا لا نضیع اجر المصلحین۔ (۴۳)
جو لوگ خدا کی کتاب سے تمسک رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں (ان کا بڑا اجر ہے کیونکہ) ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ہیں۔
۵۔ صلح کروانے اور اصلاح کرنے کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو ترک کرنے کی قسم کھائے تو اس قسم کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اگر کوئی اصلاح کر سکتا ہے تو وہ قسم کو بہانہ بنا کر اصلاح کو ترک نہیں کر سکتا۔

۲/۲۔ صلح کی اہمیت روایات کے تناظر میں

اس حصہ میں ہم اختصار کے ساتھ ان روایات کو سپردِ قلم کر رہے ہیں جو رسول اور ائمہ اطہارؑ سے نقل ہوئی ہیں۔
صلح کرانے اور امن و سکون کا ماحول بنانے کو خدا اور اس کے رسولؐ نے پسندیدہ قرار دیا ہے اس کا اظہار آپؐ نے اپنے صحابی "ابوایوب" سے اس انداز میں کیا تھا:
یَاَبَا ایّوب الا ادلک علی عَمَل یَرضاہُ اللہ و رسولہ قال بلیٰ قال تصلح بین الناس اذا تُفَاسَدوا و تُقَارِبُ بینَھُم اذا تباعَدُوا۔ (۴۴)
اے ابوایوب! کیا میں اس عمل کی طرف تمہاری رہنمائی کروں جس سے خدا اور اس کا رسول راضی ہوں؟ عرض کیا: ضرور بتایئے۔ فرمایا: جب لوگوں کے درمیان فساد ہو اور ان میں دشمنی ہو تو ان کے درمیان صلح کرادو اور جب ان میں دوری ہو تو ان کے درمیان قربت ایجاد کرو۔
اسی مفہوم کو دوسرے طریق و سند کے حوالہ سے بھی فرمایا ہے۔
"یَاَبَا ایوب الا ادلک علیٰ صدقۃ یُحبّھا اللہ و رسولہ تصلح بین الناس اذا تباغضوا و تُفاسدوا۔" (۴۵)
اے ابوایوب کیا میں تمہاری ایسے صدقہ کی طرف رہنمائی کروں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو پسند ہے جب لوگ ایک دوسرے کے بغض میں مبتلا ہوں اور ان میں فساد برپا ہو تو ان میں صلح کرادو۔
ابودرداء کی روایت کے بھائی رسولؐ نے فرمایا:
الا اخبرکم بافضل من درجۃ الصیام والصدقۃ والصلوٰۃ قالوا بلیٰ یا رسول اللہ! قال صَلاحُ ذاتِ البین وفساد ذاتِ البین وھی الحالقۃ۔

کیا میں تمہیں روزہ، صدقہ اور نماز سے افضل عمل سے آگاہ کروں؟ عرض کیا: ارشاد ہو اے اللہ کے رسولؐ! فرمایا: لوگوں میں صلح کرانا کیونکہ لوگوں کا آپسی ٹکراؤ ان کو نابود کرنے والا ہے۔[۴۶]

حضرت امیر المومنینؑ نے صلح کے بارے میں نہج البلاغہ میں تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

أُوصِيكُما وَجميعِ ولدِ واَهلِي وَمَن بَلَغَهُ كِتَابِي بتقوىٰ الله وَنَظْمِ اَمرِكُم وصلاحِ ذاتِ بينكم فإنّي سمعتُ جَدَّكما صَلى اللهُ عليه وآلِه يقول: صَلاح ذاتِ البين أَفضَل من عامة الصلوٰة والصيام۔

تم دونوں (حسن و حسین) کو اور میرے دوسرے تمام بیٹوں کو اور میرے اہل خانہ کو اور جس تک میرا یہ نوشتہ پہنچے اسے میری وصیت ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں، اپنے امور کو منظّم کریں اور آپس کی رنجشوں کو ختم کرنا عام روزہ نماز سے افضل ہے۔[۴۷]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: صَدَقَةٌ يحبها الله اصلاح بَيْنَ الناس إذا تفاسَدُوا وَتَقارَبَ بينهم إذا تَباعدوا۔[۴۸]

جس صدقہ کو خدا دوست رکھتا ہے وہ لوگوں کی اصلاح کرتا ہے جب ان کے درمیان اختلاف و دوری ہو جائے اور جب وہ ایک دوسرے سے دور ہو جائیں تو انھیں ایک دوسرے سے قریب لاؤ۔

اہم ہدایات

آیات و روایات کے مجموعہ سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ معاشرہ میں صلح واصلاح ناگزیر ہے اگر اصلاح نہیں کی جائے گی اور لوگوں کا آپسی اعتماد بحال نہیں ہوگا تو مذہب اور تہذیبی اختلاف کا مداویٰ نہیں ہوگا۔ نتیجہ میں معاشرہ کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

آیات و روایات کے احکام پر عمل کرنا تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے مگر افسوس کہ آج نام نہاد مسلمانوں کا ایک گروہ دوسرے مسلمانوں کو اسلام سے خارج قرار دیتا ہے اور چونکہ دوسرے مسلمان اس گروہ کے عقائد کو قبول نہیں کرتے اس لئے وہ انھیں کافر کہتا ہے اور ان کی جان و مال کو مباح سمجھتا ہے۔

اس عہد میں وہابی ٹولہ، داعش کی شکل میں ظاہر ہوا ہے اور اسلامی ممالک میں دسیوں لاکھ مسلمانوں کی جان کے لئے خطرہ بن گیا ہے وہ ہر روز بے رحمی کے ساتھ مردوں، عورتوں یہاں تک کہ بچوں کا قتل عام کرتا ہے اس کے باوجود خود کو مسلمان اور رسولؐ کا سچا پیروکار کہتا ہے۔

وہابیت اور داعش انسانیت کے لئے ایک فتنہ ہیں کہ جس میں آج اسلامی معاشرہ مبتلا ہے وہ امت کی اصلاح کے نام پر اسے برباد کر رہے ہیں قرآن مجید ایسے فتنہ انگیز اور تکفیری عناصر سے جنگ کرکے اصلاح کرنے

کو لازم و ضروری جانتا ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لاتكون فِتْنَةٌ وَيَكُونُ الدِّينُ كُلُّه لله فان انتهوا فانّ الله بما يعملون بصير"۔[۴۹]

ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور سارا دین اللہ کا ہو جائے، پھر اگر وہ (کفر) سے باز آجائیں تو بیشک خدا ان کے عمل کو دیکھ رہا ہے۔

۳۔ صلح کے طریقے اسلام کے تناظر میں

صلح، انسانوں کی باہمی مسالمت آمیز اور کدورت سے پاک زندگی کا ماحصل ہے۔ مفہوم صلح، مختلف موارد میں خاندان، دین یا ادیان کے پیروں نیز بین الاقوامی سطح پر قابل انطباق ہے۔ مقدس دین اسلام ان تمام موارد میں صلح کو خاص اہمیت دیتا ہے۔ قرآن مجید نے مختلف مواقع پر اس بات پر زور دیا ہے اور مسلمانوں کو صلح کرانے کا حکم دیا ہے۔

چونکہ خاندان میں صلح ہماری بحث سے خارج ہے اس لئے اس کی تفصیل و توضیح سے چشم پوشی کرتے ہوئے دوسرے موارد سے بحث کرتے ہیں:

۱/۳۔ صلح، اجتماعی سطح پر

معاشرہ اور سماج کا دائرہ خاندان سے بڑا ہے چونکہ معاشرہ، اقوام، گروہوں اور مذاہب سے تشکیل پاتا ہے، سماج میں مختلف آداب و رسم و رواج اور افکار و نظریات پائے جاتے ہیں یہ بھی فطری بات ہے کہ جس معاشرہ میں متعدد تہذیب و تمدن، رسم و رواج کے پابند اور مختلف مذاہب کے ماننے والے ہوں گے ان کے درمیان کسی نہ کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوگا اور نتیجہ میں ان کے درمیان ٹکراؤ ہوگا، چنانچہ ایسے معاشروں میں سخت لڑائی اور ناقابل تلافی خونریز جنگیں بھی ہوئی ہیں بلکہ ایک نے دوسرے کو کافر بھی کہا ہے۔

چونکہ معاشرہ کے اجتماعی امن وامان اور بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں اتحاد و ہمدلی کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اختلافات اور نفرتوں سے پرہیز کیا جائے۔ صلح و آشتی سے اختلاف، اتحاد و ہمدلی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید نے صلح و آشتی اور امن و تفاہم کی فضا قائم کرنے کے لئے کچھ اصول بیان کئے ہیں مقالہ کے آخر میں ہم ان کی طرف اشارہ کریں گے۔

۳/ ۲۔ صلح، عالمی معاشرہ کی سطح پر

عالمی معاشرہ، ان معاشروں سے مل کر بنتا ہے جو اس کرۂ ارض پر زندگی گزارتے ہیں، ان کے مجموعہ کو عالمی معاشرہ کہتے ہیں۔ معلومات کے جو اسباب آج وجود میں آگئے ہیں ان سے دنیا عملی طور پر ایک گاؤں میں تبدیل ہو گئی ہے۔

معاشرہ چند اعتبار سے قابل تقسیم ہے ان میں سے ایک تقسیم دین و تہذیب کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

اس تقسیم میں درج ذیل دو گروہ آتے ہیں:

الف: اسلامی معاشرہ، اسلامی معاشرہ سے مراد وہ معاشرے ہیں جو دین اسلام کے پیرو ہیں اس تقسیم میں زبان اور جغرافیہ کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا ہے۔

ب: غیر اسلامی معاشرہ، یعنی وہ معاشرے جو اسلامی معاشرہ کے علاوہ تمام ادیان کے ماننے والے ہیں یا ان ادیان میں سے کسی بھی دین کو نہ مانتے ہوں۔

۳۔ ۲۔ اسلامی معاشرہ میں صلح قائم کرنے کے اصول

معاشرہ اور ملک میں موجود اقوام، جماعتوں اور مذاہب کے درمیان صلح وآشتی قائم کرنے کے سلسلہ میں قرآن مجید اور روایات میں متعدد طریقے بیان ہوئے ہیں، اس حصہ میں ہم انھیں فہرست کی صورت میں پیش کرتے ہیں:

۳/۲/۱/۱۔ اختلاف کے نتائج کی وضاحت

صلح وآشتی قائم کرنے کا پہلا طریقہ، امّتِ اسلامی کے درمیان رونما ہونے والے اختلاف و تفرقہ کے ضرر رساں نتائج کو بیان کرنا ہے۔ درحقیقت یہ طریقہ، مومنوں کے درمیان اختلاف کے سدباب کا اصول بیان کرتا ہے، ارشاد ہے:

"وَاطیعوا اللہ ورَسولہ ولا تَنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحُکُم واصبروا انّ اللہ مع الصابرین"[۵۰] اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور لڑائی جھگڑا نہ کرو کہ سست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر واستقامت سے کام لو کہ خدا استقامت کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ہر چند یہ آیت اختلاف سے بچنے اور دشمن سے مقابلہ کے بارے میں ہے لیکن آیت اسی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ایک قوم کے اندرونی، قومی، جماعتی اختلافات اور دشمن سے مقابلہ کے تمام مواقع کے بشمول ہے

اس آیت میں اختلاف کے دو نتیجے بیان ہوئے ہیں یعنی "فتفشلوا وتذهب ريحكم" سستی پیدا ہو جائے گی اور رعب ختم ہو جائے گا۔

لغت میں "فشل" کے معنی بزدلی اور کمزوری کے ہیں۔[۵۱] اس کا نتیجہ دشمن کے مقابلہ میں سست ہونا ہے اور "ریح" کے معنی لغت میں چلتی ہوئی ہوا کے ہیں۔ لیکن یہاں اس کے کنائی معنی غلبہ و فتحیابی ہے[۵۲] یعنی اگر دشمن کے مقابلہ میں اتحاد کو برقرار رکھا جائے تو فتح کا تحفہ ملے گا اور اختلاف رونما ہوگا تو اس کا نتیجہ سو فیصد شکست ہوگا۔

شیعہ و سنی مفسرین نے "اذھاب ریح" کے معنی ارادہ و اختیار، عزت و شوکت، دولت و پائیدار[۵۳] قوت و قدرت[۵۴] اخوت و برادری،[۵۵] وحدت و ہمدلی[۵۶] اور فتح و کامیابی تحریر کئے ہیں۔[۵۷] ایسا لگتا ہے یہ تمام معانی "اذھاب ریح" کا مصداق ہیں کیونکہ اگر بیرونی دشمن کے مقابلہ میں اختلاف ختم نہیں کیا جائے گا اور صلح و اتحاد نہیں کیا جائے گا تو مذکورہ تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی اور دشمن کے مقابلہ میں یقینا شکست ہوگی۔

۳/ ۲/ ۱/۲۔ اسلامی اخوت کی ترویج

اس میں شک نہیں ہے کہ پوری تاریخ میں نسل پرستی، قومی دشمنی اور مذہبی تعصب جنگوں کا سبب بنا ہے سوال یہ ہے کہ اس مشکل کے پیش نظر، انسانوں کے ایک دوسرے سے قانونی روابط کے لئے اسلام نے کیا راہِ حل پیش کی ہے؟

قرآن مجید ابتداء ہی میں یہ بات تمام لوگوں کے گوش گزار کرتا ہے کہ خدا کے نزدیک تم سب محترم و مکرم ہو اور اسی وجہ سے تم خدا کی بہت سی مخلوقات پر فوقیت رکھتے ہو۔

"وَلَقَدْ كَرَّمنا بَنِي آدَمَ وَحَمَلناهُم فِي البرّ والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضّلناهم علىٰ كثير ممن خلقنا تفضيلا"۔[۵۸]

مفسرین کہتے ہیں: انسان کی عظمت و بزرگی یہ ہے کہ خدا نے اسے قوت گویائی، عقل اور تمیز دے کر بہترین زاویہ اور خوبصورت انداز میں پیدا کیا ہے اور اسے روئے زمین کی مخلوقات پر تسلط دیا ہے۔[۵۹]

جب انسان کو تمام مخلوقات پر فوقیت حاصل ہے تو کیا اختلاف و تفرقہ اور خواہشات نفس کی پیروی اس کے لئے اچھی بات ہوگی؟!۔

قرآن مجید بعد والے مرحلہ میں اس کی وضاحت کرتا ہے کہ تمام انسان ایک ماں، باپ کی اولاد ہیں اور

اقوام و قبیلوں میں اس لئے تقسیم ہوگئے ہیں تاکہ پہچانے جائیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کا تقویٰ اختیار کرنے والوں کے علاوہ ایک کو دوسرے پر کوئی برتری نہیں ہے:

"یَاایّھاالنّاس اِنّا خلقناکم من ذکرٍ وانثیٰ وجعلناکم شُعوباً وقبائل لتعارفوا، اِنّ اکرمَکم عنداللہ اتقٰکم ان اللہ علیم خبیر"۔ (۶۰)

اس کے بعد قرآن مجید امت مسلمہ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ تم ایک ہی امت ہو:

"اِنّ ھٰذہٖ اُمّتکم اُمّۃً وّاحدۃً وانا ربّکم فاعبدون"۔ (۶۱)

بیشک یہ تمہاری امت ایک امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری عبادت کرو۔

چوتھے مرحلہ میں مومنوں کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:

"انّما المؤمنونَ اخوۃٌ فَاصلِحُوا بَینَ اَخَوَیکم وَاتّقوا اللہ لعلّکم ترحمون"۔ (۶۲)

حقیقت یہ ہے کہ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور خدا سے ڈرو! امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ اس آیت میں مومنوں سے مراد تمام مسلمان ہیں۔ شیعہ و سنی مفسرین نے اس آیت سے ہر زمانہ میں اصلاح و صلح کو مسلمانوں کے لئے لازم جانا ہے، چنانچہ انہوں نے اس کی تصریح کی ہے:

شیخ طوسیؒ اس جملہ "اِنّما المومنون" کے بارے میں فرماتے ہیں: " الّذین یُوحّدون اللہ تعالیٰ ویعملون بطاعاتہ ویقرون بنبوّۃ نبیہ ویعملون بما جآءَ بہ"۔ (۶۳) مومن وہ لوگ ہیں جو خدا کی وحدانیت کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں، اس کے رسول کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں، اور جو احکام وہ خدا کی طرف سے لائے ہیں ان پر عمل کرتے ہیں۔

معاصر مفسر آیت اللہ العظمیٰ مکارم شیرازی فرماتے ہیں: یہ جملہ بنیادی نعرہ ہے جو اسلامی رنگ لئے ہوئے ہے، بہت رسا نعرہ ہے عمیق و موثر اور پر معنی ہے۔ دوسرے جب اپنے ہم مسلک لوگوں سے اظہار محبت و ہمدردی کرتے ہیں تو انھیں رفیق کہتے ہیں لیکن اسلام نے مسلمانوں کی دوستی کے رشتہ کو اس قدر بلندی پر پہنچادیا ہے کہ دو (مختلف نسل و زبان کے) انسانوں کو قریبی رشتہ سے یاد کرتا ہے مساوات و برابری کے رشتہ کی بنیاد پر یاد کرتا ہے اور وہ ہے دو بھائیوں کا رشتہ، اس اسلامی اصل کی بنیاد پر ہر نسل، ہر قبیلہ، ہر سن و سال اور کسی بھی زبان کے مسلمان مضبوط رشتہ و برادری کا احساس کرتے ہیں خواہ ان میں سے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں زندگی گزارتا ہو۔ (۶۴)

اہل سنت دانشور محمد بن ابوبکر زرعی اس آیت کی بنیاد پر اصلاح پسندی کے بارے میں جمہور اہل سنت کے عقیدہ کو بیان کرتے ہیں:

والجمہور یقولون: قد دَلّ الکتاب والسنّۃ والقیاس علیٰ صحۃ ھذا الصلح فان اللہ سبحانہ تعالیٰ ندب الیٰ الاصلاح بین الناس واخبر انّ الصلح خیر وقال: "انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم"۔ جمہور علماء کہتے ہیں مسلمانوں کے درمیان صلح کے صحیح ہونے پر قرآن، سنت اور قیاس دلالت کرتا ہے، کیونکہ خدا نے لوگوں کو اصلاح کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ صلح بہر طور خیر ہے۔ فرمایا: مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں اپنے بھائیوں کی اصلاح کرو۔[۶۵]

بنا براین، آیت کے پہلے جملہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں، ان کے درمیان لڑائی جھگڑا، ایسا ہی ہے جیسے دو حقیقی بھائیوں میں نااتفاقی ہو جاتی ہے، اس لئے بہتر نہیں ہے کہ دو بھائیوں میں نزاع ہو ان کی زندگی کے صحیفہ کا عنوان صلح ہونا چاہئے نہ کہ اختلاف۔

رسولؐ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔ رسولؐ کی یہ حدیث فریقین کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: رسولؐ نے حجۃ الوداع میں خطبہ دیا اور بہت اہم باتیں بیان کیں منجملہ ان کے فرمایا: "المسلمون اخوۃٌ تتکافی دَماؤھم یسعی بذمّتھم اَدناھم ھم ید علیٰ من سواہ"[۶۶] مسلمان آپس میں بھائی ہیں، ان کا خون برابر ہے ان میں سب سے چھوٹے کا معاہدہ بھی سب کا معاہدہ ہے، غیروں کے مقابلہ میں انھیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے۔

دوسری سند میں امام صادقؑ سے ہی منقول ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:" المومنون اخوۃ تتکافی دِماؤھم۔۔۔[۶۷] (مومنین بھائی بھائی ہیں ان کا خون برابر ہے۔۔۔)۔

مذکورہ روایت کے علاوہ اہل سنت کے منابع ومدارک میں ابن عباس کے حوالہ سے رسولؐ کی حدیث نقل ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا: "اِنّ کلّ مُسلمٍ اَخو المسلم، المسلمون اخوۃ"[۶۸] مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

حبیب بن خراش سے منقول ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: "المسلمون اخوۃ لا فضلَ لِاَحدٍ علیٰ احد الاّ بالتقویٰ"[۶۹] مسلمان بھائی بھائی ہیں تقویٰ کے علاوہ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے۔

ان آیات و روایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان اور مومنین بھائی بھائی ہیں اور یہ ایک بدن کے اعضاء

کی مانند ہیں لہٰذا ان کے درمیان اختلاف و تفرقہ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کسی سے کوئی خطا ہو جائے تو اس کی اصلاح کی جانی چاہئے کیونکہ برادری کے ساتھ اختلاف اچھا نہیں لگتا۔

قرآن و حدیث کی رو سے ایک راہ حل یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اسلامی و دینی اخوت کو رائج کیا جائے۔ اس قرآنی مفہوم کی روشنی میں وہ ایک دوسرے کی حرمت و عزت کی حفاظت کر سکتے ہیں اور برادری کے اس رشتہ کو اور محکم بنا سکتے ہیں۔

رسولؐ کی سیرت میں دینی اخوت و برادری کی خاص اہمیت ہے۔ اسی لئے آپ نے مکہ و مدینہ میں اپنے اصحاب کے درمیان اخوت قائم کی تھی۔

۳/۱/۲/۳۔ دو لڑنے والوں میں صلح کرانا

تاریخی حوادث پر توجہ رکھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف و نزاع ایک ناگزیر امر ہے، ایسے حالات میں قرآن مجید ان کے درمیان ثالثی کرنے اور صلح و آشتی قائم کرنے کو واجب جانتا ہے چنانچہ متعدد آیتوں میں اس کی تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"وَاِنْ طائِفَتانِ من المُؤمنٰین اقتتلوا فاصلِحُوا بینهما فاِن بغَت احدَاهُما علیٰ الاخریٰ فقاتلوا التی تبغِی حتّی تفیءَ الیٰ امر الله فان فاءَت فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا انّ الله یُحِب المقسطین۔" (۷۰)

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو ان کے درمیان صلح کرا دو اور اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے تم سب جنگ کرو۔ یہاں تک وہ حکم خدا کی طرف لوٹ آئے، اگر حکم خدا کی طرف لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرا دو بیشک خدا عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت میں خدا نے لفظِ "فاصلحوا" کو دو بار استعمال کرکے صلح کرانے کو ضروری قرار دیا ہے۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے: "انّما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم واتقوا الله لَعَلّکم ترحمون" (۷۱)

مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں ان میں صلح کرا دو، امید ہے کہ اس سے تم پر رحم کیا جائے۔

نیز فرماتا ہے: "فاتّقوا الله واَصلِحوا ذات بینِکم واطیعوا الله ورسوله ان کنتم مومنین"۔ (۷۲)

ان دونوں آیتوں کی شانِ نزول پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ یہاں اُن دو اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو آیتوں سے سمجھ میں آتی ہیں:

۱۔ اس آیت کا مفہوم (حکم) شانِ نزول ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ یہ عام حکم ہے اور ہر زمانہ کے لئے ہے۔

صحابی رسولؐ اور بڑے مفسر، ابن عباس اسی بات کے ذیل میں اس بات کی تاکید کرتے ہیں اور کہتے ہیں:
"ھٰذا تحریج مِنَ اللہ علی المومنین ان یتّقوا ویصلحوا ذات بینکم۔"[۷۳] خدا کی طرف سے مومنوں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں اور اپنے درمیان صلح واصلاح کو رواج دیں۔
یہاں تک کہ ابن تیمیہ بھی اس آیت کی بنیاد پر مسلمانوں کے درمیان دلی محبت اور اصلاح کی تاکید کرتے ہیں اور آیت کے مضمون کو اس کی شانِ نزول میں محدود نہ سمجھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:
وتَعلمون انّ من القواعد العظیمة الّتی ھی من جماع الدین تالیف القلوب واجتماع الکلمة وصلاح ذات البین فان اللہ تعالی یقول "فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم۔۔۔" وامثال ذلک من النصوص التی تامر بالجماعة والائتلاف وتنھی عن الفرقةِ والاختلاف۔[۷۴]
آپ لوگ جانتے ہیں کہ جو بنیادی چیزیں اجتماع واتفاق کا سبب ہوتی ہیں وہ قلبی محبت، وحدت کلمہ، لوگوں کے درمیان صلح وآشتی اور اصلاح ہے کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے: تقویٰ اختیار کرو، لوگوں کے درمیان صلح کراؤ، اس کے علاوہ اور بہت سی نصوص ہیں جو اتفاق واتحاد کا حکم دیتی ہیں اور تفرقہ واختلاف سے روکتی ہیں۔
۲۔ جس اسلامی معاشرہ میں اخوت ویک رنگی پائی جاتی ہے اس میں صلح وآشتی کی ضرورت ہے کیونکہ دینی اخوت وبرادری اختلاف سے میل نہیں کھاتی۔
۳۔ صلح کے علمبرداروں پر واجب ہے کہ مسلمانوں کے اختلافات کو حل کریں کیونکہ اول تو اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں کی عزت وعظمت اور شان وشوکت برباد ہوجاتی ہے دوسرے اگر کسی معاشرہ میں اصلاح اور اصلاحی عمل انجام نہیں پاتا ہے۔ وہ سنت الٰہی کے مطابق عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید فرماتا ہے: "وَمَا کان ربّک لیھلک القریٰ بظلم واھلھا مصلحون"[۷۵] خداوند عالم کسی قوم وملت اور شہر وبستی کو ظلم سے نابود نہیں کرتا ہے اگر اس میں اصلاح کرنے والے ہوں۔

۲/۱/۲/۳۔ مشترک اقدار کی تاکید

قرآن کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ صلح وآشتی اور اتحاد اسلامی کو رائج کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے درمیان مشترک اقدار پر زور دیا جائے اور ان میں سے بعض کو بیان کیا جائے۔

۳/۲/۱/۴۔اصول دین اور اسلامی اصول میں مسلمانوں کی وحدت

اسلامی مذاہب کے درمیان بہت سے اصول دین جیسے توحید، نبوت، قیامت اور فروعِ دین مشترک ہیں اگر وہ لوگ ان مشترک اقدار پر تمرکز کریں اور اپنے اختلافی مسائل کو علمی گفتگو کے ذریعہ حل کریں تو ان کے لڑائی جھگڑے ختم ہو جائیں اور صلح واتحاد کا ماحول بن جائے۔

اصول وفروع دین میں اسی اشتراک کی بنیاد پر قرآن ساری اسلامی امتوں کو امت واحدہ قرار دیتا ہے۔ اور فرماتا ہے: "انّ ھٰذہ اُمّتکم اُمّۃً واحدۃً وانا ربّکم فاعبدون"[۷۶] اس آیت کا دوسرا جملہ بھی مسلمانوں کے مشترک توحیدی اعتقاد کو بیان کرتا ہے۔

۳/۲/۱/۴/۲۔قرآن مجید اور اہل بیتؑ سے وابستگی بھی مسلمانوں کے اتحاد کا سبب۔

رسولؐ کے اہل بیتؑ سے محبت بھی مسلمانوں کے درمیان قدر مشترک ہے یہ بھی مسلمانوں اور اسلامی مذاہب کے پیرووں میں صلح وآشتی کا باعث ہو سکتی ہے۔ رسولؐ نے اپنے اہل بیتؑ سے محبت کو اپنی رسالت کا اجر قرار دیا ہے:

"قُل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودّۃ فی القربیٰ ومن یقترف حسنۃً نزد لہ حُسناً ان اللہ غفورٌ شکور۔"[۷۷]

"لاأسئلکم" کی ضمیر مسلمانوں کی طرف پلٹتی ہے اس سے کسی خاص طبقہ کا مخصوص مذہب مراد نہیں ہے بلکہ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے رسول! ان مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا ہوں مگر یہ کہ تم میرے قرابتداروں سے محبت کرو۔

اہل بیتؑ سے وابستگی، وحدت وہمدلی کا محور، ہدایت کا سبب اور خدا کے سیدھے راستہ پر قائم رہنے کا باعث ہے۔ اس لئے رسولؐ نے بارہا مسلمانوں سے یہ فرمایا کہ قرآن اور میرے اہل بیتؑ سے تمسک کرو، غدیر خم میں فرمایا:

"انّی قَد ترکتُ فیکم ما اِن اخذتُم بہِ لن تَضِلّوا بعدی الثقلین احدھما اکبر منَ الاخر کتاب حَبلٌ ممدود من السماء الی الارض وعِترتِی اھلَ بیتی الا وانّھا لَن یفتَرقَا حتی یردا علی الحوض"۔[۷۸]

میں نے تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑی ہیں ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے اگر تم لوگ ان سے وابستہ رہوگے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے ایک کتاب خدا ہے جس کا سلسلہ آسمان سے زمین تک ہے دوسری میری عترت ہے جو میرے اہل بیت ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ یہ دونوں جب تک میرے پاس

حوض کوثر پر نہیں پہنچیں گے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔
بعض روایات میں لفظ ثقلین کی جگہ "دو خلیفہ" یعنی جانشین کی لفظ آئی ہے:
"انّی تارکٌ فیکم خلیفتین کتاب اللہ حَبلٌ ممدودٌ ما بین السماء والارض او مِنَ السماء الی الارض وعترتی اھل بیتی وانھما لن یتفرقا حتّی یردا علیّ الحوض"۔ (۷۹)
روایات کی رو سے قرآن مجید کی طرح اہل بیتؑ بھی حبل اللہ ہیں خدا نے ان سے وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے:
"وَاعتصِموا بحَبل اللہ جمیعاً ولا تفرّقوا واذکُروا نِعمَتَ اللہ علیکم اذ کنتُم اَعداءً فالّفَ بین قلوبکم فاصبحتم بِنعمتِہ اِخواناً۔۔۔"(۸۰)
اہل سنت کے مفسر "ثعلبی" نے نقل کیا ہے کہ امام صادقؑ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: نحن حبلُ اللہ الذی قال اللہ "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا"(۸۱) اس آیت میں حبل اللہ سے مراد ہم ہیں۔

۱/۲/۳۔ مناظرہ اور شائستہ طریقہ سے علمی گفتگو

تاریخ اسلام اور اسلامی فرقوں کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ گذشتہ زمانہ سے آج تک مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان بعض دینی و اعتقادی مسائل میں اختلاف چلا آرہا ہے بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض مذاہب کے ماننے والوں نے اپنے عقائد کے اثبات کے لئے، دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے مقدسات کی توہین کی، مذاق اڑایا اور انھیں کافر تک کہا ہے۔ اس کا واضح نمونہ وہابی ہیں۔ یہ لوگ اپنی تحریروں تقریروں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے ذریعہ صرف شیعوں ہی کو نہیں بلکہ ان تمام مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں جو ان کے عقیدہ کے مخالف ہیں اور روز بروز دیگر مذاہب دینی و عقیدتی مسائل کا تحلیل و تجزیہ ذرائع ابلاغ کے ذریعہ نشر کرتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف و نفاق کا بیج بوتے ہیں اور بسا اوقات انھیں ایک دوسرے کی جان کا دشمن بنا دیتے ہیں۔
ان حالات کے پیش نظر ضروری ہے کہ مذاہب کے ہوشیار علماء، دانشور اور سربراہ ایسے مسائل کو عالمانہ عادلانہ اور شائستہ گفتگو کے ذریعہ حل کریں اور دیگر مذاہب کے دینی مقدسات کی اہانت کا سدّباب کریں۔
ایسے حالات میں قرآن مجید "جدال احسن" بہترین طریقہ سے گفتگو کو راہِ حل بتاتے ہوئے۔ فرماتا ہے:
"ادع الیٰ سبیلِ ربّک بالحِکمۃ والموعظۃِ الحسنۃِ وجادِلھُم بالّتی ھی احسن۔۔۔"(۸۲)
ان کو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے شائستہ طریقہ سے

بحث کرو۔

اسی طرح اہل کتاب سے گفتگو کے بارے میں فرماتا ہے:

"وَلا تجادِلوا اَهلَ الکتاب اِلا بالتی هِیَ احسن"[۸۳] اہل کتاب سے شائستہ طریقہ سے بحث کرو۔

قرآن مجید مسلمانوں کو ناشائستہ گفتگو، گالم گلوج کرنے اور دوسرے مذاہب کے مقدسات کو برا بھلا کہنے سے روکتا ہے اور فرماتا ہے:

"وَلا تَسُبّوا الذین یَدعونَ مِن دون الله فیسبّوا الله عَدْوًا بغیر علم"۔[۸۴]

اور جو لوگ خدا کو چھوڑ کر اوروں کو پکارتے ہیں انھیں بُرا نہ کہو کیونکہ وہ دشمنی اور نادانی میں خدا کو بُرا کہیں گے۔

ہر چند ان آیتوں کی شانِ نزول صدر اسلام کے مسلمانوں اور بت پرستوں کے درمیان ہونے والی منطقی گفتگو ہے لیکن (اس کا یہ سبق) اسی موقع سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ یہ مذہب اسلام کے درمیان ہونے والی گفتگو کو بدرجہ اولیٰ شامل ہے۔ اس بنا پر اختلاف کا بہترین حل ایک دوسرے کے مقدسات کی اہانت سے بچتے ہوئے علمی و منطقی گفتگو ہے کیونکہ اس صورت میں مسلمانوں کی وحدت بھی محفوظ رہے گی اور علمی طریقہ سے اختلاف بھی ختم ہو جائے گا اور معاشرہ سے ارتداد و تکفیر کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔

۶/۱/۲/۳۔ مذاہب کو کافر کہنے سے پرہیز

صلح و آشتی قائم کرنے کے لئے قرآن مجید کا دوسرا اصول یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کو کافر کہنے سے پرہیز کریں۔ دینی متون کے لحاظ سے جو بھی خدا کی وحدانیت، محمدؐ کی رسالت اور روز قیامت (حشر و نشر) کا اعتقاد رکھتا ہے وہ مسلمان ہے اور اس کی جان و مال اسلام کی پناہ میں محترم و محفوظ ہے۔ اس لئے قرآن نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ: میں مسلمان ہوں تو اس پر کفر کی تہمت مت لگاؤ:

"یا ایّها الذین اٰمنوا اذا ضربتم فی سبیل الله فتبینوا ولا تقولوا لِمَن القی الیکم السلام لَستَ مومناً تبتغون عَرَضَ الحیاة الدنیا فَعِند الله مغانم کثیرة کذٰلک کنتم من قبل فمنّ علیکم فتبیّنوا انّ الله کان بما تعملون خبیر"۔[۸۵]

ایمان لانے والو! جب تم راہِ خدا پر چلو اور جہاد کے لئے سفر پر جاؤ، تو اچھی طرح تحقیق کرو۔ اور دنیا کا ناپائدار سرمایہ (مال غنیمت) حاصل کرنے کے لئے صلح و سلامتی کا اظہار کرنے والے کو یہ نہ کہو: "تم

مسلمان نہیں ہو" کیونکہ خدا کے یہاں تمہارے لئے بہت زیادہ غنیمت ہے۔ اس سے پہلے تم ایسے ہی تھے خدا نے تمہارے اوپر احسان کیا (تمہیں ہدایت دی) پس اس عظیم نعمت کے شکرانے میں، تحقیق کرو، خدا تمہارے اعمال سے اچھی طرح واقف ہے۔

یہ آیت راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کو یہ حکم دیتی ہے کہ اگر جنگ میں تمہارا مد مقابل مسلمان ہو جائے اور ایمان لے آئے تو اس کے مال کو غنیمت کے طور پر لینے کے لئے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔ یعنی اسے کافر نہ کہو۔ اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو لوگ مسلمان ہیں انھیں کافر کہنا بدرجہ اولیٰ منع ہے۔ جیسا کہ بعض شدت پسند اہل سنت اور وہابی ٹولے اپنے عقائد کے سبب شیعوں کو کافر کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں دوسرے حصہ میں مزید وضاحت کی جائے گی۔

اسلامی منابع میں وارد ہونے والی روایات کے مطابق صرف اسلام قبول کرنا نئے مسلمان کے جان ومال کی حفاظت کا سبب ہوتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

اَلاِسلامُ یُحقِنُ بِہِ الدَّم وتودّی بِہِ الاَمَانَۃ وَتستحل بِہِ الفروُجُ والثّوابُ علی الایمان۔[۸۶]

اسلام سے مسلمان کے خون کی حفاظت ہوتی ہے، امانت ادا کی جاتی ہے، ازواج حلال ہوتی ہیں لیکن ثواب ایمان پر ملتا ہے۔ آپ ہی کا ارشاد ہے: الاسلامُ شَھَادَۃُ ان لا الٰہ الا اللہ والتَّصدیق برسول اللہ بہ حقِنَتِ الدِّماء وعلیہ جَرَتِ المناکحُ والمَوارِیثُ وَعَلیٰ ظاھرِہِ جماعۃ النّاس۔[۸۷]

اسلام یعنی یہ گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ رسولؐ خدا کی رسالت کی تصدیق کرنا، اسلام کے ذریعہ مسلمانوں کا خون محفوظ ہو جاتا ہے اسی بنیاد پر شادی بیاہ ہوتے ہیں اور میراث تقسیم ہوتی ہے اور عام لوگ بھی ظاہر اسلام کے مطابق چلتے ہیں۔

اہل سنت کی کتابوں میں نقل ہوا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

"اُمِرتُ اَن اُقَاتِلَ النّاس حتّی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فاذا قالوا لا الٰہ الا اللہ عصموا منّی دَمَاءھم واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللہ"[۸۸] مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں کافروں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ خدا کی وحدانیت کا اقرار نہ کرلیں جب وہ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرلیں گے تو میری طرف سے ان کی جان ومال محفوظ ہو جائیں گے مگر یہ کہ کوئی دوسرا سبب پیدا ہو جائے۔ اور ان کا حساب خدا کے اوپر ہے۔

انھیں روایات کے مطابق سنّی اور شیعہ علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ زبان پر کلمہ جاری کرتے ہیں وہ مسلمان ہیں اور ان کے بارے میں تمام اسلامی احکام جاری ہوں گے۔

شہید اول، مسلمان کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"والمراد بالمسلم مَن اظهر الشهادتين ولم يجحد ما علم ثبوته من الدين ضرورة"۔ (۸۹)

مسلم سے مراد وہ شخص ہے جو دو شہادتوں، خدا کی وحدانیت، رسولؐ کی رسالت، کا اظہار کرے اور جن چیزوں کو دین کی ضروریات قرار دیا گیا ہے، ان کے ضروری ہونے کے یقین کے ساتھ، ان کا انکار نہ کرے۔

امام خمینیؒ مذکورہ بالا روایات کے بعد فرماتے ہیں:

اِنّ الاسلام عبارة عن الشهادتين وبِهما حقنت الدّماء وجرت الاحكام وان كان الثواب على الايمان والفضل له۔ (۹۰)

اسلام خدا کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کی گواہی دینے سے عبارت ہے، جو شخص یہ گواہی دے گا اس کا خون محفوظ ہے اور اس پر اسلامی احکام جاری ہوں گے یہ الگ بات ہے کہ اجر و ثواب ایمان کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔

اہل سنت کے ایک عالم "قرطبی" لکھتے ہیں:

"وامّا الاسلام فقبول ما اتى به النبى فى الظاهر وذالك يحقن الدّم" (۹۱) اسلام رسولؐ کی ان تمام چیزوں کو قبول کرنا ہے جو آپؐ خدا کی طرف سے لائے ہیں اور اسی چیز سے مسلمان کے خون کی حفاظت ہوتی ہے۔

قرآن اور روایات کی ان تعلیمات کی بنیاد پر، مسلمان کو کافر کہنا قرآن، رسولؐ اور اہل بیتؑ کی روایات کے خلاف ہے۔

۲/۲/۳۔ عالمی معاشرہ میں صلح کا طریقہ

ابھی تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ صرف امت مسلمہ کے درمیان صلح کرانے کے طریقہ کے بارے میں تھا، اس کی دوسری قسم عالمی پیمانہ پر صلح کرانا ہے ہم جانتے ہیں کہ اس وسیع و عریض دنیا میں دین اسلام کے علاوہ دوسرے ادیان بھی ہیں اور دنیا کی آبادی کا کچھ فیصد دوسرے ادیان کے ماننے والے ہیں۔ دین اسلام کے ماننے والے دیگر آسمانی ادیان اور خدا کے انبیاء اور ان کی آسمانی کتابوں کو محترم سمجھتے ہیں لیکن دوسرے ادیان والے اسلام کو خاتم الادیان نہیں مانتے اور محمدؐ کو بھی خاتم الانبیاء نہیں تسلیم کرتے بلکہ آیات قرآنی کی رو سے خود ان کے درمیان اختلاف ہے اور دوسرے ادیان کے ماننے والوں کو کافر کہتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو کافر کہتے تھے جس کو قرآن اس طرح نقل کرتا ہے:

"وقَالتِ اليهودُ ليستِ النصاریٰ علیٰ شیءٍ وقالتِ النصاریٰ ليست اليهود علیٰ شیءٍ وهم يتلون الكتاب كذالك قال الذين لا يعلمون مِثل قَولِهم فالله يَحكُمُ بينهم يومَ القيامة فيما كانوا فيه يختلفون۔"(۹۲)

یہودیوں نے کہا: (خدا کے نزدیک) نصاریٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہے نصاریٰ نے بھی کہا: یہودیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے (وہ باطل پر ہیں) حالانکہ یہ دونوں ہی آسمانی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ انھیں ایسے تعصّبات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ دوسرے نادان لوگ بھی (مشرکوں ہی کی مانند) انھیں جیسی بات کہتے ہیں۔ خدا قیامت کے روز اس چیز کا فیصلہ کرے گا، جس میں یہ اختلاف کرتے تھے۔

مسلمانوں کے نقطہ نظر سے دوسرے ادیان اپنے زمانہ میں برحق تھے لیکن اسلام کے آنے کے بعد وہ منسوخ ہوگئے، اب خدا کے بندے ان پر عمل نہیں کرتے، دیگر ادیان کے ماننے والے ایک دوسرے کو حق پر سمجھتے ہیں اور مد مقابل کو حق پر نہیں مانتے ہیں، اسی چیز سے مشکلیں کھڑی ہوتی ہیں آج کی دنیا میں بھی ہم اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ کبھی ادیان کے درمیان خونریز جنگیں بھی ہوتی ہیں، جبکہ بشر کو امان و سکون کی ضرورت ہے اور پرسکون ماحول، مسالمت آمیز اجتماعی زندگی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

امن وامان قائم کرنے اور ادیان و مذاہب کے درمیان صلح کرانے کے لئے قرآن مجید نے کچھ اصول اور طریقے پیش کئے ہیں ان میں سے بعض کو ہم اس حصہ میں بیان کریں گے۔

۳/۲/۲/۱۔ دین و عقیدہ کے انتخاب کی آزادی

قرآن کے تناظر میں، اسلام خدا کا آخری دین ہے اور یہی تمام انسانوں کے لئے لائق تاسّی ہے گوناگوں آیتوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ رسولؐ آخری نبی ہیں۔ ان کی رسالت عالمی ہے اور قرآن خدا کے تمام بندوں کے لئے آخری ضابطہ حیات ہے۔

پہلی آیت: "ما كان محمدٌ اَبا أحدٍ من رجالكم ولكن رسولَ الله وخاتم النبيين وكان الله بكلِ شئ عليما"۔(۹۳)

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور خدا ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

دوسری آیت: "وَاُوحِيَ اِلَيّ هٰذاالقرآن لانذركم به ومن بلغ"۔(۹۴)

اور اس قرآن کی مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے تاکہ میں تم سب کو اور ہر شخص کو ڈراؤں جس تک قرآن پہنچے۔

تیسری آیت: "تَبارکَ الذی نَزَّلَ الفُرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیراً"۔ (۹۵)
بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ (رسول) پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ سارے جہانوں کے لوگوں کو ڈرائیں۔
چوتھی آیت: "وَمَا اَرسلناکَ الا کافّۃً للناس بشیراً ونذیرا"۔ (۹۶) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔
پانچویں آیت: "قُل یاایّھا الناس انّی رسولُ اللہ الیکم جمیعا۔ "(۹۷)
اے رسول! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔
دین اسلام، آخری دین ہے، اس کی کتاب آخری دستور العمل ہے اور اس کے پیغمبر، خاتم الانبیاء ہیں، قرآن مجید دین اسلام کو زبردستی قبول کرنے کو نہیں کہتا ہے "لااِکراہَ فی الدِین قد تبیّن الرّشد مِنَ الغیِ" (۹۸)
دین اسلام کو قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں ہے (کیونکہ) صحیح راستہ گمراہی سے جدا ہو چکا ہے۔ اس بناپر عقیدہ کے انتخاب اور دین اسلام کی پیروی کرنے میں کوئی شخص مجبور نہیں ہے۔
اس آیت کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے درج ذیل چند نکات کا ذکر ضروری ہے:
۱۔ دین اسلام کو قبول کرنے میں زبردستی نہیں ہے، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسرے ادیان برحق ہیں یا ان کے پاس بھی انسان کی ابدی واخروی کامیابی کے لئے کوئی منصوبہ ہے کیونکہ اسلام کے آتے ہی تمام ادیان منسوخ ہوگئے تھے۔ آخری دستور العمل دین اسلام ہے۔ قرآن مجید کی دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ خدا دوسرے ادیان کو قبول نہیں کرتا ہے:
"وَمَنْ یَبتغ غیرَ الاسلام دینا فَلَن یقبل منہ وھُوَ فی الآخرۃ مِنَ الخاسِرین"۔ (۹۹)
اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین لائے گا وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگا۔
۲۔ دوسری طرف خدا نے انسان کو ارادہ واختیار دیا ہے اگر دین قبول کروانے میں زبردستی ہوگی تو پھر ارادہ واختیار عبث ہوگا۔ درج ذیل آیت میں قرآن نے اسے بیان کیا ہے:
"وَلَو شَاءَ رَبّکَ لامنَ فی الاَرضِ کُلھم جمیعا افاَنتَ تُکرِہُ الناس حتّی یکونوا مومنین"۔ (۱۰۰)
اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام زمین والے (بے اختیار) ایمان لے آتے پس کیا آپ لوگوں کو مومن بننے پر مجبور کرتے ہیں؟

اسی طرح دوسری آیت میں فرمایا ہے:

"وقُلِ الحَقّ مِن ربّکم فمَن شَاءَ فلیُؤمِن ومن شَاءَ فلیَکفر"۔ (۱۰۱)

اور اے رسول! ان سے کہہ دیجئے کہ دین حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے پھر جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرلے۔

خدا نے دین کے انتخاب کے لئے انسان کو ارادہ و اختیار سے نوازا ہے، دوسری طرف رسولِ اسلامؐ کو خاتم النبیین قرار دیا ہے اور ان کے دستور کو انسان کی زندگی اور اس کی کامیابی کا آخری دستور العمل بتایا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص اپنے ارادہ و اختیار سے کافر ہو جائے تو اسے عقاب و عذاب دیا جائے گا۔

ان توضیحات سے اس آیت "وَمَن یبتَغِ غَیرَ الاسلامِ دینا فَلَن یُقبَل مِنہ" اور آیت "لا اکراہ فی الدّین" کے ظاہری مضمون کی منافات بھی برطرف ہو جاتی ہے۔

۲/۳/۲/۲۔ادیان کے مشترک اصول پر تاکید

رسولؐ کی علی الاعلان تبلیغ و دعوت کے آغاز سے ہی دیگر ادیان کے ماننے والے رسولؐ کی مخالفت کر رہے تھے آپ ہی کو دین سے خارج کہتے تھے۔حالانکہ یہودیوں نے آپ سے صلح کی تھی وہ بھی خفیہ طریقہ سے آپ کے قتل کے درپے تھے۔

جب خدا نے یہ دیکھا کہ یہ قابلِ ہدایت نہیں ہیں تو رسولؐ کو حکم دیا کہ انھیں مسالمت آمیز زندگی اور مشترک اصل، توحید، کی طرف دعوت دیجئے:

"قُل یَا اَھلَ الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا وبینکم الا تعبدوا الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانّا مسلمون"۔ (۱۰۲)

اے رسول! اہل کتاب سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم اور تم اس بات پر اتفاق کرلیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مساوی طور پر قابل تسلیم ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کی پرستش نہ کریں اور کسی بھی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دیں اور ہم (خدائے واحد کے علاوہ) اپنے درمیان سے کسی کو خدا نہ مانیں۔ جب وہ اس (دعوت) سے روگردانی کریں تو آپ کہہ دیں کہ تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔

قرآن مجید نے اس آیت میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ اگر بعض افراد تمہارے تمام مقاصد میں اتحاد نہ کریں تو کم از کم ان سے تم ان چیزوں کے بارے میں اتحاد کر سکتے ہو جو ان کے اور تمہارے درمیان مشترک ہیں اس طرح تم اپنے مقاصد کی تکمیل کا راستہ ہموار کر سکتے ہو، مثلاً رسولؐ نے روم کے اسقف کو

جو خط تحریر کیا تھا اس میں مشترک باتوں پر زور دیا تھا اور لکھا تھا:

فاِنّ عیسیٰ بن مریم روح اللہ و کلمتہ القاھا الیٰ مریم الزّاکیۃ واِنّی اومَن باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النّبیون من ربھم لانفرّق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون والسلام من اتبع الھُدیٰ۔ (۱۰۳)

بیشک عیسیٰ بن مریم، روح خدا اور اس کا کلمہ ہیں جس کو خدا نے پاک و معصوم پر القا کیا ہے اور میں اللہ پر اور جو کچھ ہمارے اوپر نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کے بیٹوں پر نازل کیا ہے اور جو کچھ پروردگار کی طرف سے موسیٰ، عیسیٰ اور انبیاء کو عطا کیا گیا ہے۔ اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ان انبیاء کے درمیان ہم کسی تفریق کے قائل نہیں ہیں۔

قرآنی آیت کے مطالعہ کی روشنی میں دین کے اعلان و ابلاغ میں رسولؐ کے طریقۂ کار سے اسلام تیزی سے پھیلا اور نصف صدی سے کم عرصہ میں دین اسلام ایک بڑا دین بن گیا البتہ یہ طریقہ کار مستقل طور پر جاری نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ دوسرے اصول سے ٹکراؤ تھا یا بعض مواقع پر کفار کی عداوت و عناد کی وجہ سے تبلیغ کارگر نہیں ہوتی تھی، دوسری طرف کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے تو رسولؐ بھی مجبوراً فوجی کاروائی کرتے تھے۔ اس بناء پر، موجودہ حالات میں رسولؐ کا یہ طریقۂ کار تمام مسلمانوں کے لئے ادیان و مذاہب کے درمیان صلح کروانے کے لئے نمونہ عمل ہے۔

۳/ ۲/ ۲/ ۳۔ نسل پرستی کی نفی اور تمام انسانوں کے مشترک ارمانوں پر اعتماد

قرآن کے نقطۂ نظر سے کسی کو کسی پر برتری نہیں ہے ان کے ماں، باپ ایک ہیں برتری کا سبب صرف تقویٰ ہے اس سلسلہ میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

"یَاایّھا الناسُ انّا خلقناکُم من ذَکَرٍ وَانثیٰ وجعلناکُم شُعوبا وقبائلَ لتعارفوا انّ اکرمَکُم عِنداللہ اتقٰکم انّ اللہ علیم خبیر"۔ (۱۰۴)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہیں خاندان و قبائل میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یہ چیزیں برتری کا معیار نہیں ہیں۔ خدا کے نزدیک تم میں سے وہی زیادہ مکرم و معزز ہے جو زیادہ متقی ہے بیشک خدا جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیت کے مطابق نسل و زبان اور قوم و ملت کا اختلاف صرف انسانوں کو پہچاننے کے لئے اور خدا کی نشانی ہے، بعض کی بعض پر فضیلت کی دلیل نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ انسان عرصۂ دراز سے آج تک ایسی چیزوں

کو برتری کی دلیل سمجھتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان خون خرابے اور خانہ جنگی سے دوچار ہے۔

قرآن نے دوسری آیت میں، سارے انسانوں کو ایک امت قرار دیا ہے:

"کانَ النّاسُ اُمّۃً واحدۃ فَبَعث اللہ النبیّینَ مُبشّرین ومُنذرین وانزَلَ معَھُمُ الکتابَ بالحق لِیحکُمَ بینَ الناسِ فیما اختلفوا فیہ"۔ (۱۰۵)

شروع میں سارے لوگ ایک امت تھے (ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا رفتہ رفتہ معاشرے اور طبقات بنتے گئے اور ان کے درمیان اختلاف و تضاد پیدا ہوتا گیا اس وقت) خدا نے انبیاء بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو (نیک) اعمال پر (جنت کی) بشارت دیں اور (بداعمالی پر جہنم کے عذاب سے) ڈرائیں اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان چیزوں کے بارے میں حق کے ساتھ فیصلہ کریں جن کے بارے میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

لفظ "الناس" یا "یاایّھا الناس"، "یابنی آدم" اور "یاایّھا الانسان" تمام انسانوں کو شامل ہے، یہ لفظیں اس بات کی دلیل ہیں کہ نسل ونژاد اور قوم وقبیلہ کسی برتری کا سبب نہیں ہے اس لئے عالمی اور محکم و مضبوط صلح قائم کرنے کے لئے انسانوں کے درمیان مشترک ارمانوں اور مساوی انسانی حقوق پر اعتماد کیا جائے۔

۳/ ۲/ ۲/ ۴۔ادیان کے درمیان مسالمت آمیز گفتگو

ہم بیان کرچکے ہیں کہ ایک دین کے متعدد مذاہب کے درمیان اختلاف ناگزیر ہے تو مختلف ادیان کے ماننے والوں میں بدرجہ اولیٰ اختلاف ہوگا قرآن نے اس سلسلہ میں بنیادی اصول پیش کیا ہے اور مشترک اصل توحید کی تاکید کرتے ہوئے شائستہ گفتگو کو مسائل کے حل کی کلید قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وَلا تُجَادِلوا اھلَ الکتاب الا بِالتی ھی احسن الا الذین ظلمُوا منھُم وقُولُوا اٰمنّا بالذی اَنزَلَ الینَا وانزَلَ اَلیکم والٰھُنا والٰھُکم وَاحدٌ ونحنُ لہ مسلمون"۔ (۱۰۶)

اہل کتاب سے بس شائستہ طریقہ سے مجادلہ و مباحثہ کرو، ہاں جن لوگوں نے ظلم کیا ہے (ان سے کہہ دو) ہم ان تمام چیزوں پر ایمان لائے ہیں جو خدا کی طرف سے ہمارے اور تمہارے اوپر نازل ہوئی ہیں۔ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اس کی بارگاہ میں سراپا تسلیم ہیں۔

"جدال احسن" کا ایک واضح مصداق یہ ہے کہ ایک دوسرے کے مقدسات کی اہانت نہ کریں کیونکہ اگر ایسا کریں گے تو صلح وسلامتی کا راستہ ہموار نہیں ہوسکے گا۔ خدا کا یہ حکم ہے:

وَلا تَسُبّوا الذین یَدعُونَ مِن دونِ اللہ فَیَسبّوا اللہ عَدوًا بِغَیر عِلم کذالک زَیّنا لِکُلِ اُمّۃ عَمَلَھُم ثُمّ اِلیٰ

رَبِّهِم مَرجِعُهُم فَيُنَبِّئُهُم بِما كانوا يَعملون"۔ [۱۰۷]

جو لوگ خدا کے علاوہ اوروں کی عبادت کرتے ہیں، ان (کے معبودوں) کو برا نہ کہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی (ظلم و) نادانی کی بنا پر خدا کو برا کہیں۔ اس طرح ہم نے ہر امت کے عمل کو سجا دیا اس کے بعد اس کی بازگشت ان کے پروردگار کی طرف ہوگی اور انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا (اور انھیں جزا و سزا دے گا)۔

اس بنا پر ادیان کے اختلاف کو مشترک اقدار اور مسالمت آمیز گفتگو کے ذریعہ حل کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ عالمی صلح کی تجویز عزت واحترام کے ساتھ

اسلام نے شروع سے ہی صلح کے اصولوں کو محکم کیا ہے اور اس طرح بین الاقوامین صلح اور مسالمت آمیز اجتماعی زندگی کا راستہ ہموار کیا ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ اگر دشمن صلح کرنا چاہتا ہے تو تم بھی صلح کا استقبال کرو:

"وَإِن جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله انّه هو السميع العليم"۔ [۱۰۸] جنحوا "جنح" سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کی طرف میلان و تمایل کے ہیں [۱۰۹] اور لفظ "سلم" سین کے کسر کے ساتھ یا "سَلم" (سین کے فتحہ کے ساتھ) کے معنی معنی صلح وآشتی کے ہیں۔ [۱۱۰] اس طرح آیت کے معنی یہ ہوں گے: اگر وہ جنگ سے دست بردار ہونے اور صلح کرنے کی طرف مائل ہیں [۱۱۱] تو تمہیں ان پر حملہ کرنے کا حق نہیں ہے ارشاد رب العزت ہے:

"فانِ اعتزلوكم فلم يُقاتلوكُم والقوا إليكم السّلَمَ فَما جَعَلَ الله لكم عليهم سبيلا"۔ [۱۱۲]

ایک دوسری آیت میں بھی صلح و مسالمت کا ذکر ہوا ہے۔ اس آیت کے مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صلح کرنا واجب ہے:

"يَاايّها الذين امنوا ادخلوا في السلم كافة ولا تتبعوا خطوات الشيطان انّه لكم عدوّ مبين"۔ [۱۱۳]

اے ایمان لانے والو! تم سب صلح و سلامتی (کے دائرہ) میں آجاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس آیت میں دو اہم نکتے ہیں:

ا۔ صلح وآشتی صرف ایمان کے سایہ میں امکان پذیر اور محکم ہوتی ہے۔ مادی وسائل اور جنگی ساز و سامان

پر اعتماد کے سایہ میں نہیں۔ کیونکہ مادی دنیا اور اس سے وابستگی ہمیشہ ٹکراؤ اور جنگ و کشمکش کا سبب بنی ہے۔ اگر انسان کو ایمان کی طاقت اسے قابو میں نہ رکھے تو صلح ناممکن ہے۔

۲۔ صلح اسی صورت میں عاقلانہ ہے جب فریقین پس پردہ کی جانے والی شیطانی حرکتوں سے پرہیز کریں کیونکہ جو لوگ شیطانی وسوسوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور شیطان کے نقش قدم پر چلتے ہیں وہ صلح کو اپنی قوت کی تجدید اور اپنے منصوبہ کی تکمیل کا بہانہ بناتے ہیں۔

امیر المومنینؑ نے بھی نہج البلاغہ میں اس حقیقت کو آشکار کیا ہے:

"لا تدفعن صلحا دعاک الیہ عدوّک وللّٰہ فیہ رضی فَاِنّ فی الصلح دعۃ لجنودک وراحۃ من ھمومک وامنا لبلا دک لکن الحذر کل الحذر من عدوّک بعد صلحہ، فان العدو ربما قارب لیتغفل"۔ (۱۱۴)

جس صلح میں خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے، اور تمہارا دشمن تمہیں اس کی دعوت دے تو اسے رد نہ کرو کیونکہ صلح میں لشکر والوں کے لئے رنج و غم سے آسودگی اور تمہارے شہروں کے لئے امن وامان ہے لیکن صلح کے بعد دشمن سے مکمل طریقہ سے ہوشیار رہو کیونکہ دشمن کبھی غافل کرنے کے لئے صلح کی پیشکش کرتا ہے اور اس بہانہ سے قریب آتا ہے۔

نتیجہ:

قرآن مجید جو سارے انسانوں کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے اور بشر کی نجات کا آخری نسخہ ہے، اپنے سینہ میں گوناگوں قسم کے ماحول، خاندان، معاشروں، مذہبوں اور قوموں کے درمیان صلح وسلامتی قائم کرنے کے لئے، بنیادی اور عدل و عقل کے موافق اصول رکھتا ہے اگر انسان ان اصولوں کو ملحوظ رکھے اور ان پر عمل کرے تو یقینا عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو جائے گا۔

ایک سوال کا جواب

جو آیتیں ادیان کے درمیان صلح وسلامتی کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں ان کے مقابلہ میں کچھ آیتیں ایسی بھی ہیں جو کافروں سے جنگ کرنے پر ابھارتی ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

"قَاتِلوا الّذین لا یومنون ولا بالیومِ الاخر ولا یُحرّمونَ ماحَرَّمَ اللّٰہ ورسولہ ولا یَدینون دینَ الحق مِن الذین اوتوا الکتاب حتّی یُعطُوا الجِزیۃَ عن یدٍ وھم صاغرون"۔ (۱۱۵)

جو لوگ خدا اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ خدا و رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دین اسلام کی پیروی کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دینے لگیں۔

"وقَاتِلوھم حتّٰی لاتَکونُ فتنۃٌ ویکون الدّینُ للہ فان انتھوا فلا عُدوان الا علی الظالمین"۔ (۱۱۶)

اور ان لوگوں سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور اللہ کے دین کا بول بالا ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے علاوہ کسی پر زیادتی نہیں ہوگی۔

"یٰاَیّھا النّبی جاھِدِ الکفّار والمُنافقین واغلُظ علیھم ومَاوَاھُم جھنم وبئس المصیر۔" (۱۱۷)

اے نبی کافروں اور منافقوں سے جنگ و جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

"وقَاتِلوا فی سَبیل اللہِ الذینَ یُقَاتِلونکم ولا تَعتَدوا انّ اللہ لا یُحب المُعتدِین"۔ (۱۱۸)

اور راہِ خدا میں ان لوگوں سے جہاد کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں، ہاں ظلم نہ کرو کہ خدا ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

ان آیات کے علاوہ اسی مفہوم کی چند اور آیتیں ہیں جس کا قرآن سے مطالعہ فرمائیں۔

دوسری طرف اسلام کے نقطۂ نظر سے بعض ادیان چونکہ انبیاء کی رسالت کا عقیدہ نہیں رکھتے ہیں کافر ومشرک ہیں اور مذکورہ آیتیں کافروں سے جنگ کو جائز اور کبھی واجب قرار دیتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں سے جنگ و صلح کی توجیہ کیسے کی جائے؟ ان آیتوں کے بارے میں چند جواب دئے جا سکتے ہیں:

۱۔ مذکورہ آیات کافرِ حربی (۱۱۹) سے جنگ کو جائز قرار دیتی ہیں اور ان آیتوں میں سے کسی آیت کی کسی بھی دلالت (مطابقی، التزامی اور تضمنی) سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو کافر اسلام کو قبول نہیں کرتے ہیں ان سے اس جرم میں جنگ کرنا واجب ہے خواہ ان کی طرف سے ظلم و دشمنی کا اظہار بھی نہ ہوا ہو۔ لہٰذا صرف اسلام قبول نہ کرنا کافروں سے جنگ کی دلیل نہیں ہے۔

۲۔ مذکورہ آیتوں اور صلح کے بارے میں نازل ہونے والی آیتوں میں مضائقہ نہیں ہے کیونکہ ان آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی جنگ، صلح کا مقدمہ ہے یعنی جو گروہ فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان نفاق کا بیج بونا چاہتے ہیں، انھیں سبق سکھانا چاہئے: "وقَاتِلُوھم حتّٰی لا تکونُ فِتنَۃ ویکونُ الدِّین للہ" فتنہ و فساد کی آگ بجھا کر عالمی صلح کا راستہ ہموار کرنا چاہئے کیونکہ فتنہ و فساد کے

ہوتے ہوئے ہر گز صلح نہیں ہو گی۔
چونکہ اس مقالہ میں اختصار مدّ نظر ہے، لہٰذا بحث کے سلسلہ کو مزید آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔

اختتامیہ:

قرآن مجید اور روایات میں صلح اور اصلاح کرنے کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اس کی بہت تاکید کی گئی ہے قرآن کریم اور روایات کی رو سے سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں اور دو بھائیوں کے درمیان اختلاف و نزاع نہیں ہونا چاہئے۔ جن آیتوں کو ہم نے دوسرے حصہ میں پیش کیا ہے، ان سے اصلاحات کی اہمیت و ضرورت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

اب اگر اسلامی معاشرہ اختلاف و نفاق میں مبتلا ہوتا ہے تو قرآن مجید نے اس سے نجات کے گرانقدر اصول بیان کئے ہیں، قرآن کے ان اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر قسم کا اختلاف حل کیا جاسکتا ہے۔

اگرچہ قرآن مجید اور احادیث نے امت مسلمہ کے درمیان صلح قائم کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی ہے اس کے باوجود تکفیری نظریہ ابھر آیا آج چھوٹے چھوٹے گروہوں (وہابیت، داعش اور القاعدہ) میں ہر زمانہ سے زیادہ تکفیری رجحان بڑھا ہوا نظر آتا ہے یہ لوگ قرآن کی آیتوں اور فریقین کے نزدیک معتبر روایتوں کی تاکید و تعلیم کے برخلاف مسلمانوں (سنی و شیعہ دونوں) کو کافر، اور خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ اس تحریک کا سرچشمہ ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے نظریات ہیں۔ وہابی مفتی، عہد حاضر میں بھی انھیں دونوں کے نظریات کی بنیاد پر شیعوں اور دوسرے اسلامی مذاہب کے ماننے والوں کے قتل عام کا فتویٰ دیتے ہیں۔ چنانچہ شام، عراق، لبنان، افغانستان اور پاکستان وغیرہ میں ہر روز ہزاروں مسلمانوں کو صرف اس جرم میں قتل کیا جاتا ہے کہ وہ قرآن و اہل بیتؑ کی پیروی کرتے ہیں۔

تمام علمائے اسلام پر لازم ہے کہ تکفیریوں کے خطرناک نظریہ سے سب کو آگاہ کریں اور ان کا مقابلہ فیصلہ کن انداز میں اتحاد کے ساتھ کریں تاکہ ان کے ہاتھ سے مسلمانوں کو بچایا جاسکے۔

حوالے:

(۱) و"الصلح" اسم منہ۔ فیوق، المصباح المنیر، ج۱، ص۳۴۵

(۲) "صلاح" ضِدُّ الفساد۔۔۔ والجمع صلحا" محمد بن مکرم بن منظور افریقی، مصری، لسان العرب، ج۲، ص۶۱۵

(۳) والصلاح، بالکسر، مصدر المصالحة والاسم الصلح یذکر ویؤنّث منہ صلح الحدیبیة طریحی مجمع البحرین

ج ۲، ص ۳۸۸

(۴) راغب اصفہانی مفردات، ص ۴۹۰، والصلح یختص بازالۃ التفار بین النّاس

(۵) حسن بن یوسف حلّی، تذکرۃ الفقہاء، ج ۲، ص ۱۷۷

(۶) سید ابوالقاسم الخوئی، منہاج الصالحین، ج ۲، ص ۱۹۲

(۷) احمد بن محمد فیومی، مصباح المنیر، ص ۲۸۷

(۸) ابن منظور، لسان العرب، ج ۱، ص ۲۸۹

(۹) علی بن محمد بغدادی، لباب التاویل فی معانی التنزیل، ج ۱، ص ۱۳۶

(۱۰) محمد بن علی، صدوق، خصال، ص ۵۹۰

(۱۱) محمد صالح مازندرانی، شرح اصول کافی، ج ۱، ص ۲۴۸

(۱۲) محمود عینی، عمدۃ القاری، ج ۲۰، ص ۲۰۳

(۱۳) محمد باقر سبزواری، کفایۃ الاحکام، ج ۲، ص ۷۵۳

(۱۴) لسان العرب ابن منظور، ج ۱۲، ص ۲۳۰

(۱۵) مقاییس اللغۃ، ج ۲، ص ۴۹۸

(۱۶) راغب اصفہانی، مفردات، ص ۳۴۸

(۱۷) محمد بن مکرم افریقی مصری، لسان العرب، ج ۹، ص ۱۱۲

(۱۸) طریحی، مجمع البحرین، ج ۵، ص ۶۱

(۱۹) "والصّلح خیر" انبیاء: ۱۲۸

(۲۰) "یاایّھاالذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولاتتبعوا خطوات الشیطان انّہ لکم عدوّ مبین" بقرہ، آیت ۲۰۸

(۲۱) سورۂ انفال، آیت ۱

(۲۲) حسن بن محمد قمی نیشاپوری، تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج ۳، ص ۳۲۲

(۲۳) سورۂ حجرات، آیت ۹

(۲۴) کشاف، زمخشری، ج ۴، ص ۳۶۷

(۲۵) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۴، ص ۱۸۱

(۲۶) ایضا: ج ۱۴ ص ۱۸۱

(۲۷) سورۂ حجرات، آیت ۱۰

(۲۸) یعنی کل مسلمین تخاصما و تقاتلا وتخصیص الاثنین بالذکر لاثبات وجوب الاصلاح فیما فوقھا بطریق الاولیٰ، شوکانی، فتح القدیر، ج۵ ص ۶۳

(۲۹) اندلسی، البحر المحیط فی التفسیر، ج،۹ ص۵۱۶

(۳۰) آلوسی، روح المعانی، ج۲۶ ، ص۱۵۱

(۳۱) عبدالرحمٰن بن ناصر آل سعدی تیسیر الکریم الرحمٰن، ص۹۶۷ (ھذا عقد عَقَدہ اللہ بین المومنین انّہ اذا وجد من ایّ شخص کان فی المشرق الارض و مغربھا۔ الایمان باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر فانّہ اخ للمومنین اخوۃ توجب ان یُحبّ لہ المومنون مایحبّون لانفسھم، ویَکرَھوالہ مایکرھون لانفسھم)

(۳۲) سورۃ البقرہ، آیت ۲۲۴

(۳۳) آلوسی، روح المعانی، ج۲ ، ص۱۲۶

(۳۴) نصر بن محمد سمرقندی، "تفسیر السمرقندی"، ج۱ ، ص۱۷۴

(۳۵) سورۂ انفال، آیت ۶۱

(۳۶) محمد بن یوسف اندلسی، تفسیر البحر المحیط، ج۴ ، ص۵۰۹

(۳۷) عثمان بن علی ربیعی، تبیین الحقائق، ج۳ ، ص۲۴۵

(۳۸) اسماعیل بن عمر دمشقی، تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۳۲۳

(۳۹) اعراف، آیت ۱۴۲

(۴۰) زمخشری، الکشاف، ج۲ ص۱۴۲، محمد بن عمر رازی، التفسیر الکبیر، ج۱۴ ، ص۱۸۴

(۴۱) سورۂ انفال، آیت ۴۶

(۴۲) سورۂ ہود، آیت ۱۱۷

(۴۳) سورۂ اعراف، آیت ۱۷۰

(۴۴) طبرانی، المعجم الکبیر، ج۸ ، ص۷۵۲

(۴۵) عبدالعظیم منذری، الترغیب والترہیب، ج۳ ، ص۳۲۱

(۴۶) احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، ج۴، ص۴۴۴

(۴۷) سید رضی، نہج البلاغہ، ص۷۷

(۴۸) محمد بن یعقوب کلینی، کافی، ج۲ ، ص۲۰۹

(۴۹) سورۂ انفال، آیت ۳۹

(۵۰) سورۂ انفال، آیت ۴۶

(۵۱) الفشل، الرجل الضعیف الجبان؛ افریقی مصری لسان العرب، ج۱۱، ص۵۲۰

(۵۲) والریح معروف وھی فیما قیل، الھواء المتحرک۔۔۔ وقد یستعار الریح للغلبۃ فی قولہ ﴿وتذھب ریحکم﴾ المفردات فی غریب القرآن، ج۱ص۲۰۶ راغب اصفہانی۔

(۵۳) تفسیر المیزان، علامہ طباطبائی، ج۹ص۹۵

(۵۴) بحار الانوار، ج۹۱ص۲۳۵

(۵۵) مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج۴ص۴۷۶

(۵۶) البلاغ فی تفسیر القرآن بالقرآن، ص۱۸۳

(۵۷) تفسیر القرآن العظیم، ج۲ص۳۱۷

(۵۸) الجامع لاحکام القرآن، ج۸ص۲۴

(۵۹) شیخ طبرسی، جوامع الجامع، ج۲ص۳۸۵

(۶۰) سورۂ حجرات، آیت ۱۳

(۶۱) سورۂ انبیاء، آیت ۹۲

(۶۲) سورۂ حجرات، آیت ۱۰

(۶۳) شیخ طوسی، التبیان، ج۹ص۴۶۳

(۶۴) ناصر مکارم شیرازی "الامثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل"، ج۱۶، ص۵۴۱

(۶۵) محمد بن ابی بکر زرعی اِغاثۃ اللھفان، ج۲ص۲۶

(۶۶) امالی، شیخ صدوق، ص۳۵۱

(۶۷) امالی، شیخ مفید، ص۱۸۷

(۶۸) مستدرک، حاکم نیشاپوری، ج۱ص۱۷۱، دلائل النبوۃ، بیہقی، ج۵ص۴۴۹، تاریخ الاسلام، ج۲ص۷۰۹

(۶۹) المعجم الکبیر، طبرانی، ج۴ص۲۵، تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر، ج۴ص۲۱۸

(۷۰) سورۂ حجرات، آیت ۹

(۷۱) سورۂ حجرات، آیت ۱۰

(۷۲) سورۂ انفال، آیت ۱

(۷۳) عبداللہ القرشی، بغدادی، مدارۃ الناس، ج۱ص۱۲۰
(۷۴) ابن تیمیہ، کتب ورسائل وفتاویٰ ابن تیمیہ فی الفقہ، ج۲۸ص۵۱
(۷۵) سورۂ ہود، آیت ۱۱۷
(۷۶) سورۂ انبیاء، آیت ۹۲
(۷۷) سورۂ شوریٰ، آیت ۲۳
(۷۸) مسند احمد بن حنبل، ج۳ص۵۹
(۷۹) مسند احمد بن حنبل، ج۵ص۱۸۱ح۲۱۶۱۸
(۸۰) سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۳
(۸۱) تفسیر ثعلبی، ج۳ص۱۶۳
(۸۲) سورۂ نحل، آیت ۱۲۵
(۸۳) سورۂ عنکبوت، آیت ۴۶
(۸۴) سورۂ انعام، آیت ۱۰۸
(۸۵) سورۂ نساء، آیت ۹۴
(۸۶) اصول کافی، کلینی، ج۲ص۲۴
(۸۷) الکافی، ج۲ص۲۴
(۸۸) المصنف، ابن ابی شیبہ، ج۴ص۲۸۰
(۸۹) عاملی، الشہید الاول (ذکریٰ الشیعۃ فی احکام الشریعہ، ج۱ص۴۰۲
(۹۰) سید روح اللہ خمینی، کتاب الشہادۃ، ج۳ص۳۲۲
(۹۱) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج۱۶ص۳۴۸
(۹۲) سورۂ بقرہ، آیت ۱۱۳
(۹۳) سورۂ احزاب، آیت ۴۰
(۹۴) سورۂ انعام، آیت ۱۹
(۹۵) سورۂ فرقان، آیت ۱
(۹۶) سورۂ سباء، آیت ۲۸

(۹۷) سورۂ اعراف، آیت ۱۵۸

(۹۸) سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۶

(۹۹) سورۂ آل عمران، آیت ۸۵

(۱۰۰) سورۂ یونس، آیت ۹۹

(۱۰۱) سورۂ کہف، آیت ۲۹

(۱۰۲) سورۂ آل عمران، آیت ۶۴

(۱۰۳) محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱ص۲۷۶

(۱۰۴) سورۂ حجرات، آیت ۱۳

(۱۰۵) سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۳

(۱۰۶) سورۂ عنکبوت، آیت ۴۶

(۱۰۷) سورۂ انعام، آیت ۱۰۸

(۱۰۸) سورۂ انفال، آیت ۶۱

(۱۰۹) ابن منظور، لسان العرب، ج۲ص۴۲۸

(۱۱۰) "السِلمُ بِکَسرِ السّین" وَفتحها "الصلح" فیوق: مصباح المنیر، ص۲۸۷

(۱۱۱) وان جنحوا للسلم، ای مالوا الیٰ الصلح وترک الحرب، فاجنح لها، ای مل الیها واقبلها منهم وانما انت لان السلم بمعنی المصالحة، مجمع البیان، ج۴ص۲۸۸

(۱۱۲) سورۂ نساء، آیت ۹۰

(۱۱۳) سورۂ بقرہ، آیت ۲۰۸

(۱۱۴) نہج البلاغہ، سید رضی، ص۱۰۶

(۱۱۵) سورۂ توبہ، آیت ۲۹

(۱۱۶) سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۳

(۱۱۷) سورۂ توبہ، آیت ۷۳

(۱۱۸) سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۰

(۱۱۹) کافران حربی، ان غیر مسلموں کو کہتے ہیں جو مسلمانوں سے جنگ کرنا چاہتے ہیں یا ان لوگوں کے حلیف ہیں جن سے

مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے اور یہ مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کر رہے ہیں۔

منابع:

۱۔ **قرآن کریم۔**

۲۔ ابن ابی شیبہ کوفی، عبداللہ بن محمد، **الکتاب المصنف فی الاحادیث والاثار**، تحقیق: کمال یوسف الحوت، طبع اول: مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۰۹ق۔

۳۔ ابن عساکر دمشقی شافعی، علی بن حسن، **تاریخ مدینۃ دمشق و ذکر فضلھا و تسمیۃ من حلھا من الأماثل**، تحقیق محب الدین ابی سعید عمر بن غرامہ عمری، دارالفکر، بیروت ۱۹۹۵۔

۴۔ ابن کثیر دمشقی، اسماعیل بن عمر قرشی، **تفسیر القرآن العظیم**، دارالفکر، لبنان ۱۴۰۱ق۔

۵۔ ابی حیان اندلسی، محمد بن یوسف، **تفسیر البحر المحیط**، تحقیق شیخ عادل احمد عبد موجود، شیخ علی محمد معوض وغیرہ طبع اول: دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۲۲ق، ۲۰۰۱م۔

۶۔ احمد بن فارس بن زکریا، **معجم مقاییس اللغۃ**، تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، طبع دوم: دارالجیل، بیروت ۱۴۲۰ق ۱۹۹۹م۔

۷۔ افریقی مصری، جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور، **لسان العرب**، طبع اوّل: دار صادر، بیروت [بی تا]۔

۸۔ آل سعدی عبدالرحمٰن بن ناصر، **تیسیر الکریم الرحمٰن**، مکتبۃ النھضۃ العربیۃ، بیروت ۱۴۰۸ق۔

۹۔ انصاری قرطبی، محمد بن احمد، **الجامع لأحکام القرآن**، دارالشعب، قاہرہ [بی تا]۔

۱۰۔ بخاری جعفی، محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، تحقیق د۔ مصطفیٰ دیب البغا، طبع دوم: دار بن کثیر، بیروت ۱۴۰۷ق ۱۹۸۷م۔

۱۱۔ بیہقی، احمد بن حسین بن علی، **دلائل النبوۃ**، طبع برنامہ الجامع الکبیر۔

۱۲۔ جواد بن سعید کاظمی، مسالک الافہام الی آیات الاحکام، کتاب فروشی مرتضوی، تہران ۱۳۶۵۔

۱۳۔ حاکم نیشاپوری، محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق مصطفیٰ عبدالقادر عطا، طبع اول: دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۰م

۱۴۔ حسینی زبیدی حنفی، محمد مرتضی، **تاج العروس من جواہر القاموس**، تحقیق مجموعہ من المحققین، دارالہدایہ۔

۱۵۔ حلی، حسن بن یوسف، **تذکرۃ الفقہاء**، تحقیق مؤسسہ آل البیت لاحیاء تراث، طبع اول: مؤسسہ آل البیت، قم ۱۴۱۴۔

۱۶۔ راغب اصفہانی، حسین بن محمد، **المفردات فی غریب القرآن**، تحقیق محمد سید کیلانی، دارالمعرفہ، لبنان [بی تا]۔

۱۷۔ زبن علی بن الحسن، **التبیان فی تفسیر القرآن**، تحقیق و تصحیح احمد حبیب قصیر عاملی، طبع اول: مکتب الاعلام الاسلامی،

۱۴۰۹ق [بی جا]۔

۱۸۔ زمخشری خوارزمی، محمود بن عمرو بن احمد جاراللہ، **الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل**، تحقیق عبدالرزاق المہدی، داراحیاء التراث العربی، بیروت [بی تا]۔

۱۹۔ زہری، محمد بن سعد بن منیع ابوعبداللہ البصری، **الطبقات الکبری**، دار صادر، بیروت [بی تا]۔

۲۰۔ سبزواری، محمد باقر، **کفایۃ الاحکام**، تحقیق شیخ مرتضی واعظی اراکی، طبع اول: موسسۃ النشر الاسلامی التابعۃ لجماعۃ المدرسین، قم ۱۴۲۳۔

۲۱۔ سید رضی، **نہج البلاغۃ**، تحقیق وشرح الشیخ محمد عبدہ، طبع اول: دارالذخائر، قم ۱۴۱۲ق ۱۳۷۰ش۔

۲۲۔ سیواسی، محمد بن عبدواحد، **شرح فتح القدیر**، طبع دوم: دارالفکر، بیروت [بی تا]۔

۲۳۔ شیبانی، احمد بن حنبل، **مسند احمد بن حنبل**، موسسۃ قرطبۃ، مصر [بی تا]۔

۲۴۔ شیخ المفید، محمد بن محمد بن النعمان، **أمالی**، تحقیق الحسین استاد ولی۔ علی اکبر غفاری، طبع دوم: دار المفید للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت ۱۴۱۴ق ۱۹۹۳م۔

۲۵۔ صادقی تہرانی، محمد، **البلاغ فی تفسیر القرآن بالقرآن**، قم ۱۴۱۹ق [بی نا]۔

۲۶۔ صدوق، محمد بن علی بن حسین، **الأمالی**، طبع اول قسم الدراسات الاسلامیۃ۔ مؤسسہ البعثۃ، قم ۱۴۱۷ق۔

۲۷۔ صدوق، محمد بن علی بن حسین، **الخصال**، تحقیق تصحیح وتعلیق علی اکبر الغفاری، منشورات جماعۃ المدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ فی قم المقدسۃ، قم ۱۴۰۳ق ۱۳۶۲ش۔

۲۸۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، **المعجم الأوسط**، تحقیق طارق بن عوض اللہ بن محمد، عبدالمحسن بن ابراہیم حسینی، دارالحرمین، قاہرہ ۱۴۱۵ق۔

۲۹۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، **المعجم الکبیر**، تحقیق حمدی بن عبدالمجید السلفی، طبع دوم: مکتبۃ الزہراء ۱۴۰۴ق ۱۹۸۳م۔

۳۰۔ طبرسی، فضل بن حسن، **تفسیر مجمع البیان**، تحقیق لجنۃ من العلماء والمحققین الاخصائیین، طبع اول: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ۱۴۱۵ق ۱۹۹۵م۔ [بی جا]۔

۳۱۔ طریحی، فخرالدین، **مجمع البحرین**، تحقیق سید احمد حسینی، طبع دوم: مکتب النشر الثقافۃ الاسلامیۃ ۱۴۰۸ق ۱۳۶۷ش [بی جا]۔

۳۲۔ عاملی (شہید اول)، محمد بن جمال الدین مکی، **ذکری الشیعۃ فی أحکام الشریعۃ**، تحقیق موسسۃ آل البیت، طبع اول: مؤسسۃ آل البیت الاحیاء التراث، قم ۱۴۱۹ق۔

۳۳۔ عینی غیتابی حنفی، محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت [بی تا]۔
۳۴۔ فیومی، احمد بن محمد، مصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت [بی تا]۔
۳۵۔ کلینی رازی، محمد بن یعقوب، الأصول من الکافی، طبع دوم: اسلامیہ، تہران ۱۳۶۲ش۔
۳۶۔ مازندرانی، مولی محمد صالح، شرح اصول الکافی، تحقیق مع تعلیقات میرزا ابوالحسن شعرانی، ضبط و تصحیح سید علی عاشور، طبع اول: دار احیاء التراث العربی للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان ۱۴۲۱ق ۲۰۰۰م۔
۳۷۔ مجلسی محمد باقر، بحار الانوار، تحقیق محمد باقر بہبودی، طبع دوم: موسسۃ الوفاء بیروت ۱۴۰۳ق ۱۹۸۳م۔
۳۸۔ منذری، عبد عظیم بن عبد قوی، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، تحقیق ابراہیم شمس الدین، طبع اول: دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۷ق۔
۳۹۔ موسوی خمینی، سید روح اللہ، کتاب الطہارۃ، مطبعۃ مہر، قم [بی نا، بی تا]۔
۴۰۔ موسوی خوئی، سید ابوالقاسم، منہاج الصالحین، مدینۃ العلم، قم ۱۴۱۰ق۔
۴۱۔ نیشاپوری، حسن بن محمد بن حسین معروف بالنظام اعرج، تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان، تحقیق شیخ زکریا عمیران، طبع اول: دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۶ق ۱۹۹۶م۔

رسول اسلامؐ کی سنت اور مسلمانوں کا عقیدۂ تکفیر۔ایک تجزیہ

علی رضا سبحانی

مترجم: منہال حسین

آج عالم اسلام بلکہ پوری دنیا تکفیری فتنہ کی شکار ہے لہٰذا تمام علماء اور علوم اسلام کے ماہرین پر واجب ہے کہ وہ اس موضوع کے بارے میں کانفرنس اور متعدد جلسات منعقد کریں۔

اس مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فریقین کے علماء کی نگاہ میں اس فتنہ کی حقیقت روشن ہوجائے۔ مقالہ کے آخر میں اہلبیتؑ کی ہدایتوں کی روشنی میں تمام اسلامی فرقوں کے ماننے والوں کی محبت آمیز زندگی کو بیان کیا گیا ہے۔

بنیادی کلمات: تکفیر، اہلبیتؑ، پیغمبرؐ کی سنت، علمائے اسلام۔

پیغمبر اکرم ﷺ سے بے شمار روایتیں وارد ہوئی ہیں جن میں کلمہ شہادتین پڑھنے والوں کو کافر کہنے سے منع کیا گیا ہے، چہ جائیکہ ایسے شخص کو کفر سے منسوب کیا جائے جو دینی احکام اور شریعت کا پابند ہو۔

ایسی حدیثوں کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

۱۔ ابن نجار، ابن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بنی الاسلام علی خصال: شهادة ان لا اله الا الله وان محمّدا رسول الله والاقرار بما جاء من عند الله الی... فلا تکفروهم بذنب ولا تشهدوا علیهم بشرک'' (متقی ہندی، کنز العمال، ج ۱، ص ۹۲ شمارہ۔ ۳۰)

اسلام کی بنیاد چند چیزوں پر قائم ہے: خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنا (یعنی لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی گواہی دینا (یعنی محمد رسول اللہ کی گواہی دینا)، اور ہر اس چیز پر ایمان لانا جو خدا کی جانب سے نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا جو بھی مذکورہ

تینوں چیزوں کا پابند ہو اور ان پر عقیدہ رکھتا ہو اسے گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہ کہو اور اس کے شرک کی گواہی نہ دو۔

۲۔ جناب ابو داؤد نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ایما رجل مسلم اکفر رجلا مسلما فان کان کافرا و الاّ کان ھو الکافر" [۱]

جب بھی کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہتا ہے تو اگر وہ کافر ہو تو کوئی بات نہیں لیکن اگر کافر نہ ہو تو کہنے والا کافر ہوگا۔

۳۔ جناب مسلم، نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اذا کفّر الرجل اخاہ، فقد باء بھا احدھما" [۲]

جب بھی ایک مسلمان شخص اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے تو کفر کی نسبت کا گناہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی گردن پر ہوگا۔

جناب ابن عبد البر کہتے ہیں:

جملہ "فقد باء بھا احدھما" کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جسے کافر کہا گیا ہے اگر وہ واقعی کافر ہوا تو اس کے کفر کا وبال خود اسی کافر کے سر پر ہے اور کافر کہنے والے پر کچھ بھی نہیں ہے، اسلئے کہ اس نے جو بات کہی ہے وہ ایک حق بات تھی لیکن اگر جسے کافر کہا گیا ہے وہ کافر نہ ہو تو کافر کہنے والا ایک عظیم گناہ کا مرتکب ہوا ہے اور کفر کا وبال اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ یہ تعبیر کسی اہل قبلہ اور ایک فرد مسلمان کو کافر کہنے سے منع کرنے کی سب سے واضح اور بلیغ تعبیر ہے۔ [۳]

۴۔ جناب مسلم، عبد اللہ بن دینار اور وہ ابن عمر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ایما امرۃ قال لاخیہ یا کافر، فقد باء بھا احدھما، ان کان کما قال والا رجعت علیہ" [۴]

اگر کوئی شخص اپنے دینی بھائی کو کافر کہے تو اس خطاب کا گناہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ذمہ ہوگا، اگر کہنے والا سچا ہوا تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر وہ نسبت جھوٹی ہوئی تو اس گناہ کا وبال اسی کی طرف پلٹ جائے گا۔

۵۔جناب بخاری " دوران جاہلیت کے وہ گناہ جن کے ارتکاب سے کوئی کافر نہیں ہوتا مگر یہ کہ شرک آمیز عمل کا ارتکاب کرے" کے باب میں پیغمبر اکرم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ "پیغمبر اکرم ﷺ ایک شخص کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :" میں تمہارے اندر جاہلیت کے آثار مشاہدہ کررہا ہوں اور خداوند عالم فرماتا ہے :

"انّ اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء" ۵ و ۶

خداوندعالم ہرگز شرک کو معاف نہیں کرتا اور اس کے علاوہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے "۔

۶۔ جناب ترمذی، نائب ابن ضحاک سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: " لیس علی العبد نذر فیما لایملک، ولا عن المومن کقاتلہ ومن قذف مومنا بکفر، ھو کقاتلہ" ۷

کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے مال سے کوئی نذر کرے اور ایک مومن پر لعنت بھیجنے والا اس کے قاتل جیسا ہے اور جو بھی کسی مومن کی طرف کفر کی نسبت دے گویا ایسا ہے کہ اس نے اسے قتل کردیا ہے۔

۷۔جناب بخاری ایک دوسرے مقام پر ایک روایت حضرت ابوذر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قال رسول اللہ لایرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدّت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک " ۸

کوئی بھی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف کفر و فسق کی نسبت نہیں دیتا کیونکہ اگر وہ کافر نہیں تو یہ نسبت خود اس نسبت دینے والے کی طرف پلٹ جاتی ہے۔

۸۔مسلم نیشاپوری جناب ابوذر سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم من دعا رجلا بالکفر او قال عدو اللہ ولیس کذلک إلا ّ جار علیہ" ۹

جو بھی کسی کو کافر کہے یا اسے کہے اے دشمن خدا ! لیکن جسے کہا جارہا ہے وہ ایسا نہ ہو تو یہ نسبت خود کہنے والے کی طرف پلٹ جاتی ہے ۔

جناب ابن حجر عسقلانی اس روایت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''اس روایت کے سلسلہ میں صحیح بات تو یہ ہے کہ اس روایت کے ذریعہ مسلمانوں کو کسی دوسرے مسلمان کے لئے " کافر" کی تعبیر استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے ... اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کفر کی نسبت خود کہنے والے کی طرف پلٹ جاتی ہے ، لیکن جو چیز پلٹتی ہے وہ کفر کی نسبت ہے نہ خود کفر ، گویا کہ کافر کہنے والے نے اپنی ہی طرف کفر کی نسبت دی ہے اس لئے کہ اس نے ایک ایسے شخص کی طرف کفر کی نسبت دی ہے جو خود اسی کے جیسا ہے اور اس طرح اس کی طرف کفر کی نسبت دی ہے کہ جس طرح ایک دین اسلام کے منکر کی طرف دی جاتی ہے ۔ ۱۰

۹۔جناب بیہقی (سنہ وفات ۴۵۸) لکھتے ہیں:

"سئل علی علیہ السلام عن اھل النھروان... قال اخواننا بغوا علینا"

ابو البختری سے منقول ہے کہ جب امیر المومنین علی علیہ السلام سے اہل جمل کے سلسلہ میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ لوگ مشرک ہیں؟ حضرتؑ نے جواب میں فرمایا :وہ لوگ شرک سے دور ہیں،پھر سائل نے سوال کیا :کیا وہ لوگ منافق ہیں؟ امام نے جواب میں فرمایا :منافق وہ لوگ ہیں جو بہت کم خدا کو یاد کرتے ہیں ...وہ لوگ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے" ۱۱

۱۰۔ جناب طبرانی (سنہ وفات ۳۶۰) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا :اگر کوئی شخص کسی لا الہ الا اللہ کہنے والے کو کافر کہے تو وہ خود کفر سے بہت نزدیک ہے۔"

جناب سعید بن مسیب ، عبد اللہ ابن عمر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفوا عن اھل لا الہ الا اللہ لا تکفر وھم بذنب، فمن اکفر اھل لا الہ الا اللہ فھو الی الکفر اقرب" ۱۲

لا الہ الا اللہ کہنے والوں سے باز رہو اور انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے کافر نہ کہو اس لئے کہ اگر کوئی انہیں کافر کہے گا تو وہ خود کفر سے بہت نزدیک ہوگا "۔

جناب طبرانی پیغمبر اکرم ﷺ کے کسی ایک صحابی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ہر گز کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا ہے اور نقل کرتے ہیں:

ابوسفیان نے جابر بن عبد اللہ سے سوال کیا: کیا تم نے کبھی اہل قبلہ کو کافر کہا ہے ؟ جواب دیا : نہیں ، پھر میں نے سوال کیا: کیا ابھی تک آپ نے کسی اہل قبلہ کو مشرک کہا ہے؟ جواب دیا :اس نسبت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں"۔ ۱۳

تکفیر، علمائے اسلام کی نظر میں

ابھی تک ہم پیغمبر اکرم ﷺ اور امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں کلمہ شہادتین کا اقرار کرنے والوں کو کفر کی نسبت دینے کی ممنوعیت سے باخبر ہوئے ، اب علمائے اسلام اور دانشمندوں کے نظریات اور اقوال سے باخبر ہونے کی ضرورت ہے کہ کس طرح انہوں نے اہل قبلہ کی طرف کفر کی نسبت دینے سے منع کیا ہے ، ہم یہاں پر بطور اختصار بعض علماء کے اقوال کو بیان کریں گے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ اہلسنت کے متعصب علماء بھی اہل قبلہ کی طرف کفر کی نسبت دینے والوں سے برائت کا اعلان کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

۱۔ دوسری اور تیسری صدی کے فقہاء

اہل سنت کے عظیم فقہاء جیسے ابن ابی لیلیٰ ، ابو حنیفہ ، شافعی ، سفیان ثوری اور داؤد بن علی کا اس بات پر اتفاق تھا کہ کسی بھی شخص کو کسی عقیدے یا فتوے کی بناپر کافر نہیں کہا جاسکتا بلکہ خطاکار کے لئے ایک جزاء اور غیر خطاکار کے لئے دو جزائیں ہیں۔ ۱۴

۲۔ ابن زاہر سرخسی

ابوالحسن اشعری کے مخصوص شاگرد اور فرقہ اشاعرہ کے سربراہ احمد ابن زاہر سرخسی کہتے ہیں:

"ہمارے استاد شیخ ابوالحسن اشعری ہمارے گھر میں بستر علالت پر تھے ، جب انہیں احساس ہوگیا کہ ان کا وقت آخر آپہنچا ہے تو مجھے بلایا اور کہا : میرے تمام شاگردوں اور چاہنے والوں کو بلاؤ اور انہیں حاضر کرو ، میں نے سب کو بلایا اور وہ سب استادکے گرد اکھٹا ہوگئے ، جب وہ سب حاضر ہوگئے تواستاد نے فرمایا: "اشھدوا علی انی لا اقول بتکفیر احد من اھل القبلة بذنب لانی رایتھم کلھم یشیرون الی معبود واحد والاسلام یشملھم ویعمھم" ۱۵

گواہ رہنا کہ میں نے ہرگز کسی اہل قبلہ کو ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کی وجہ سے کافر نہیں کہا اس لئے کہ میں نے ان سب کو دیکھا ہے کہ وہ سب ایک خدا کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور وہ اسلام کے دائرہ میں ہیں۔

۳۔ بغوی

بغوی (۵۱۶ ھ ق) جناب بخاری سے نقل ہونے والی روایت "امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لاالہ الااللہ "... کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لوگوں سے معاشرت میں ان کا ظاہر ،ایمان و کفر کا معیار ہے نہ کہ ان کا باطن " ۱۶

۴۔ قاضی عیاض

قاضی عیاض (سنہ وفات ۵۴۴) کتاب الشفاء میں حقوق مصطفیٰ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یجب الاحتراز من التکفیر فی اھل التاویل ، فان استباحة دماء المسلمین الموحدین خطر ، والخطاء فی ترک الف کافر، اھون من الخطاء فی سفک محجمة من دم مسلم واحد"

وہ مسلمان جو ظواہر قرآن کی تاویل کرتے ہیں (شاید یہاں پر مراد یہ ہو کہ جو لوگ صفات خبریہ جیسے ید اللہ اور وجہ اللہ کی تاویل کرتے ہیں) ان کی طرف کفر کی نسبت دینے سے پرہیز کرنا چاہئے اسلئے کہ ان مسلمانوں کے خون کو مباح قرار دینا بہت خطرناک ہے جو خدا کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں، لہٰذا ایک ہزار کافر کو ترک کرنے میں خطا کی قباحت کہیں کم ہےاس کام سے کہ خون حجامت کے برابر ایک مسلمان کا خون بہایا جائے۔ اس کے بعد تحریر کرتے ہیں جیسے ہی ایک شخص اپنی زبان پر کلمہ شہادتین جاری کرتا ہے تو رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے

مطابق اس کی جان اور مال محترم ہوجاتے ہیں مگر یہ کہ اس کی جان و مال لینا برحق ہو جیسے کہ قصاص۔ ۱۷

۵۔ شہرستانی

محمد بن عبد الکریم شہرستانی (سنہ وفات ۵۴۸ ھ) مشہور و معروف کتاب" ملل و نحل " کے مصنف اپنی ایک دوسری کتاب" نہایۃ الاقدام فی علم الکلام" میں اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"ایک عام آدمی پر واجب ہے کہ اس کا عقیدہ ایسا ہو کہ اس مملکت میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے اور صفات میں اس کا کوئی نظیر نہیں ہے اور افعال میں اس کا کوئی ہمتا نہیں ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے رسول ہیں جنہیں اس نے لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا ہے۔ اس لیے جب ایک آدمی مذکورہ باتوں پر ایمان لے آئے اور جو چیزیں پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہوئی ہیں ان کا انکار نہ کرے تو وہ مومن ہوگا۔ ۱۸

۶۔ ابن عساکر حسن بن ہبۃ اللہ (سنہ وفات ۵۷۱ھ) جو ابن عساکر کی کنیت سے مشہور اور کتاب "تاریخ شام " کے مؤلف ہیں، تکفیر کے سلسلہ میں کچھ روایتیں نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فهذه الاخبار تمنع من تكفير المسلمين فمن اقدم على التكفير فقد عصى سيد المرسلين"

اس روایت میں مسلمانوں کو کافر کہنے سے منع کیا گیا ہے اس لیے جو بھی کسی مسلمان کو کافر کہے تو اس نے سید مرسلین کے فرمان کی مخالفت کی ہے۔ ۱۹

۷۔ غزنوی حنفی

جمال الدین احمد بن محمد غزنوی حنفی (سنہ وفات ۵۹۳ ھ) اپنی کتاب " اصول الدین " میں تحریر فرماتے ہیں:

"لا نكفر احدا من اهل القبلة بذنب مالم تستحله ولا نخرج العبد من الايمان الا بجحود ما ادخله فيه والايمان واحد واهله في اصله سواء والتفاضل بينهم بالتقوى۔"

ہم کسی بھی اہل قبلہ کو اس وقت تک کافر نہیں کہتے جب تک کہ وہ فعل حرام کے حلال ہونے کا قائل نہ ہوجائے اور ہم کسی بھی شخص کو ایمان کے دائرے سے اس وقت تک باہر نہیں گردانتے جب تک کہ وہ اس چیز کا انکار نہ کرے جو اس کے مومن ہونے کا باعث بنی ہو،

ایمان ایک واحد حقیقت کا نام ہے جس میں جملہ مومنین برابر ہیں اور صرف ان میں تقویٰ کا فرق ہے۔۔۔ " ۲۰

۸۔ فخر رازی (سنہ وفات ۶۰۶ ھ) کفر کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: "پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی چیزوں میں سے کسی چیز کا انکار"، اس کے بعد فرماتے ہیں:

"فعلی هذا لانکفر احدا من اهل القبلة لان کونهم منکرین لما جاء به الرسول غیر معلوم ضرورة، بل نظر، وبالله التوفیق" ۲۱ اسی لئے ہم کسی بھی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے چونکہ جو چیزیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی ہیں وہ ان کا انکار نہیں کرتے بلکہ ایسے مقامات پر صبر و ضبط سے کام لینا چاہئے اور خدا سے طلب توفیق کرنی چاہئے۔

۹۔ نووی

ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی (سنہ وفات ۶۸۶ ھ)، صحیح مسلم کے شارح اس مسئلہ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

" واعلم ان مذهب اهل الحق انه لا یکفر احدا من اهل القبلة بذنب ولا یکفر اهل الاهواء والبدع" ۲۲

جان لو کہ اہل حق کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ کسی گناہ کے سبب کسی اہل قبلہ کو کافر نہ کہیں، اسی طرح نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والوں اور اہل بدعت کو بھی کافر نہ کہیں۔

اس کے بعد اپنے مدعا کی دلیل حدیث پیغمبر ﷺ "امرت ان اقاتل الناس۔۔۔" کو قرار دیتے ہوئے استدلال کرتے ہیں۔

۱۰۔ ابن تیمیہ

ابن تیمیہ (سنہ وفات ۷۲۸ ھ) مسلمانوں کو کافر کہنے کے سلسلہ میں عنوان "اهل السنة لایکفرون اهل السنة بذنب وبدعه ولا یمنعون الصلاة خلفه" کے تحت کہتے ہیں:

" والاصل ان دماء المسلمین واموالهم واعراضهم محرمة من بعضهم علی بعض لاتحل الا باذن الله ورسوله" ۲۳

مسلمانوں کے مال و اسباب ، عزت و آبرو اور خون میں اصل حرمت ہے لہٰذا ان میں کوئی ایک بھی کسی کے لئے حلال نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ خدا اور اس کا رسولؐ اجازت دیدے۔

ابن تیمیہ نے اپنے مذکورہ دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے حجۃ الوداع کے موقع پر پیغمبراکرم ﷺ کی حدیث سے اس طرح استدلال کیا ہے:

"ان دمائکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا۔۔۔"۲۴

مسلمانوں کا خون اور عزت و آبرو ایک دوسرے پر حرام ہے بالکل اسی طرح کہ جس طرح آج حرام ہے۔۔۔

ابن تیمیہ مذکورہ حدیث اور اسی جیسی دیگر حدیثوں کے پیش نظر جیسے "فقد باء بھما احدھما" مسلمان ہونے کا معیار کلمہ شہادتین کا اقرار اور اسلامی احکام کی ظاہری اتباع کو قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں: "وھذہ الاحادیث کلھا فی الصحاح"؛ یہ تمام حدیث صحاح میں موجود ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں: سلف کے درمیان جو اختلاف پائے جاتے ہیں ، ہرگز ان لوگوں نے ان جھگڑوں کی وجہ سے ایک دوسرے کو کافر نہیں کہا ، اس کے بعد ایک زبردست نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"حضرت علی علیہ السلام کے دور میں ایک جماعت نے آپؑ کے خلاف خروج کیا ، دینی رہنماور ہبر امیرالمومنین، حضرت علی علیہ السلام اور صحابہ و تابعین نے خوارج سے جنگ کی لیکن اس کے باوجود علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور دیگر صحابہ (یہاں اشارہ سعد ابن ابی وقاص کی طرف ہے) نے ہرگز انہیں کافر نہیں کہا ، اس لئے کہ خوارج سے مسلمانوں کی جنگ ظلم و ستم کو ختم کرنے اور ان کی بغاوت کو روکنے کے لئے تھی نہ کہ ان کے کفر کی وجہ سے ، اسی لئے اصحاب نے خوارج کے ساتھ جنگ کرنے میں کفار سے جنگ کے قوانین کو اجراء نہیں کیا ، بلکہ فرماتے ہیں:

"فقاتلھم لدفع ظلمھم لا لانھم کفار ولھذا لم یسب حرمیھم ولم یغنم اموالھم" ۲۵

۱۱۔ ابن قیم جوزی

ابن قیم جوزی (سنہ وفات ۷۵۱ ھ) وہابیوں کی نظر میں دوسرے درجہ کے صاحب علم و فن اور ابن تیمیہ کے شاگرد اپنی کتاب "الطرق الحکمیۃ میں" لکھتے ہیں:

"الفاسق باعتقادہ اذا کان متحفظا فی دینہ فان شھادتہ مقبولۃ وان حکمنا بفسقہ۔۔۔ لا نکفرھم کاھل الاھواء کالرافضۃ والخوارج والمعتزلۃ"۔ ۲۶

جب بھی کوئی فاسق جو اپنے دین میں احتیاط سے کام لیتا ہو ، گواہی دے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی گرچہ وہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہو ۔

اس کے بعد کہتے ہیں: ہم خواہشات نفس کی پیروی کرنے والوں، روافض ، خوارج اور معتزلہ کو کافر نہیں کہہ سکتے ۔

۱۲۔ شیخ الاسلام سبکی شیخ الاسلام تقی الدین سب کی (متوفی ۷۵۴ ھ) کہتے ہیں:

" ایک ایسے مرد مومن کو کافر کہنا بہت مشکل ہے ، جس کے دل میں نور ایمان ہو ، اسی طرح ایسے بدعت گزاروں کو بھی کافر کہنا بہت خطرناک ہے جو" لاالہ الا اللہ محمّد رسول اللہ کا کلمہ" پڑھتے ہیں"۔ ۲۷

۱۳۔ فضل بن شاذان اور تکفیر کا مسئلہ

وہ ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں جنہوں نے شیعوں پر ستم کئے ہیں : یہ جماعت جنہیں تم لوگ " رافضی" کہتے ہو اگر انہیں دنیا کا سارا سونا اور چاندی دے دیا جائے تاکہ کسی ایک فرد مسلمان کا خون بہادیں تو وہ ہرگز ایسا نہیں کرنے والے مگر یہ کہ وہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام جیسے امام کے رکاب میں ان کے حکم سے جہاد کررہے ہوں"۔ ۲۸

۱۴۔ نجف کے فقیہ صاحب جواہر فرماتے ہیں:

" وہ شخص جو اپنے مخالف کو کافر کہتا ہے اس نے متواتر حدیثوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فتویٰ دیا ہے بلکہ اس نے سیرہ قطعی (یعنی کلمہ شہادتین پڑھتے ہی انسان کا مسلمان ہوجانا مشتشرعین اور دینداروں کی مسلم سیرت رہی ہے)کے خلاف عمل کیا ہے ، کلمہ شہادتین کا اقرار کرتے ہی ان کے خون محترم ، ان کے نکاح شرعی اور ان کے قانونی وارث ہوجائیں گے"۔ ۲۹

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

" مخالفین کا کافر نہ ہونا بالضرورہ ثابت ہے اس لئے کہ اس مسئلہ کی طرفداری میں سیرہ ٔقطعی اور نقلی دلیلیں (قرآنی آیات وروایات) موجود ہیں"۳۰

۱۵۔ شیخ انصاری فرماتے ہیں:

" شیعہ فقہاء کے درمیان مشہور ہے کہ ولایت کے مخالفین پاک ہیں اس لئے کہ اس مسئلہ پر نص اور فقہاء کا اجماع موجود ہے ، اس کے علاوہ سیرت چلی آرہی ہے کہ اس طرح کے مسلمان پاک ہیں اسی لئے ہمارے ائمہ علیہم السلام اور ان کے چاہنے والے برابر ان کے ساتھ نشست و برخاست کیا کرتے رہے ہیں"۔ ۳۱

۱۶۔ امام خمینیؒ

جو بات روایتوں کی روشنی میں ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کلمہ شہادتین کا اقرار عین اسلام ہے ، اس لیے جو بھی کلمہ شہادتین اپنی زبان پر جاری کرے تو اس پر اسلام کے تمام احکام جاری ہوں گے"۔ ۳۲

۱۷۔ آیت اللہ خوئی

"اسلام کے مسلمات کا انکار کفر اور منکر کی نجاست کا باعث ہے ، جیسے کہ کوئی شخص کسی نبی کی نبوت کا انکار کرےاور اس عقیدے کے ساتھ انکار کرے کہ جس کا وہ انکار کررہا ہے وہ دین کا حصہ ہے لیکن اگر یہ شرط پوری نہ ہوتو اسے کافر نہیں کہا جائے گا لہٰذا ائمہ علیہم السلام کی ولایت کے مخالفین گرچہ امامت کے منکر ہیں لیکن انہیں یقین نہیں ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ایسی کوئی بات کہی ہے ، اسی لئے ان کا انکار کفر کا باعث نہیں ہے ، اس لئے کہ امامت گرچہ شیعہ مذہب کے مسلمات اور لوازم میں سے ہے لیکن دین اسلام کی ضروریات میں سے نہیں ہے"۔ ۳۳

ہم مذکورہ شیعہ فقہاء کے اقوال کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اس لئے کہ وہ تشیع کے ستون ہیں ۔

اسلامی فرقوں کے ساتھ میل جول رکھنا ائمہ معصومین علیہم السلام کی جانب سے نقل ہونےوالی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے اپنے مخالفوں کو مسلمان کہا ہے اور ہمیشہ اپنے چاہنے والوں کو حکم دیا ہے کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کریں۔

۱۔ عبداللہ بن سنان امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

" اوصیکم بتقوی اللہ عزوجل ولا تحملوالناس" (روایتوں کی تعبیر میں "الناس" ۳۴ سے مراد اہل سنت ہیں) علی اکتافکم فتذلوا ان للہ تبارک وتعالی ، یقول فی کتابہ: وقولوا للناس حسنا ثم قال عودوا مرضاھم واشھدوا جنائزھم واشھدوالھم وعلیھم وصلوا معھم فی مساجدھم "۔ ۳۵ میں تمہیں تقوائے الٰہی کی وصیت کرتا ہوں اور ہر گز لوگوں کو اپنے اوپر مسلط نہ ہونے دو ورنہ ذلیل وخوار ہو جاؤ گے انہیں اپنی اطاعت پر مجبور نہ کرو کہ اس کام سے رسوا ہو جاؤ گے ، لوگوں کے مریضوں کی عیادت کرو ، ان کے جنازوں کی تشییع کرو اور ان کے نفع و نقصان کی گواہی دو اور ان کی مسجدوں میں نماز پڑھو۔

۲۔ زید شحام امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا:

"یا زید خالقوا الناس باخلاقھم صلوا فی مساجدھم و عودوا مرضاھم واشھدوا جنائزھم و ان استطعتم ان تکونوا الائمۃ والموذنین فافعلوا فانکم اذا فعلتم ذلک قالوا: ھولاء الجعفریۃ رحم اللہ جعفرا ما کان احسن مایودب اصحابہ و اذا ترکتم ذلک قالوا: ھولاء الجعفریۃ فعل اللہ بجعفر ما کان اسوا مایؤدب اصحابہ "۔ ۳۶

لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ ، ان کی مسجدوں میں نماز پڑھو، ان کے بیماروں کی عیادت کو جاؤ ، ان کے جنازوں کی تشییع کرو اور اگر ہوسکے تو نماز میں ان کے امام یا ان کے مؤذن بنو، لہٰذا اگر تم نے اس طرح ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو وہ لوگ کہیں گے : خدا جعفر بن محمد پر رحم کرے کہ انہوں نے اپنے چاہنے والوں کی کتنی اچھی تربیت کی ہے لیکن اگر تم نے ہماری باتوں پر کان نہیں دھرا تو لوگ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کے خلاف میرے سلسلہ میں کہیں گے ۔

۳۔ اسحاق بن عمار کہتے ہیں :امام صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

" یا اسحاق اتصلی معھم فی المسجد؟ قلت: نعم، صلّ معھم فان المصلی معھم فی الصف الاوّل ، کالشاھر سیفہ فی سبیل اللہ "۔ ۳۷

اے اسحاق !کیا تم ان لوگوں کے ساتھ ان کی مسجدوں میں نماز پڑھتے ہو ، میں نے کہا: ہاں ، فرمایا :اسی طرح ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہو اور جو بھی انکے ساتھ پہلی صف میں رہ کر نماز پڑھے گویا وہ خدا کی راہ میں جہاد کررہا ہے۔

۴۔ حلبی امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"من صلی معھم فی الصف الاوّل کان کمن صلی خلف رسول اللہ"۔ ۳۸

جو بھی ان کے ساتھ پہلی صف میں کھڑا ہو کر نماز ادا کرے گویا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کی ہو۔

ہم انہیں چند روایتوں کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں اور ان روایتوں کی کوئی کمی نہیں ہے جن میں ائمہ معصومین علیہم السلام نے اپنے چاہنے والوں کو امامت کا انکار کرنے والوں کے ساتھ دینی بھائیوں کے جیسا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذاہم نے یہاں پر بے شمار روایتوں میں صرف بعض کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے ۔

حوالے:

۱۔ سجستانی ، سنن ابی داود ، ج ۲، ص۴۰۹ ش ۴۶۸۷

۲۔ نیشاپوری ، صحیح مسلم ، ج ۱، ص ۵۶، کتاب الایمان ، باب "من قال لاخیہ المسلم کافر۔۔۔"

۳۔ "القرطبی، التمہید ، ج ۱۷ص ۲۲

۴۔ نیشاپوری ، صحیح مسلم ، ج ۱، ص ۵۶، کتاب الایمان ، باب "من قال لاخیہ المسلم یاکافر" ابن حنبل مسند احمد، ج ۲، ص ۱۸و۶۰ و۱۱۲

۵۔ سورہ نساء ، آیت ۴۸

۶۔ بخاری ، صحیح بخاری ، ج ۱، ص ۱۳ ،کتاب الایمان ، باب "المعاصی من امر الجاھلیۃ۔۔۔"

۷۔ ترمذی، سنن ترمذی ج ۴، ص ۱۳۲کتاب الایمان

۸۔ بخاری ، صحیح بخاری ، ج ۷، ص ۸۴، کتاب الادب ، ابن حنبل ، مسند احمد ، ج ۵، ص ۱۸۱

۹۔ نیشاپوری ، صحیح مسلم ، ج ۱، ص ، ۵۷ کتاب الایمان

۱۰۔ ابن حجر عسقلانی ، فتح الباری ، ج ۱۰، ص ۳۹۹۔۳۸۸

۱۱۔ بیہقی ، السنن الکبری ، ج ۸، ص ۱۷۳

۱۲۔ طبرانی ، المعجم الکبیر ، ج ۱۲، ص ۲۱۱
۱۳۔ طبرانی ، المعجم الاوسط ، ج ۷، ص ۲۳۰
۱۴۔ ابن حزم ، الفصل فی الملل والاھواء والنحل ، ج ۲، ص ۲۶۷
۱۵۔ شعرانی ، الیواقیت والجواہر ، ص ۵۰
۱۶۔ بغوی ، شرح السنۃ ، ج ۱، ص ۹۶
۱۷۔ قاضی عیاض ، الشفاء ، ص ۲۷۸
۱۸۔ شہرستانی ، نہایۃ الاقدام فی علم الکلام ، ص ۴۷۲
۱۹۔ ابن عساکر ، تبیین کذب المفتری ، ص ۴۵۰
۲۰۔ غزنوی، اصول الدین ص ۳۰۱، ۳۰۴
۲۱۔ فخر رازی ، محصل افکار المتقدمین والمتاخرین ، ص ۳۵۰
۲۲۔ شرح نووی بر صحیح مسلم ، ج ۱، ص ۱۳۴
۲۳۔ ابن تیمیہ ، مجموع الفتاوی ، ج ۳، ص ۲۸۳
۲۴۔ بخاری ، صحیح ، ج ۱، ص ۲۴و۲۵
۲۵۔ ابن تیمیہ ، مجموع الفتاوی ، ج ۳، ص ۲۷۸۔۲۹۲
۲۶۔ ابن قیم ، جوزی ، الطرق الحکمیۃ ، ص ۱۴۶۔۱۴۷ طریق السادس عشر، الحکم، بشہادۃ الفساق
۲۷۔ شعرانی ، الیواقیت والجواہر ، ص ۵۳۰
۲۸۔ ابن شاذان ، الایضاح ، ص ۲۰۸
۲۹۔ نجفی ، جواہر الکلام ، ج ۴، ص ۸۳
۳۰۔ نجفی ، جواہر الکلام ، ج ۳۰ ص ۹۷
۳۱۔ شیخ انصاری ، کتاب طہارت ، ج ۲، ص ۳۵۱
۳۲۔ امام خمینی ، کتاب طہارت ، ج ۳، ص ۳۱۷و۶۳۵
۳۳۔ خوئی ، کتاب طہارت ، ج ۲، ص ۸۶
۳۴۔ در تعبیر روایات مراد اہلسنت ہے۔
۳۵۔ البرقی ، المحاسن ، ج ۱، ص ۱۸، حر عاملی ، وسائل الشیعہ ، ج ۸، ص ۳۰۱
۳۶۔ صدوق ، من لایحضرہ الفقیہ ، ج ۱، ص ۳۸۳
۳۷۔ الطوسی ، تہذیب الاحکام ، ج ۳، ص ۲۷۲
۳۸۔ صدوق ، من لایحضرہ الفقیہ الکلینی ، کافی ، ج ۳، ص ۳۸۰

منابع

۱۔ قرآن کریم
۲۔ ابن حزم ، الفصل فی الملل والاھواء والنحل ، دار الکتب العلمیہ ، (بی تا)
۳۔ ابن حنبل ، مسند احمد ، دار صادر ، بیروت ،۱۴۰۵ ق
۴۔ ابن عساکر ، تبیین کذب المفتری ، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۰۴ ق
۵۔ ابن قیم جوزیہ ، الطرق الحکمیۃ ، مکبتۃ دار البیان ، بیروت ۱۴۰۷
۶۔ بخاری ، محمد ابن اسماعیل ، صحیح بخاری ، دار الفکر ، بیروت ۱۴۱۳،ق
۷۔ حر عاملی ، وسائل الشیعہ ، موسسہ آل البیت ، قم ۱۴۰۱،ق
۸۔ خوئی ، سید ابو القاسم ، کتاب طہارات ، موسسہ آل البیت ، قم ۱۴۰۱،ق
۹۔ سجستانی ، سلیمان بن اشعث ، سنن ابی داود ، انتشارات دار الفکر ، بیروت ۱۴۰۷،ق
۱۰۔ صدوق محمد بن علی ابن بابویہ ، من لایحضرہ الفقیہ ، جامعہ مدرسین قم ، (بی تا)
۱۱۔ طبرانی ، المعجم الاوسط ، دار الحرمین ، ریاض ۱۴۱۵،ق
۱۲۔ طبرانی ، المعجم الکبیر ، دار احیاء التراث ، (بی تا)
۱۳۔ طوسی ، محمد بن حسن ، تہذیب الاحکام ، دار الکتب الاسلامیۃ ، تہران ، ۱۴۰۷،ق
۱۴۔ عسقلانی ، ابن حجر ، فتح الباری ، دار المعرفۃ ، بیروت ، (بی تا)
۱۵۔ غزنوی ، اصول الدین ، دار البنائر الاسلامیۃ ، بیروت ۱۴۱۹،ق
۱۶۔ قرطبی ، ابن عبد اللہ ، التمہید ، انتشارات اوقاف ، مغرب ۱۳۸۷ق
۱۷۔ کلینی ، محمد بن یعقوب ، کافی ، دار الکتب الاسلامیۃ ، تہران ۱۴۰۷ ، ق
۱۸۔ متقی ہندی ، علاء الدین ، کنز العمال ، انتشارات مؤسسہ الرسالہ ، بیروت ۱۴۱۲ ق
۱۹۔ نبوی ، شرح السنۃ ، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۱۴ ، ق
۲۰۔ نجفی ، شیخ محمد حسن ، جواہر الکلام ، در الکتب الاسلامیۃ ، تہران ، ۱۴۰۲ق
۲۱۔ نیشاپوری ، مسلم ، صحیح مسلم،انتشارات دار الفکر ، بیروت (بی تا)

قرآن وسنت کی تفہیم میں تکفیریوں کے طرز عمل سے واقفیت

مؤلف: علی فتحی
مترجم: سید اصغر رضا نقوی، فاضل مشرقیات

خلاصہ:

قرآن کریم اور سنت نبوی کو سمجھنا شریعت اسلامی کے بنیادی ترین منابع میں شمار ہوتا ہے اور اس کے اپنے خاص ضابطے ہیں، اسی وجہ سے قرآن کریم کی آیتوں اور روایتوں کے حوالے سے کسی خاص قاعدہ اور صحیح ضابطہ کا لحاظ کئے بغیر کچھ کہنا ایک فرقہ وارانہ تعصب اور تفسیر بالرای کا کھلا مصداق سمجھا جاتا ہے جو کہ نہایت مذموم طریقہ ہے، قرآن وروایات کے سلسلے میں راہ افراط کو اپنانے کی وجہ سے مفسّر آیات کا لحاظ کئے بغیر یا قرآن کریم کی کچھ ظاہری آیات پر تکیہ کر لینے کی بنیاد پر اور کبھی قرآنی آیات کی خود انتخاب تفسیر پیش کرکے دوسروں پر شرک وبدعت کا الزام لگاتے ہیں۔

قرآن وسنت کے سمجھنے میں اس کے ضابطے اور خلاف اصول آیات وروایات پر عمل، وہ بھی ظواہر آیات پر شدت پسندی کے رویہ نے تکفیری سلفیوں کو یہ جرأت وہمت دیدی کہ وہ ایک طرف ظاہری اور سطحی معانی پر عمل کریں اور دوسری طرف اپنے مخالفین کو بے بنیاد بہانوں سے بدعت گذار اور مشرک وکافر کا خطاب دے دیں۔

یہ تحریر قرآن وسنت کی فہم و تفسیر میں تکفیری سلفیوں کے طریقہ عمل سے واقف کرانے میں ایک تجزیہ و تحلیل ہے جس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ تکفیری سلفی گروہ اپنے طریقہ کار میں دینی فہم واستنباط کے متعارف اصول کے بالکل پابند نہیں ہیں بلکہ زیادہ تر قرآن وسنت کی تفسیر بھی اپنے مقاصد کی تائید میں کرتے ہیں۔

کلیدی الفاظ، تکفیری روش، طریقہ سے واقفیت، سلفیت، وہابیت، قرآن، سنت

مقدمہ:

دور حاضر میں عالم اسلام میں رونما ہونے والے فتنوں کے اسباب میں سے ایک اہم سبب تکفیری گروپ کا لوگوں کو مسلمانوں سے متنفر کرانا اوران سے دور کرنا ہے، جو کبھی سلفیت کے نام پر تو کبھی قرآن

وسنت سے دفاع کے بہانے اسلامی دنیا کو بہت سے نقصان منجملہ سیاسی اور سماجی مشکلات سے دوچار کئے ہوئے ہیں۔ مجموعی طور پر سلفی اپنے طریقہ عمل کے اعتبار سے دو حصوں پر تقسیم ہوتا ہے:

۱۔ قدیم سلفی، ۲۔ جدید سلفی،

قدیم سلفی، اپنے آپ کو سلفی بزرگوں کا تابع اور ان کے طریقہ کار کی پیروی کرنے والے جانتے ہیں اور سلف (بزرگ) ان کی نگاہ میں عام طور پر صحابہ اور تابعین کو کہتے ہیں اور غیر متعارف طریقوں کو نہیں اپناتے ہیں، جبکہ جدید سلفی، تکفیری طرز عمل کے ساتھ سامنے آیا ہے جسے ابن تیمیہ کے انتہا پسندانہ افکار و نظریات کی اطاعت اور کچھ صدی قبل محمد بن عبد الوہاب کی قیادت نے مزید تقویت بخشی ہے، جس کے نتیجہ میں وہ صحابہ اور تابعین سے اپنے افکار وابستہ کرنے کے بجائے اکثر ابن تیمیہ اور محمد ابن عبد الوہاب کی آراء و نظریات سے منسلک اور وابستہ کرتے ہیں، تاکہ سلفی اس طرح سے اپنے مخالفین کی سب سے کمتر سزا، کفر سمجھیں، اور انہیں واجب القتل قرار دیں، جبکہ یہ نظریے اور خود یہ طریقے حقیقی اسلام کی سوچ سے کلی طور پر متضاد ہیں اور استاد شہید مرتضیٰ مطہری کے بقول، سلفی خیال وہابی یعنی جدید سلفی نے بزرگوں کی پیروی کو اپنی محدود و تنگ نظر سوچ اور کسی حد تک ابن تیمیہ کی پیروی میں حنبلی مکتب فکر کے مطابق کر دیا ہے اور حقیقت میں صدر اسلام کی طرف واپسی کو اس حنبلی مسلک سے وابستہ کر دیا۔ جو اسلامی مکتب فکر کے لحاظ سے سب سے بعد میں ہے۔[۱] بے شک قرآن وحدیث کو اسی وقت صحیح سمجھا جاسکتا ہے جب اس کے صحیح اصول کا سہارا لیا جائے اور یہ فہم وادراک اسلامی عقلائی اصول کی بنیاد پر ممکن ہے اگرچہ طریقہ کار اور اصول کے مطابق ہونے کے باوجود بھی ہمیشہ سو فیصد مراد تک رسائی نہیں ہوتی لیکن حقیقت اور مراد تک پہنچنا بھی اس کے بغیر ممکن نہیں ہے اسی وجہ سے صرف مناسب طریقوں کو وسیلہ بنانے اور صحیح معیار کو اختیار کرنے سے حقیقی معانی اور مراد تک پہنچا جاسکتا ہے۔

شرعی احکام کے استنباط کرنے میں وہابی تکفیریوں کے بعض طریقہ کار

یہ حضرات چونکہ غیر عقلائی طریقوں کا سہارا لیکر اور قرآن کریم وسنت نبوی کی غلط اور من مانی تفسیر کرتے رہے ہیں لہٰذا بعض صحابہ وتابعین اوران کی پیروی کرنے والوں کی فکر و عمل کو معیار قرار دیتے ہوئے دور حاضر کی زندگی کے لئے شرعی حجت سمجھتے ہیں، اس راستہ کی پیروی کرنے والوں نے ایک طرف اہلسنت کے چاروں مسالک کے فقہی معیار واصول سے ہٹ کر اور دوسری طرف اجتہاد کے انتہا پسندانہ اور بے ضابطہ انداز کو اپنا کر ایک جدید تکفیری نظریہ کو جنم دیا ہے۔

وہابیوں کے خیال کے مطابق قرآن وحدیث کے صحیح سمجھنے کا طریقہ فقط سلف کی روش بالخصوص ابن تیمیہ کے طریقہ کار پر اعتماد کرنا ہے۔ اور اس کے علاوہ جو بھی سلفی طریقہ کے خلاف ہو وہ اوہام و گمان پر مبنی

ہے اسی وجہ سے دوسرے طریقے تکفیری وہابیوں کی نظر میں معتبر نہیں ہیں۔

اس بنیاد پر عقلی طریقہ اسلام میں بعد میں وجود آیا اور یقیناً صحابہ وتابعین کے دور میں موجود نہیں تھا، اسلامی افکار کے مطابق دینی معارف اور مقاصد تک پہنچنے کے لئے عقل و نقل (آیات وروایات) دونوں طریقے اپنا اپنا مقام رکھتے ہیں اور بہت سے مقامات پر یہ دونوں طریقے ایک دوسرے کے لئے مکمّل ہیں، چنانچہ قرآن کریم نقلی روش کے علاوہ اپنے اندر بہت سے عقلی استدلال کا مظہر ہے یہی وجہ ہے کہ دلیل نقلی قطعی و معتبر اور دلیل عقلی قطعی میں کسی طرح کا تعارض واختلاف نہیں ہے۔

البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ تقدم اور ترجیح کے باب میں تعارض کے وقت کون کس پر مقدم ہوگا مسلمانوں کے درمیان اختلاف نظر پایا جاتا ہے لیکن تکفیری وہابیوں کی نگاہ میں صرف وہی ظواہر آیات قابل قبول اور شرعی حیثیت رکھتے ہیں جن کی تفسیر سلف نے کی ہو۔ ان تکفیری وہابیوں اور دوسرے مسلمانوں میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہر حالت میں اپنی ہی روش پر عمل کرتے ہیں چاہے آیات وروایات کی صورت عام ہو یا مطلق یا قید وشرط کی صورت رکھتی ہو یعنی متعارض روایتوں کو بجائے قرآن سے پرکھنے، ناقل کی حیثیت اور شرائط کو ملحوظ کئے بغیر سند وروایت وغیرہ کسی طرح کی شرط ان کے نزدیک اہمیت کی حامل نہیں ہے، تکفیری گروہ کی تمام سرگرمیوں سے قطع نظر جس طرح وہ میدان عمل میں کسی اخلاقی وانسانی اصول کے پابندی نہیں ہیں اسی طرح سے علم و تحقیق نیز اخلاق وانصاف کے حوالے سے بھی کسی چیز کا خیال نہیں رکھتے ہیں، اکثر مواقعوں پر علمی منطقی اور استدلالی راستوں کو اپنانے کے بجائے تہمت والزام تراشی اور نامناسب تعبیرات کا استعمال کرتے ہیں۔

ظواہر قرآن واحادیث پر عمل کرنے میں شدت پسندی اور کسی قانونی ضابطہ کا لحاظ کئے بغیر من چاہے انداز میں ان پر عمل کرنے کی وجہ سے وہ اپنے طریقۂ عمل کو ظواہر کے مطابق اور نہایت سطحی رکھتے ہیں جس کے نتیجہ میں اللہ کے جسم و تشبیہ کے قائل ہوگئے۔ مکمل طور پر سے اس روش کو اجاگر کرنا اور ان تمام واقعات کو بیان کرنا اس ایک مقالہ میں ممکن نہیں ہے اسی وجہ سے اس تحریر میں تکفیری وہابیوں کے ان اہم طریقوں پر تجزیاتی اور توصیفی تحقیق پیش کی گئی ہے جنہیں وہ قرآنی وحدیث کے سمجھنے میں اپناتے ہیں۔

سلفیوں کا تکفیری گروپ:

سلفیوں کا تکفیری گروہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنے مخالفین کو کافر مانتے ہیں ان کی فکری بنیاد کی بنا پر ایمان و عمل کے درمیان ملازمہ پایا جاتا ہے اسلامی دنیا میں صرف وہ گروہ جو ایمان کو عمل کے ساتھ اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر مانتا تھا وہ خوارج تھے یہاں تک کہ ان میں سے بعض ان گناہوں کے انجام

دینے سے کہ جن پر کوئی مخصوص عذاب نہ ہو کفر کی دلیل سمجھتے تھے۔

بعض لوگوں کے نظریے کے مطابق خوارج تقریباً بیس فرقوں میں بٹ گئے ان میں سے ہر ایک دوسرے کو کافر کہتا تھا۔

جنگ صفین کے واقعہ میں جنہوں نے حکمین کے حق میں موافقت کی تھی اور اس پر راضی ہو گئے تھے منجملہ حضرت علیؑ ان سب کو یہ لوگ کافر کہتے تھے، اور اسی کفر کا بہانہ بنا کر انہوں نے حضرت علیؑ کو شہید کر دیا۔[۲]

شدت پسندی تکفیر: (ایک دوسرے کو کافر بتانے) کے تمام نشیب وفراز تاریخ اسلام میں صدر اسلام سے لے کر آج تک موجود ہیں نمونے کے طور پر تیسری صدی میں "بر بہاری" فرقہ اسی فارمولے پر عمل کرتا تھا اور ابن تیمیہ کے وسط حیات اور محمد بن عبد الوہاب کے آخری دور میں وہابیت نے سلفیت نامی ایک نئے فرقہ کو جنم دیا کہ جس نے مسلمانوں کو اپنے مذہبی امور انجام دینے کی وجہ سے خوارج کی طرح مشرکوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا، دوسرے تمام مسلمانوں کو اس وجہ سے کہ وہ وہابیوں جیسی سوچ نہیں رکھتے مشرک وکافر شمار کرتے ہیں۔

سلفی وہابی مکاتب فکر کی بنیاد پر بالخصوص سلفی وہابی کے اندر کارفرما طریقۂ کار مد نظر تکفیری نظریہ قائم ہوا اگرچہ خود سلفی وہابی مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔[۳]

بے شک تکفیریوں کے افکار اور طرز عمل کا اصلی سرچشمہ سلفی وہابی کی تعلیم وتربیت ہے اسی بنا پر تکفریوں کا طریقۂ کار سلفی وہابی کی طرح بے رحمانہ آمرانہ اور اس حد تک شدید ہے کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کو صرف اس وجہ سے کہ وہابیوں کے ہم عقیدہ نہیں ہیں انہیں شرعی قوانین وضوابط کا مخالف قرار دیتے ہوئے کفر کا الزام لگاتے ہیں اور کسی دلیل کے بغیر لوگوں کا خون بہانا جائز سمجھتے ہیں۔ سلیمان بن عبد الوہاب کے بقول: آج مسلمان ایک ایسے شخص کے پھندے میں گرفتار ہو گئے ہیں کہ وہ شخص اپنے آپ کو قرآن وحدیث کا دلدادہ مانتا ہے اور جو بھی اس کا ہم فکر نہیں ہے اس کو کافر کہتا ہے جبکہ اس کے پاس ایک شرط اجتہاد تو کیا اجتہاد وفتویٰ کی شرائط کا دسواں حصہ بھی نہیں جانتا ہے لیکن اس کے باوجود بہت سے نادان افراد اس کی پیروی کرتے ہیں؟![۴]

سنت نبوی کی من مانی تفسیر اور قرآن کریم کی آیات کا سطحی ومعمولی مطلب نکالنے کی جرأت نے انہیں اپنے مخالفین کو بے دھڑک کافر کہنے کا حوصلہ دیا۔

نمونے کے طور پر، جامعہ مسلمین، یا تکفیری جماعت نے انجینئر شکری مصطفیٰ (۱۹۴۲۔۱۹۷۸) کی قیادت میں آج کے مسلم معاشرہ کو کافر معاشرے کا نام دیا اور کہا کہ ایسے مسلمانوں سے پرہیز کیا جائے تاکہ

پاک ہوں اور بعد میں دوسروں کو بھی پاک کرنے کے لئے سعی و کوشش کریں۔ اس کی نگاہ میں تمام مسلم معاشرہ رسول خداؐ اور خلفائے راشدین کے بعد سے کافر ہوگیا ہے، اور صرف مسلمانوں کی نجات کا راستہ شکری مصطفیٰ والی مسلمان جماعت سے ملنے میں ہے ورنہ کفار کے زمرے میں آجائیں گے، اس لئے اگر شکری مصطفیٰ کو وہابیوں کے شدت پسند گروہ میں شمار کیا جائے تو بے جانہ ہوگا، بعض لوگوں کی نظر میں شکری مصطفیٰ نے وسیع پیمانے پر حکام اور اسلامی معاشرے کے درمیان تکفیر کی بنیاد کو مستحکم کیا ہے۔ ۵

بہر حال ایک دوسرے کو کافر کہنے کی وجہ سے اسلامی معاشرے پر اتنا بڑا اثر پڑا ہے جس کو آسانی سے ختم نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے برے نتائج کا ہم مشاہدہ بھی کر رہے ہیں چنانچہ اسلامی ملکوں میں بہت سے دہشت گردانہ حملے کے پیچھے تکفیری فتوے کافرما رہے ہیں۔

سلفیت۔ تکفیری طریقہ کار سے واقفیت

"لفظ روش"، راستہ، طریقہ، کام کو کیسے انجام دیا جائے، قاعدہ اور قانون کے معانی میں استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے کسی کام کو انجام دینے کا طریقہ، یا کسی آلہ ووسائل کو کام میں لانا اور کسی راستہ کو اختیار کرنا اپنے مقصد وہدف تک پہنچنے کے لیے ایک خاص نظم وضبط کے ساتھ ۶

اور اصطلاح میں یہ لفظ کبھی خود راستہ پر یا ان قواعد ووسائل پر اطلاق ہوتا ہے جن کے ذریعہ مقصد تک پہنچنا مطلوب ہوتا ہے اسی طرح ہر قسم کے مناسب وسائل کے ذریعہ مقصد اور ہدف تک پہنچنے کو روش کہتے ہیں۔ لہٰذا: روش ان تمام وسائل اور تدبیروں کا نام جن کے ذریعہ حقیقت کو پہچاننے اور ہدف و مقصد تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ قرآن وحدیث کو ایک خاص طریقہ اور قواعد وضوابط کے مطابق ہی سمجھا جاسکتا ہے اور قرآن کو سمجھنے کا سب سے معتبر اور صحیح طریقہ فہم کے عقلی اصول ہوتے ہیں اگرچہ ہمیشہ قواعد وضوابط کی پابندی اس بات کی ضمانت نہیں ہوتی کہ وہ واقعی مراد تک پہنچ ہی جائے گا لیکن حقیقی معنیٰ و مقصود تک پہنچنے کا راستہ بھی یہی ہے۔

اسی وجہ سے صرف مناسب طریقوں کے ذریعہ اور صحیح معیار کو اپنانے کے بعد ہی صحیح مطلوب اور مقصود تک رسائی ہو سکتی ہے۔

(سلفی تکفیری معاصر) موجودہ دور کا سلفی منابع ومآخذ اور ہم فکر اور ہم تحریر ہونے کے ساتھ ساتھ، اپنے مقصود کو پانے کے لئے ان کی خود اپنی تعبیر کے اعتبار سے ایک خاص قسم کی روش کے ذریعہ دین کو صحیح سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یعنی صرف انہیں وہابیوں کے پاس دین کو صحیح سمجھنے کی قوت موجود ہے، ان کی نظر میں اسلام کی صحیح تفسیر کرنے کی تشخیص صرف ظواہر قرآن وسنت اور صدر اسلام کی تین نسلوں پر منحصر ہے جس میں صحابہ وتابعین وتبع تابعین شامل ہیں۔ یہ روش وطریقہ کم وبیش قدیم

سلفی جیسے کہ ابن حنبل کے یہاں بھی پایا جاتا ہے جو کہ احکام کے استخراج واستنباط میں ظاہر قرآن وسنت اور عمل صحابہ کی تاکید کرتے تھے لیکن وہ بات جو ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ قدیم سلفی، و جدید سلفی (وہابی) ان دونوں میں وجہ امتیاز ایک خاص قسم کی تفسیر ہے جیسے جدید سلفی نئے قسم کے مفہوم جیسے بدعت، شرک، کفر یہاں تک کہ دوسرے مسلمانوں کو کافر جیسے لفظ کہنے میں لگاؤ رکھتے ہیں، ان وہابیوں کی دین کی غلط تفسیر اور جہالت ونادانی اور دین فہمی کے سلسلہ میں ظاہر پسندی ورجحان پر انجماد اور ظاہر پر عمل کرنے اوران کی تکفیری حالت اس بات کا سبب بنی ہے کہ استکباری طاقتیں انکا ایک بہت کار گر ثابت ہونے والے ہتھیار کے طور پر مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالنے اور اپنے برے مقاصد میں ان سے استفادہ کریں، اس نظریہ سے بھی ان کے اعتقادی اور بنیادی اصولوں کی تحقیق اوران تکفیری گروہوں کے طور طریقوں کی چھان بین کرنا اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ جو اسلامی معاشرہ پر کلنک کا ٹیکہ لگا ہوا ہے اس کو صاف کیا جاسکے، یہ تحریر اور یہ مقالہ سلفیوں کے بارے میں تحقیق و جستجو اوران کی روش کے بارے میں تنقید اوران کی حقیقت کو بیان کرتا ہے۔ وہابیوں کا قرآن وحدیث فہمی کے طور پر طریقہ ایک ظاہر پسند روش پر مبنی ہے اور یہ لوگ قرآن وحدیث فہمی میں ہر طرح کی تاویل اور عقلی دلیلوں سے گریز اور بے ثمر ولا حاصل اجتہاد پر تکیہ کرتے ہیں کہ ان موارد کو انکا بنیادی طریقہ کہا جاسکتا ہے۔

قرآن وسنت کے ظواہر سے سلفیوں کا بے ضابطگی پر مبنی تمسک

سلفی گروہ ابن تیمیہ کی اتباع میں قرآن در روایات کے ظواہر پر بغیر کسی ایسے عقلی و نقلی قرائن کے جو ظواہر کے خلاف ہوں ان سے تمسک کرتے ہیں، اور ان کی اس ظاہر پسندی کو ان کی تمام تحریروں اور کتابوں میں بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے ابن تیمیہ کی یہ ظاہر پسندانہ فکر ایسے عقائد کو جنم دیتی ہے جیسے کہ توسل کی بعض قسموں کا انکار اور ان کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ لگانا بعض شفاعت کی اقسام کا انکار اور (نبی وامام) سے تبرک حاصل کرنا وغیرہ وغیرہ۔

ابن تیمیہ کا قرآن کا سطحی طور پر سمجھنا اور تاویل کا منکر ہونا نیز ایسی تفسیروں کو پیش کرنے کی وجہ سے علماء نے ابن تیمیہ کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا اور ابن تیمیہ کو متعدد مرتبہ جیل میں ڈالا گیا۔ ابن تیمیہ قرآن میں مجاز کا منکر اور ان آیات کی تاویل کا منکر ہے جو خداوند عالم کی صفات خبری سے متعلق ہیں نیز وہ آیات متشابہ جو خداوند عالم کی صفات خبری ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان کو ان کے ظاہری مفہوم ومطلب پر حمل کرتا ہے، وہ اس راستہ سے داخل ہو کر غیر مناسب نظریوں کا مرتکب ہوتا ہے، سلفی تکفیریوں کا غلط اور غیر منطقی طریقوں کی طرف جانا اور مسلمان دانشوروں کے طریقوں اور روش کا پابند نہ ہونا خود سے بغیر کسی دلیل اور منطق کے فیصلہ کرنا بھی ایک سبب ہے، کہ ان لوگوں نے بے ضابطگی وغیر مناسب

طریقہ کو اپنے نظریہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کھولدیا ہے۔۷ مجموعی طور پر وہابیوں کی بے ضابطگی اور علمی لیاقت نہ ہونے کو تکفیری گروہ کا سلسلہ قرار دیا جانا چاہئے۔

نمونہ کے طور پر شکری مصطفیٰ ان وہابی شدت پسندوں میں سے ہے جس نے نص کا سہارا لے کر مسلمانوں کو کافر بتایا اس کا یہ طریقہ کسی کی مخالفت کا محتاج نہیں ہے بلکہ اس کا یہ اپنا ایک حکم تھا،۸۔

اس نے اپنی اس روش کو ایک دستی تحریر کے ضمن میں (الحجیات) کے عنوان سے یعنی ہدایت کے راستوں اور اس کے منابع وماخذ کو بیان کیا ہے جو کہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ لوگ شرعی احکام کے استنباط میں اسلامی اصول وضوابط و قواعد سے خارج ہوگئے ہیں۔ ان کے نظریہ کے مطابق علم وہدایت فقط ایک مأخذ ومنبع میں منحصر ہے اور وہ خدا ہے دلیل میں یہ آیات پیش کرتے ہیں۔ "قالوا سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا"۔ ۹ اور "قل ان ھدی اللہ ھو الھدی"، ۱۰ لیکن ہم خداوند عالم سے براہ راست رابطہ کرنے سے محروم ہیں اس وجہ سے خداوند کریم نے ہمارے لئے وہ جگہیں معین کردی ہیں جہاں سے ہم علم ودانش حاصل کرسکیں، جیسے آسمان وزمین ۱۱، انسان، ۱۲، قرآن، ۱۳، رسولؐ ۱۴، یہ منابع ومأخذ آپس میں ایک دوسرے سے مرتبط ہیں اور تنہا ہدایت نہیں کرسکتے ہیں۔ ۱۵

شکری مصطفیٰ مجتہد اور مقلدین پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے چونکہ وہ کہتا ہے کہ جو شخص بھی لوگوں کے لئے فتویٰ صادر کرتا ہے وہ کافر ہے ۱۶ اور مقلدین بھی کہ جن لوگوں نے ہدایت الٰہی کو چھوڑ دیا اور عالموں سے بغیر دلیل پوچھے ان کی تقلید کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔ شکری مصطفیٰ اجتہاد کو احکام الٰہی کی شناخت کا ذریعہ عبادت خدا کے قصد کے لیے تلاش اور کوشش کے معانی میں جانتا ہے۔ لیکن اجتہاد کے شرائط جیسے عربی زبان کا ماہر ہونا اور اصول فقہ وعلم حدیث وغیرہ کی تعلیم کو لازم نہیں جانتا بلکہ شکری مصطفیٰ اجتہاد کو تمام لوگوں یہاں تک کہ عوام پر بھی واجب قرار دیتا ہے۔ اور تمام مقلدین کو کافر مانتا ہے، ۱۷ شکری مصطفیٰ ان تمام آیات الٰہی سے استناد کرتے ہوئے کہ جو کافروں کو ان کے آباء واجداد کے کفر کی تقلید کے بارے میں نازل ہوئی ہیں انہی سے مقلّدِ عوام مقلَّد کے کفر کا فتوی صادر کرتا ہے۔ اور بغیر کسی ضابطہ و قانون کے ان آیات کو عام لوگوں پر کہ جو احکام خداوندی کو ان کے ماہر افراد اور مجتہدین سے حاصل کرتے ہیں منطبق کرتا ہے، ۱۸ وہ طریقہ جو شکری مصطفیٰ نے ایجاد کیا ہے آج وہ ہی طریقہ بہت زیادہ شدت پسندی کے ساتھ تکفیری وہابیوں کے سیاسی لیڈران منجملہ داعش نے بھی اپنا رکھا ہے، اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آج کے وہابی تکفیریوں کا سلسلہ اور ان کا طور و طریقہ شکری مصطفیٰ کے فکری سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

شکری مصطفیٰ جماعت المسلمین کا ممبر بننے میں ہی اسلام کا معیار سمجھتا ہے اور یہ اعلان کرتا ہے کہ ان

سب کی تحقیق کے بعد (یعنی ایسے افراد پر تحقیق وآزمائش کے بعد ہی اسلام کا حکم لگاتا ہے) جو لوگ بھی شکری مصطفیٰ کے حلقہ بگوشوں میں ہیں وہی مسلمان ہیں ورنہ کافروں کے زمرہ میں آتے ہیں اور ان کا خون حلال ومباح ہے،۱۹؎ اس طرح کے اسلام کو پیش کرنا لوگوں میں وحشت وخوف پھیلانے کے مترادف ہے۔

شکری مصطفیٰ نے وہی راستہ اپنایا ہے کہ جو اس سے پہلے خوارج نے اپنایا تھا لیکن خوارج اور شکری مصطفیٰ میں فرق یہ ہے کہ شکری مصطفیٰ نے تمام مسلمانوں کو کافر بتادیا ویسے خوارج نے تمام مسلمانوں کو کافر نہیں بنایا۔

ظاہر عمل کرنے میں شدت پسندی اور عقل کے استعمال سے انکار

وہابیوں کا ظاہری عمل اور عقلی اصولوں سے انکار نقل وظاہر پر رجحان کا یہ سلسلہ حنبلیوں بالخصوص احمد ابن حنبل متوفی (۲۴۱ھ) کی طرف پلٹتا ہے۔ البتہ احمد ابن حنبل سے پہلے ہی اس تکفیری گروہ میں خوارج کی پیدائش ہو چکی تھی، اور تیسری صدی ہجری میں تکفیری وہابی فرقہ، میں "بربہاری" فرقہ نے بھی اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے، حنابلہ کے علاوہ فرقہ حشویہ ۲۰؎ فرقہ مجسمہ اور ظاہریہ وہابیوں پر مبنی نئی شاخوں نے مذکورہ واقعہ میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے، ظاہر پسندی نے ساتویں صدی میں ابن تیمیہ کے ظہور کے ساتھ سلفی طور طریقہ کے عنوان سے اپنی پہنچان بنائی اور سلفیت سے ان کی مراد یہ بھی تھی کہ تابعین صحابہ کی مطلق مرجعیت اور ان کے بعد ان کی نسل میں عام مرجعیت کا اعلان کرنا تھا، یہ سلسلہ آخری صدی میں محمد بن عبد الوہاب کے ذریعہ اپنے اندر ایک نئی جان پکڑ گیا، رمضان بوطی کے بقول اس نئے فرقہ نے اپنے آپ کو شرعی حیثیت دینے کے لیے اور ابن تیمیہ کے آثار سے متمسک رہنے کے لیے سلفیت کا عنوان اختیار کیا۔۲۱؎

قدیم سلفیوں کے اہم ترین بنیادی عقائد یہ ہیں کہ قرآن واحادیث کے ظاہر پر عمل کرنا اور قرآن میں استعمال ہونے والے مجاز کا انکار نیز تاویل وتفسیر کی مخالفت، جدید سلفی بھی دینی متون (قرآن وحدیث) کے ظاہری معنی پر اعتماد اور ہر قسم کی تفسیر وتاویل سے ماوراء ہو کر اپنی دینی اور مذہبی سرگرمیوں کو انجام دیتے ہیں، وہ لوگ اپنے بیان کے طریقوں میں قرآن کریم کی بہت زیادہ آیات کا سہارا لیتے ہیں لیکن بغیر کسی آیت اور اس کا ترجمہ دیکھے منطقی ارتباط یا محکم ومتشابہ ہونے یا پھر آیت کے کسی خاص شان نزول کے اعتبار سے اسلام کا واقعی چہرہ پیش کئے بغیر جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں ویسا ہی پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس نظریہ کی بنیاد پر سلفیوں کی یہ ظاہر پسندی کی سوچ بنیادی طور پر اصول دین بالخصوص خدا کی صفات خبری کی بحث میں نشو ونما پا گئی ہے۔

سلفی تکفیر تفسیر کتاب وحدیث کے سمجھنے میں عقل کے استعمال کے قائل نہیں ہیں۔ اور قرآن وحدیث کے مطالب کو عقل وعلم کے ادراک سے بالا مقدم سمجھتے ہیں یعنی قرآن وحدیث فہمی کے جو طریقہ ہیں ان میں عقل کو کام میں نہیں لاتے ہیں۔ ان وہابیوں کے خلاف سلسلہ کو ذیل کے عناوین میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے:

حدیث وسنت غیر معتبر کو قرآنی آیات پر حاکم بنانا، آیات کو روایات پر غلط طریقہ منطبق کرنا، آیات متشابہات سے تمسک کرنا اور آیات متشابہات کی تفسیر وتوضیح میں آیات محکمات کی جانب رجوع نہ کرنا اور روایات سے غلط طور پر استناد کرنا (تمام صحابہ اور تابعین یہاں تک کہ تبع تابعین کی مرجعیت کو قبول کرنا) جبکہ خود سلفیوں کا ہم عصر شیخ ابن عثیمین کہتا ہے: اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اصحاب نے چوری کی، شراب نوشی کی، اور دوسروں پر ناروا تہمتیں لگائیں، اور زنائے محصنہ وغیر محصنہ کے مرتکب ہوئے، لیکن یہ تمام برائیاں اور اصحاب کی کارستانیاں ان کے فضائل ومحاسن کے سامنے پوشیدہ رہیں اور بعض صحابہ پر تو حد بھی جاری ہوئی ہے لیکن یہ تمام سزائیں ان کے گناہوں کا کفارہ ہوں گی۔ ۲۲

قرآن وحدیث سے مطالب اخذ کرنے والے پوری تاریخ تفسیر میں دو غلط طریقوں کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہوئے ہیں، بے ضابطہ تاویل وباطنی معانی کا اخذ کرنا اور دوسرے یہ کہ فکری تعطل اور سطحی طور پر معانی قرآن کو دیکھنا، کہ اس ظاہر پسندی نے تو اور خرابی پیدا کردی کیونکہ اس کی وجہ سے متون دینی (قرآن وحدیث) کے سمجھنے میں عقل تعطل کا شکار ہوگی اور علمی کام رک گیا۔

کلی طور پر سلفیوں کے عقیدہ کے مطابق ان آیات قرآنیہ کے معانی پر ایمان لانا چاہئے اور ان کے مطالب ومراد کو خدا پر موکول کردینا چاہئے۔ لیکن خلف کی نظر میں: ان آیات کے ظواہر قطعاً مراد نہیں ہیں بلکہ یہ تعبیریں مجازی ہیں لہٰذا ان کی تاویل کی جانی چاہئے۔

اسی لئے یہ گروہ (خلف) "وجہ"، یعنی چہرہ کو ذات اور "ید" یعنی ہاتھ کو قدرت اور مثل سے تاویل کرتا ہے، عام طور پر سلفی ان آیات کو جو صفات باری تعالیٰ سے متعلق ہیں ان کی تفسیر وتاویل ان کی اسی ظاہری مراد پر حمل کرتے ہیں یا ان آیات کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، چپ ہیں۔

لیکن اس کے مقابلہ میں گروہ متاخرین ان آیات کو شان الٰہی کے مطابق تاویل کرتے ہیں، ظاہر پسند وانتہا پسند (وہابی) تاویل کا استعمال نہیں کرتے یہاں تک کہ کتاب وسنت کے متشابہات کے بارے میں ان کا طور طریقہ سلفی تکفیریوں کا ہے۔

خصوصاً آیات متشابہ، اور وہ آیات وروایات جو صفات باری تعالیٰ سے مربوط ہیں ان کی تفسیر میں کم از کم حسب ذیل طریقہ اپنایا گیا ہے: تشبیہ گری، ظواہر آیات وروایات پر عمل کرنا اور ان کے ظاہری

مفہوم پر عقیدہ رکھنا چاہے یہ تجسم و تشبیہ پروردگار کا موجب بنے، خداوند عالم سے نفی صفات کرنا اور عقل کا معطل کرنا، عقل کی روشنی میں ظواہر آیات وروایات سے استناد کرنا اور تاویل کا سہارا لینا ان موارد میں کہ جہاں پر آیات وروایات کے ظاہری معنی پر عمل کرنا خداوند عالم کے تجسم و تشبیہ کا باعث بنتا ہے اور تفویض یعنی ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے پھر بھی اس کے ظاہری معنی کو مراد نہ لینا، وغیرہ اس طرح کی آیات وروایات میں ہر طرح کے اظہار نظر اور آیت وروایت کے معنی بیان کرنے سے گریز کرنا چاہئے، اور اس کے علم کو صرف خداوند عالم پر سونپنا چاہئے کیونکہ صرف اس کا علم خدا کے پاس ہے اور بس۔ ۲۳

وہ چیز جو سلفیوں (نہ کہ سلفی تکفیری) اور خلفیوں کے درمیان ان آیات کی تفسیر کے بارے میں قابل بحث و گفتگو ہے اس پر کئی لحاظ سے تحقیق کی جاسکتی ہے:

۱۔ دونوں گروہ خداوند عالم کے مثل و مشابہت سے منزہ اور مبرا ہونے پر اتفاق نظر رکھتے ہیں۔

۲۔ دونوں گروہ متفق ہیں کہ ان الفاظ کے ظاہری معنی خداوند عالم کے بارے میں مراد نہیں لئے جاسکتے ہیں۔

۳۔ الفاظ صاحبان لغت کے اندرونی حالات اور احساس کی عکاسی کرتے ہیں یہ الفاظ بالکل ان حقائق کو بیان کرنے سے قاصر ہیں جو خداوند عالم سے متعلق ہیں، اس بنا پر معانی کو ان الفاظ میں محدود نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ان مقدمات کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سلف وخلف دونوں اصل نظریۂ تاویل میں مشترک رائے رکھتے ہیں، اور فقط ان دونوں میں اس بات میں اختلاف ہے کہ خلف نے لوگوں کو تشبیہ و تجسم کے عقائد سے محفوظ رکھتے ہوئے مراد اور لفظ کے حقیقی معنیٰ کو واضح و معین کردیا ہے تاکہ عوام ان عقائد میں گمراہ نہ ہونے پائے لیکن سلفیوں نے ان معانی اور مراد کو معین نہیں کیا بلکہ اسکے معنی کو ایسے ہی چھوڑ دیا۔ البتہ یہ اتنا کم اختلاف، نزاع اور واویلا کا سبب نہیں ہوتا ہے، وہ کہتا ہے: ہماری نظر میں سلفیوں کا یہ نظریہ کہ آیات صفات و متشابہ کی تفسیر سے متعلق خاموشی اختیار کرنی چاہئے اور ان آیات کا علم خداوند عالم کے سپرد کردینا چاہئے پیروی کرنے کے حوالہ سے کہیں بہتر ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ وہ انتہا پسند سلفیوں سے دوری اختیار کرتے ہوئے اضافہ کرتا ہے:

البتہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خلف کی تاویل، فسق وفجور اور ان کے کفر کا سبب نہیں ہے اور اس طرح کی تاویلیں خلف وسلف کے درمیان اختلاف کا باعث نہیں ہیں، چونکہ احمد بن حنبل جیسا فرد جو سلفی فکر کا گرویدہ اور اس فکر کا پابند ہے وہ چند موارد میں تاویل کی طرف مائل ہوا ہے۔

مختصر یہ کہ سلف وخلف دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ان آیات کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے اور خود یہ اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں تاویل کو قبول کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ سب کے سب اس بات پر بھی اتفاق رکھتے ہیں کہ غلط تاویل یا وہ تاویل جو دین کے اصول و قواعد کے مطابق نہ ہو، قابل وقبول نہیں ہے۔

اس بناپر دونوں گروہ (سلفی و خلفی) میں اختلاف رائے صرف شریعت کی جائز تاویل میں ہے،؟ جو کہ ایک سادہ کام ہے اور بعض سلفیوں کے ذریعہ سے انجام بھی ہوا ہے، لہٰذا تمام مسلمانوں کی اس دور میں یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور ان کی صفوں میں اختلاف نہ ہونے دیں۔ ۲۴

ظواہر آیات وروایات سے تمسک کرنا عقلی و نقلی قرائن کے بغیر، خود سلفیوں کے بزرگ ابن تیمیہ کے طریقہ کے خلاف ہے۔ ابن تیمیہ کی ظاہر پسندانہ فکر نے توسل کے بعض اقسام کی نفی اور توسل کرنے والوں کو کافر کہا ہے اور بعض شفاعت و تبرک سے تمسک حاصل کرنے کے طریقوں کی نفی پر اپنے عقائد کو پیش کیا ہے۔ ابن تیمیہ نے قرآنی آیات سے متعلق معمولی علم کی بناپر اور تاویل کی رد سے ایسی تفسیروں کو پیش کیا کہ علماء نے اس کے کفر کا فتویٰ دیدیا اور وہ چند بار جیل میں ڈالا گیا، ابن تیمیہ نے قرآن میں مجاز کے وجود سے انکار کیا اور ان آیات کی تاویل سے بھی انکار کیا کہ جن میں خداوند عالم کی صفات کی خبر ہے اس طرح آیات متشابہ کا انکار کیا کہ جن میں خداوند عالم کی صفات خبری کا تذکرہ ہے پھر ان تمام کو ان کے ظاہر پر حمل کیا ہے، جس کے سبب وہ غیر مناسب نظریوں کا کا باعث بنا، سلفیوں کی نگاہ میں صرف قرآن وحدیث کے سمجھنے کا طریقہ، وہی ہے جو ابن تیمیہ کا قرآن وحدیث کے سمجھنے میں ہے اور یہی حق ہے اس کے علاوہ، وہ طریقہ جو سلفیوں کی روش کے برخلاف ہے وہ محض خیال وگمان پر مبنی ہے یعنی صحیح نہیں ہے۔ ۲۵

قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے سلفیوں کا یہ ظاہر پسندانہ نظریہ اس بات کا سبب بنا کہ فلسفہ وکلام ومنطق و عملی عرفان جیسے علوم عقلی اور نظریاتی فلسفہ کا مخالف قرار پائے تو ظاہر سی بات ہے کہ اس روش کی مخالفت کرنے سے علم کی مخالفت ہونا لازمی تھی اور علم کی مخالفت کرنے سے اس علم کے عالموں اور دانشوروں کی مخالفت بھی وجود میں آتی ہے، اسی بنیاد پر سلفی حضرات دوسرے طریقوں کی پیروی کرنے والے افراد کو جیسے فلسفیوں، متکلمین اور صوفیوں اور عارفوں وغیرہ کو بدعت گزاروں میں شمار کرنے لگے۔

نمونہ کے طور پر شکری مصطفیٰ علم کو " فتنہ " سے تعبیر کرتے ہوئے علم کو سرکش وطغیان اور علم

سے بشر کو بے نیاز بتاتا ہے، شکری مصطفیٰ نے سورۂ علق کی تفسیر میں جو پیغمبرؐ پر نازل ہونے والا پہلا سورہ ہے اسے اس فتنہ کے سلسلہ کی ایک کڑی قرار دیا ہے۔

شکری مصطفیٰ کے نظریہ کے مطابق خداوند عالم نے اس سورہ میں بندوں کو "اقراء باسم ربک" اپنے نام کے ساتھ ان چیزوں کو پڑھنے اور سیکھنے کو کہا جو خداوند عالم کی عبادت کا سبب بن سکیں، " علم الانسان مالم یعلم" لیکن انسان علم کے فتنہ کی وجہ سے صحیح راستہ پر چلنے سے منحرف ہوگئے۔ کلّآ انّ الانسان لیطغیٰ ان رّاٰہ استغنیٰ، ۲۶؎ شکری مصطفیٰ تصریح کرتا ہے کہ خداوند عالم نے وہ علم جو بشر کو سکھایا وہ اس لئے تاکہ بشر سرکشی نہ کرے اور پیغمبر نے وہ علم جو ہر مسلمان پر واجب قرار دیا ہے وہ آخرت کا علم ہے اور اس سے خداوند عالم کی عبادت مراد ہے۔ شکری مصطفیٰ، پیغمبر اسلامؐ کی سیرت پر تاکید کے ساتھ کسی دوسرے علم کے حصول کو سود مند نہیں قرار دیتا ہے وہ مسلمانوں کو صرف سیرت رسولؐ کی پیروی کے ساتھ مسلمانوں کو صرف خدا کی بندگی اختیار کرنے اور عبادت گزاری کی دعوت دیتا ہے اور کبھی دوسرے علم کو منفعت بخش نہیں جانتا ہے۔ ابوزہرہ سلفیوں کے طور طریقہ کے بارے میں لکھتا ہے:

معتزلہ نے اسلامی عقائد کے بیان میں فلسفیوں کا طریقہ اختیار کیا ہے، انہوں نے بحث و مباحثہ اور مناظرہ میں یونانی منطقیوں اور فلسفیوں کی روش کو اپنایا ہے اور اس طریقۂ کار کو اپنانے میں ان کا اصلی مقصد صرف دین مبین اسلام کے دفاع کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے خود کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا، اشاعرہ اور ماتریدنے بھی انہی لوگوں جیسی روش کو اختیار کیا، اور یہ دو گروہ (اشاعرہ اور ماتریدیہ) اکثر جن نتیجوں تک پہنچنے میں معتزلہ کامیاب ہوئے ہیں ان میں ایک دوسرے سے نزدیک ہوگئے اگرچہ تجزیہ نگاروں اور نکتہ سنج افراد نے ان کی اس کارکردگی پر تجزیہ کیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں سلفی گروہ نے ان کی مخالفت میں کمر باندھی اور ان کے اس طریقہ کی مخالفت کرنی شروع کردی، سلفی چاہتے تھے کہ عقائد کی اسی طرح تحقیق ہو جیسے صحابہ و تابعین کے دور میں مرسوم تھی، یعنی عقائد کو قرآن وحدیث سنت کے علاوہ کسی دوسرے منابع و ماخذ سے نہ لیا جائے۔ اس لئے جن دلائل کی بناء پر عقائد کی بنیاد رکھی گئی ہے انھیں قرآن کریم سے لیا جائے اور علماء اور دانشوروں کو قرآن کے علاوہ دوسری ادلہ میں غور و فکر سے روکا جائے۔ ۲۷؎

ابن تیمیہ نے (کہ جس نے سلفیوں کی فکر کو جلا بخشی ہے اور اسلامی مذاہب کے علماء کے عقائد کی تفہیم کے سلسلہ میں فلسفیوں متکلمین معتزلہ واشاعرہ اور ماتریدیہ اور شیعوں کی روش کی طرف) اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

سلفیوں کی کوئی بھی روش ان روشوں میں سے نہیں تھی، بلکہ ان کی روش اور طریقہ بالکل جدا

تھا، اس لیے کہ عقائد اور اس کی دلیلیں (سلفیوں کی نظر میں) دینی متون یعنی قرآن وسنت کے علاوہ کسی اور دوسرے ماخذ سے حاصل نہیں کئے جاسکتے ہیں۔

اس بناپر سلفی حضرات کے یہاں عقل پر ایمان نہیں ہے یعنی دلیل عقلی پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا ہے چونکہ وہ لوگ عقل کو گمراہ کن مانتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ شرعی نص اور ان ادلہ پر جن کی نص تائید کرتی ہے ایمان رکھتے ہیں، اس لئے کہ شرعی نص وحی ہے جو پیغمبرؐ پر نازل ہوئی ہے یہ لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ یہ عقلی طریقہ اور عقلی علوم اسلام میں بعد میں ایجاد ہوئے ہیں، یقیناً صحابہ اور تابعین کے دور میں نہیں تھے، لہٰذا اگر ہم یہ کہیں کہ عقلی طریقہ اعتقاد کو سمجھنے میں ضروری ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سلف نے عقائد کو صحیح طریقہ سے درک نہیں کیا ہے اور انہوں نے عقائد کے ادلہ کو مکمل طور پر نہیں سمجھا ہے۔ ابن تیمیہ اس کے بارے میں کہتا ہے: کہتے ہیں کہ "رسول خداؐ اور ان کے اصحاب ان آیات کے معانی و مفہوم نہیں سمجھتے تھے جو ان پر نازل ہوتی تھیں"، اس بات کا لازمہ یہ ہے کہ وہ صفات خداوندی کے بارے میں اپنی ہی گفتگو جسے حدیث کہتے ہیں اس کے معانی کو نہیں سمجھتے تھے یعنی وہ لوگ ایسی بات کہتے تھے جس کو خود نہیں جانتے تھے۔

ابن تیمیہ درء تعارض العقل والنقل نامی کتاب میں کہتا ہے:

یہ عمل، یعنی تاویل، ایک جدید اور نیا طریقہ ہے کہ جس پر قدیمی لغتوں کی کتاب میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور زمانہ سلف میں بھی تاویل رائج نہیں تھی اس لئے سلفیوں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ ۲۸

سلفی تکفیریوں کا ظاہر پسندانہ سلسلہ اتنی شدت پسندی اختیار کر گیا کہ جو لوگ قیامت میں خدا کے جسمی رؤیت کے منکر ہیں ان پر اور متکلمین وصوفیوں پر بھی کفر کا الزام لگاتے ہیں۔ ۲۹

ابن تیمیہ احمد ابن حنبل کی روایت سے استناد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جو متواتر روایات اور اجماعات کی مخالفت کرے وہ کافر ہے جبکہ جمہور سلیفین اس بات کے قائل ہیں کہ خداوند عالم کو قیامت میں آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ ۳۰

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ ان کو بھی کافر کہتے ہیں جو قیامت میں شفاعت پیغمبرؐ کے منکر ہیں۔ ۳۱۔ اور ان لوگوں کو بھی کافر کہتے ہیں جو دنیا میں پیغمبرؐ کی شفاعت کے قائل ہیں۔ اور وہ لوگ جو کلام الٰہی کے حادث کے ہونے قائل ہیں یہ ان کے کافر ہونے کو سلف سے بھی زیادہ مشہور اور متواتر جانتے ہیں، ۳۲ اور ان لوگوں کے کفر پر سورۂ مدثر کی آیت نمبر ۱۱ سے آیت نمبر ۲۶ تک کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کیونکہ خداوند عالم ان افراد کو کافر گردانتا ہے جو لوگ قرآن کو بشر کا کلام جانتے ہیں۔

معاصر سلفی ابن عیثمین بھی اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ ہمارے نظریہ کے مطابق واجب ہے کہ قرآن وسنت کو ان کے ظاہری معانی پر حمل کیا جائے اور ہم اہل تاویل وقرآن میں تحریف کرنے والوں اور اہل تعطیل و تمثیل سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ۳۳

ایک سوال جو یہاں کیا جاتا ہے اور سلفی سلسلہ اس کا جواب دینے سے ہمیشہ عاجز اور بے بس رہا ہے کیونکہ یا تو وہ کسی طرح سے تاویل کا قائل ہو جائے یا یہ کہ تشبیہ و تجسم کے نظریہ کو ماننے پر مجبور ہو جائے وہ سوال یہ ہے کہ وہابیوں کے نظریہ کے مطابق خداوند عالم کے دو ہاتھ اور دو آنکھ اور ایک چہرہ ہے، کیا خدا کے ہاتھ اور آنکھیں لوگوں کی طرح ہیں یا نہیں اور وہ خداوند عالم کی شان کے مطابق ہیں؟ اگر خداوند عالم کے ہاتھ اور آنکھیں لوگوں کی طرح ہیں تو اہل تشبیہ ہو جاؤگے اور اگر اس کے ہاتھ اور آنکھیں اس کی شان کے مطابق ہیں تو اہل تاویل ہو جاؤگے چونکہ انہوں نے آیت کو اس کے ظاہر پر حمل نہیں کیا ہے ایسی آیتوں میں بالکل ایسی کوئی قید ذکر نہیں ہوئی ہے جو اس کی شان کے مناسب ہو تو پھر کیوں آیتوں کو صرف اس کے ظاہری معنی پر حمل نہیں کرتے ہیں؟! اور جو لوگ اس کام کو کرتے ہیں ان کو یہ وہابی تحریف کرنے والا کہتے ہیں۔ ان کے نظریہ کے مطابق صرف سلفی وہابی ہی خداوند عالم کے مقصد و مراد کو سمجھتے ہیں اور بس دوسرا کوئی نہیں! اور ایسی آیات جیسے "لیس کمثلہ شئ" کہ اس کے مثل ہونے کی کسی بھی شکل میں نفی کرتی ہے اور دوسری آیت جیسے کہ " لاتدرکہ الابصار" حقیقت میں ان کے ظاہر پسندی کے عقیدہ کے خلاف ہے: چونکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا قیامت میں دکھائی دے گا، اور اس آیت میں کسی قسم کی کوئی قید و شرط خدا کے دنیا یا آخرت میں نامرئی ہونے پر دلالت نہیں کرتی ہے۔

اس بنا پر، سلفی وہابی جہاں ایک طرف آیت کو اس کے ظاہر پر حمل کرتے ہیں تو وہیں دوسری طرف وہ لوگ بغیر کسی عقلی و نقلی دلیل پر توجہ دئے اپنی مرضی سے آیات الٰہی کی من مانی تفسیر کرتے ہیں۔

سلف کے نام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ سلفی تکفیری گروہ اپنے آپ کو شرعی حیثیت دینے کے لیے اس نام (سلف) کا استعمال کرتے ہیں۔ اور جن باتوں پر سلف اعتقاد رکھتے ہیں یہ لوگ اس کے پابند نہیں ہیں، بلکہ سلف سے مراد ان کی صرف وہ لوگ ہیں جو انہی لوگوں کی طرح ظاہر گرا یعنی ظاہر پر عمل کرتے تھے، اس لیئے کہ سلف کی روش قرآن وسنت کے متشابہات کے باب میں تفویض پر منحصر نہیں تھی۔

تاویل کی روش، متاخرین کی ایجاد نہیں ہے بلکہ سلف کے درمیان بھی ایسی پیروی کرنے والے تھے جنہوں نے اہلبیتؑ کو کبھی سلف کی صفت میں شمار نہیں کیا حالانکہ سب جانتے ہیں کہ امام علیؑ سو فیصدی اور امام حسنین علیہما السلام جزء صحابہ اور شیعہ حضرات کے دوسرے آئمہ اہلبیت تابعین یا تبع تابعین میں آتے ہیں اور یہ سب کے سب پہلے کی تین صدیوں کا ہی حصہ ہیں جیسا کہ یہ لوگ مدعی ہیں اس بنا پر وہ سلف جو

ان کی نظر میں ہے وہ کوئی خاص گروہ ہے کہ جو ان کی فکروں سے ہم آہنگ ہو، اور یہ بات کسی انصاف پرست محقق پر پوشیدہ نہیں ہے کہ صحابہ کی بھی ایک روش اور ایک نظر نہیں تھی بلکہ وہ لوگ (صحابہ) بھی مختلف نظریوں کے مالک تھے، اس بنیاد پر تابعین کا نظریاتی اختلاف اور روش کا الگ ہونا دین کی معرفت میں مراتب کے اعتبار سے صحابہ سے بھی زیادہ تھا اس بنا پر سلف کی مطلق پیروی کا دعویٰ کرنا غلط ہے۔ اس کا مطلب سلفی تکفیریوں کا اس عنوان (یعنی سلفیت) کو چھیننا اور اپنے اوپر ایک مہر اعتبار لگانا تھا جو کہ ایک ناکام کوشش تھی جس کا کوئی نتیجہ اچھا نہیں نکلا، اس سے بڑھ کر یہ کہ سلف کے درمیان ایک خاص گروہ جیسے خوارج کے علاوہ جبکہ انتہا پسند تکفیری نے کسی اور گروہ کی راہ وروش کو نہیں اپنایا جبکہ اہلبیت کی روش صفات باری تعالیٰ کے بارے میں اثبات و نفی کے حوالہ سے ایک ساتھ ہے یعنی فقط نفی تشبیہ پر اکتفا نہیں کی ہے، بلکہ آیات صفات کے معانی میں تدبر اور غور خوض کیا ہے۔ ۳۴

رشید رضا بھی اپنے استاد محمد عبدہ کے نظریہ کی طرح، طریقہ سلف کو تفویض اور روش خلف کو تاویل سے تعبیر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ہم خود بھی ابن تیمیہ اور ابن قیم کی اتباع کرتے ہوئے سلف کے طریقہ کو قبول کرتے ہیں حالانکہ رشید رضا خود اس بات کی یاددہانی کراتے ہیں کہ آئمہ سلف کے درمیان احمد ابن حنبل اور دوسرے افراد کے یہاں آیات معیت کے بارے میں اور اس کے علاوہ دوسری آیات کے بارے میں بھی تاویلی روش پائی جاتی ہے، البتہ عربی زبان کے قاعدوں کے مطابق تفسیر کو تاویل نہیں کہا جاتا ہے بلکہ اس تفسیر کا لازمہ ہے کہ خالق کے بے عیب و منزہ ہونے کے ساتھ ہر جہت سے عالم غیب کو عالم شہادت سے تشبیہ نہ دی جائے۔ ۳۵

سلفی وہابی عالم ابن عثیمین سلفی عقائد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ خداوند عالم ذوالجلال والاکرام کی شکل رکھتا ہے، اس کے دو کریمانہ اور کھلے ہوئے ہاتھ، اور دو حقیقی آنکھیں ہیں۔ اس کے بعد اپنی اس بات کی تاکید میں کہتے ہیں کہ اہلسنت کا اجماع ہے کہ خدا کے دو آنکھیں ہیں!؟ اور اس کی تائید رسولؐ خدا کی وہ روایت ہے جو دجال کے بارے میں ہے کہ فرماتے ہیں: دجال نابینا ہے لیکن تمہارا خدا نابینا نہیں ہے اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ مومنین انہی ظاہری آنکھوں سے خدا کو روز قیامت دیکھیں گے۔ ۳۶

یہ لوگ ان لوگوں کے بارے میں جو لفظ " قبضتہ " کو اسی آیت میں "وماقدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعاً قبضتہ یومَ القیامۃ والسّماوات مطویّات بیمینہ سبحانہ وتعالیٰ عمّا یشرکون" ۳۷ تصرف کے معنی میں لیتے ہیں اس معنی کو اہل تحریف کی تفسیر سے محسوب کرتے ہوئے ذیل میں کہتے ہیں: وہ لوگ اپنے زعم فاسد میں غلط تاویل کرکے یہ چاہتے ہیں کہ تمثیل و تشبیہ سے خدا کو محفوظ رکھیں حالانکہ

ملک وتصرف خدا کے لیے ہمیشہ سے موجود ہے۔

وہ کہتا ہے کہ: وہ چیز جو خدا نے اپنے لئے، پیغمبرؐ اور سلف امت نے خدا کے لئے ثابت کیا ہے یہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ میں ان وہابیوں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ لوگ خدا سے زیادہ جانتے ہیں؟ اگر جواب مثبت ہے تو کافر ہوگئے، (اس لئے کہ خدا کا ان سے کم علم ہونا ثابت ہو رہا ہے اور یہ خدا کے لیے عیب ہے جبکہ وہ کائنات میں کسی کا محتاج نہیں) اور اگر جواب منفی ہے، تو کہا جائے گا کہ کیا تم لوگ معانی کے بیان کرنے میں خدا سے زیادہ فصیح تر ہو؟ اگر جواب مثبت ہے تو پھر کافر ہوگئے، واگر جواب منفی ہے تو دشمنی اختیار کی، اس بناپر ہم کہتے ہیں کہ خدا نے واضح ترین الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ زمین قیامت کے روز اس کے ہاتھوں میں ہوگی، اور رسول اکرمؐ نے اپنی انگلیوں کے درمیان قلم پکڑ کر آیت کے مطابق اس کا اقرار کرلیا ہے۔

ان لوگوں (وہابیوں) سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا تم لوگ پیغمبر سے زیادہ امت کے خیر خواہ ہو؟ جواب میں کہیں گے نہیں؟ تو پھر ہم گنہگار نہیں ہیں، گنہگار تو وہ شخص ہے جو کلام خدا کی تاویل کرتا ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ حدیث کے مطابق خدا نہ صرف یہ کہ ہاتھ ہے بلکہ اس کے انگشت بھی ہے!؟ حقیقی انگلیاں جیسے ہاتھ ہیں۔

اس بناپر "علی اصبعٍ" سے مراد، خدا کے تصرف میں سہولت نہیں ہے بلکہ یہ اہل تحریف کی خطا ہے۔ اہلسنت والجماعۃ کی روش اس طرح کی آیتوں کے بارے میں یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ تاویل جائز نہیں ہے بلکہ واجب ہے کہ ان صفات خداوندی کو انہی کے رائج عربی معنوں میں استعمال وقبول کریں، اس لیے کہ خداوند عالم نے اپنے پیغمبر اور دوسرے مومنین کو عربی زبان ہی میں مخاطب قرار دیا ہے لہٰذا صفات کے عربی معانی کو ہم قبول کرتے ہیں لیکن ان معانی کی کیفیت کو معین نہیں کرتے ہیں اور یا ان معانی کو مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ یا تمثیل بیان کریں اس بناپر، وہ لوگ جو صفات ساق اور ید یا دوسری صفات کی تاویل کرتے ہیں درحقیقت وہ لوگ باطل گفتگو اور بے بنیاد باتوں کی پیروی کرتے ہیں اور اپنی ان باتوں پر خدا اور رسولؐ کی طرف سے کسی طرح کی کوئی تائید بھی نہیں رکھتے ہیں ۳۸، قرآن نے خود اپنے معارف کو سمجھانے کے لیے کسی خاص روش کو نہیں اپنایا ہے بلکہ اس نے وہی اسلوب وطریقہ اختیار کیا ہے جو عرب ایک دوسرے کے تفہیم مطالب میں اختیار کرتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ ایک فصیح عرب اپنے محاوروں میں فصاحت وبلاغت اور علم بدیع کے تمام نکات کا استعمال کرتا ہے تو پھر قرآن اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے وہ تو حقیقت میں ایک الٰہی معجزہ کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے، مثلاً کلمۂ "ید" کیا سلف کی پیروی کا مطلب اور سلفی ہونا کہ ہمیشہ وہابی جس پر افتخار کرتے ہیں یہی ہے کہ صرف ایک چیز

میں ان کی پیروی کریں اور دوسرے موارد کو ان دیکھی کردیں۔۳۹

عربی زبان دوسری زبانوں کی طرح استعاری، کنائی ومجازی تعبیروں سے بھری ہوئی ہے جب ایک فصیح عرب اپنے محاوروں، فصاحت وبلاغت اور علم بدیع کے تمام نکات سے استفادہ کرتا ہے تو پھر قرآن نے بھی اپنے آپ کو اس قانون سے الگ نہیں رکھا ہے بلکہ قرآن کریم نے اپنے روشن وواضح بیان کی بنیاد پر: "وماارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم۔۔۔ "۴۰ اپنے مقاصد ومطالب کو اسی متعارف زبان اور عربی معیار کے مطابق لوگوں تک پہنچایا ہے، منجملہ عربی زبان کی بہت مشہور ومعروف کنائی تعبیروں میں سے ایک تعبیر ہاتھ، اور قبضہ جس کے معانی طاقت اور بخشش (عطا) یا اس کی مانند ہے۔

اسی بنیاد پر (ید) ہاتھ کی تفسیر، قرآنی لحاظ سے، ہاتھ اور اس کے متناسب معانی میں کرنا تاویل شمار نہیں ہوتا ہے، نمونہ کے طور پر سورۂ اسراء آیت نمبر ۲۹ میں "بسط ید" سے مراد وسیع پیمانے پر بخشش اور "غل ید" سے بخشش سے امتناع وانکار اور بخل روک لینا مراد ہے، اور اکثر مفسرین کا بھی اس پر اتفاق ہے، اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ "ید اللہ مغلولۃ" سے مراد بھی اس آیت میں! قالت الیھود ید اللہ مغلولۃ غلت ایدیھم ولعنوا بما قالوا بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء "انفاق سے روک تھام اور بخل کرنا ہے، اور "بسط ید" سے بخشش وعطا مراد ہے۔ اس کے علاوہ عبارت کا آخری حصہ "ینفق کیف یشاء" بھی ہماری زیر بحث گفتگو سے مناسبت اور تعلق رکھتا ہے کیونکہ یہ قرینہ ہے جو خداوند عالم کے کرم وبخشش پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ زمخشری نے کہا ہے آیت میں ید کا "غل" و "بسط" (یعنی ہاتھ کا تنگ اور کھلا ہونا) ثابت کرنا منظور نہیں ہے بلکہ بخل وبخشش کی طرف توجہ دلانا ہے،۴۱ اسی طرح اس آیت کریمہ میں: یقبضون ایدیھم" ۴۲ " قبض ید" کی تعبیر آئی ہے جس میں منافقوں کے بخل کو بیان کیا ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ " قبض ید" سے مراد انگلیوں کا بند کرنا نہیں ہے بلکہ قبض ید سے مراد راہ خدا میں خرچ کرنے سے بخل وکنجوسی ہے اور اسی کے مد مقابل " بسط ید" (کہ جس سے کمال بخشش مراد ہے) استعمال ہوتا ہے اگرچہ ممکن ہے کہ بعض لوگ ان آیات سے جن میں " بسط ید" کا تذکرہ نہیں آیا ہے تمسک کریں۔

اسی طرح یہ آیات کے بارے میں: "بیدک الخیر انک علی کل شئ قدیر"۴۳ "وقل من بیدہ ملکوت کل شئ" ۴۴ وان الفضل بید اللہ،۴۵ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ کلمہ "ید" مطلق استعمال ہوا ہے، لیکن قرآن اس سلسلہ میں خود راہنمائی فرماتا ہے: "او یعفوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح "،۴۶ ظاہر ہے کہ عقد نکاح ایک محسوس گرہ کی طرح نہیں ہے جو کسی کے ہاتھ میں ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ شادی اس کے ہاتھ میں ہے جس کی طرف آیت اشارہ کررہی ہے۔

" بیدک الخیر" "وبیدک الملک " اور ان جیسی تعبیروں سے مراد یہ ہے کہ ملک وحکم اسی کے اختیار وقدرت میں ہے، اور جہاں پر یہ اشاد ہوا ہے :" قال یا ابلیس مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی: اور "والسّماء بنیناھا بأیدٍ " ۴۷، یہاں پر "ید اور ایدی" قدرت وکمال قدرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے چنانچہ ذیل کی آیات اس پر شاہد ہیں: "واذکر عبادنا ابراھیم واسحاق ویعقوب اولی الایدی والابصار"۴۸ یہ واضح ہے کہ قرآن ان موارد میں یہ مطلب نہیں بیان کررہا ہے کہ ابراہیمؑ واسحاقؑ ویعقوبؑ بغیر ہاتھ اور آنکھ کے اندھے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ سے مراد قوت وطاقت اور دیکھنے والے سے مراد ان کی باطنی بصیرت وبینش وعقل ہے جیسا کہ قرآن حضرت داؤدؑ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: "واذکر عبدنا داؤد ذاالاید" ۴۹ اسی طرح سے دوسری آیتوں کی بھی تفسیر اور تاویل کی جاسکتی ہے، اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ وہ بات جو ظاہر پرست وہابیوں نے ان آیتوں کی تفسیر میں (جو ہم اوپر بیان کرچکے ہیں) کہی ہے حقیقت اور سچائی سے کوسوں دور ہے، اور ان وہابیوں کا اہل توحید وتنزیہ سے اختلاف کی وجہ بھی نظر نہیں آتی ہے۔ اسی طرح، " حمل قبضۃ" یمین واصبع کو اعضاء جوارح معانی میں لینا صحیح نہیں ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ سلفی وہابی آیات کے ظاہری معنی سے استدلال بھی کرتے ہیں لیکن تاویل کو نہیں قبول کرتے ہیں حالانکہ انہی وہابیوں نے بہت سے موارد میں تاویل کو تسلیم کیا ہے تو پھر یہ وہابی کیسے بعض جگہوں پر تاویل کے قائل ہوگئے ہیں اور بعض جگہوں پر جمود الفاظ پر تاکید کرتے ہیں یعنی تاویل کے قائل نہیں ہیں؟!

قرآن کے بارے میں خود ہی انصاف اور من مانی تفسیر کرنا:

قرآنی آیات کی تفسیر بالرای کرنا بہت ہی خطرناک روش ہے روایات میں اس سے روکا گیا ہے اور یہ ایک ایسا خطرہ ہے کہ جس سے ابتدائے اسلام ہی میں روکا گیا تھا خود پیغمبر اکرمؐ نے اس کے بارے میں آگاہ کیا تھا اور سختی سے منع کیا تھا ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کے بارے میں، میں اپنے بعد اپنی امت پر خطرہ محسوس کررہا ہوں وہ تفسیر بالرای ہے"، یعنی رسول کو اس بات کا خدشہ تھا کہ میری امت میرے بعد قرآن کے سلسلہ میں تفسیر بالرای میں متبلاء ہوجائے گی۔۵۰ اسی طرح حضور اکرمؐ کا فرمان ہے: من فسرّ القرآن برایہ، (ایک دوسری روایت میں بغیر علم آیا ہے)، فلیتبوّأ مقعدہ من النار۵۱ جو شخص قرآن کی اپنی رائے اور اپنی عقل سے تفسیر کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اس لئے تفسیر بالرّای یعنی قرآن کے سلسلہ میں علم لغت کے اصولوں کے عربی ادب اور اہل زبان کی فہم کے برخلاف اور اس کو اپنے تخیل و باطل خیالات اور اپنے ذاتی و گروہی رجحان کے مطابق تفسیر کرنا ہے، تفسیر بارای کی مختلف قسمیں ہیں، منجملہ یہ کہ آیات وروایات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا، یعنی انسان فقط ان آیات کی جستجو میں رہتا ہے

کہ جو اس کے افکار کے مطابق اور جن آیات پر وہ خود فیصلہ کر سکتا ہے، اور وہ دوسری آیتیں جو اس کی فکر سے ہم آہنگ نہیں ہیں یا وہ آیتیں جو دوسری آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں، ان سب کو ان دیکھی کرتا ہے۔

تفسیر بالرای نہ فقط یہ کہ اسلامی روایات واحادیث کے مطابق ممنوع ہے بلکہ عقل وخرد بھی اس کی مذمت کرتی ہے۔اگر اسی پر بنا رکھی جائے کہ ہر انسان اپنے عقائد اور سلیقہ کے مطابق قرآن وسنت (حدیث) کے الفاظ کو بغیر کسی فنی قانون و قواعد کا لحاظ کئے اور علم لغت کے اصولوں کی پرواہ کئے بغیر تفسیر کرنے لگے تو ایسی صورت میں قرآنی آیات وسنت کے سمجھنے میں بہت زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑیگا۔

اور ایسی صورت میں آیات والفاظ کہ جو انسان کی فکری راہنمائی کرنے کے لئے نازل ہوئیں وہ بھی انسان کی فکری اور دینی انحرافات کی پشت پناہ ہو کر نفاق وپراگندگی کا سبب ہو جائیں گی؟

قرآن اور اس کے مقاصد کو صحیح درک کرنا اسی وقت ممکن ہوگا جب انسان خود منصفی میں نہ جکڑا ہوا ہو، اس لیے کہ قرآنی آیات کے بارے میں خود منصفی کرنا تفسیر بالرّای کا سبب بنتا ہے، دوسرے بیان میں یوں عرض کیا جائے کہ اپنی ذاتی رائے اور اپنے فرضیہ کو قرآنی آیتوں پر تھوپنا یہ بھی تفسیر بالرّای کا ایک مصداق ہے اس لیے کہ ایسے موارد میں انسان در حقیقت خداوند عالم کے مقصود ومراد کو حاصل کرنے کا درپے نہیں ہوتا ہے بلکہ اپنی مراد اور اپنا مقصد پانے کے لیے قرآنی آیات کا سہارا لیتا ہے، اس بنیاد پر مفسرین قرآن کو چاہئے کہ اپنی ذاتی فکر وعقائد اور اپنے میلان طبع کو کلام خدا پر مسلط نہ کریں، اگر مفسر اپنے خاص مذہبی اعتقاد کو یا ایسے علمی نظریہ کو کہ جو اپنا اس کا خاص پسندیدہ ہے قرآن کی کسی آیت پر حمل کرے اور یہ کوشش کرے کہ ان نظریات کو لفظی شہادت و موافقت کے بغیر کسی آیت سے تطبیق دے تو یہ تفسیر معتبر نہیں سمجھی جائے گی۔

قرآن وسنت کی تعلیم ہی کو سمجھنے کے لئے عربی ادب میں قواعد و ضوابط موجود ہیں بلکہ ہر زبان کے معین قواعد وضوابط کی رعایت کرتے ہوئے ہی عبارات وکلمات کے معنی کئے جاتے ہیں، فقط اسی صورت میں ان الفاظ کے حقیقی معنی اور ادبی قواعد سے عدول اور ان کے مجازی معنیٰ پر حمل کیا جاسکتا ہے کہ کوئی واضح عقلی قرینہ یا دوسری دلیلیں وہاں پر موجود ہوں۔

ایک سلفی مورخ نے اپنی کتاب " علم تفسیر میں محمد بن "عبد الوہاب کی" تفسیری روش سے واقفیت "کے ضمن میں تفسیر بالرای کی مذمت کرتے ہوئے محمد ابن عبد الوہاب کے تفسیری سلسلہ کو تفسیر بالرّای کی پسندیدہ قسم شمار کیا ہے۔ ۵۲؎ حالانکہ کہ کسی بھی قسم کی تفسیر بالرّای میں مردود ہے، البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ تفسیر بالرّای اور تفسیر میں باضابطہ عقلی اجتہاد دونوں میں بہت فرق ہے، کیونکہ دسری صورت کو تفسیر بالرّای نہیں کہہ سکتے، قرآنی آیات واحادیث نبوی کے سمجھنے میں عقلی

قرآئن سے مدد لینا ایک عقلائی طریقہ ہے اسے اپنے علم ودانش اور فرضیوں کو آیات و روایات پر مسلط کرنا نہیں کہتے۔

ابن تیمیہ جو کہ وہابی فکر و عقیدہ کا بانی ہے، اپنے ان باطل نظریوں کی بنیاد پر کہ "شیعہ ایک منحرف اور بدعت گذار فرقہ ہے"، ہر ان چیزوں کو جو شیعہ عقائد سے تعلق رکھتی ہیں چاہے وہ قرآن کریم کی صریحی آیات کا مضمون اور معتبر روایات ہی کیوں نہ ہوں ان کو غلط اور مخدوش ٹھہراتا ہے۔

اس بارے میں ابن تیمیہ کے سلسلہ میں چند ایسی مثالیں پیش خدمت سبب ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ وہ حق وحقیقت کی تلاش و جستجو میں نہیں ہے بلکہ وہ اپنے نظریہ کے اثبات اور مخالفین کے نظریوں کی تردید وتکذیب میں ساری کوششیں بروئے کار لاتا ہے:

ابن تیمیہ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ آیۂ مودت میں قربی سے مراد اہلبیتؑ خاص (یعنی علیؑ حسنینؑ، فاطمہؑ) نہیں ہیں ایسی دلیلیں بیان کرتا ہے کہ جو مکمل طور پر سلف صالح کی تفسیر کے مخالف ہیں منجملہ اس کی بیان کردہ دلیلیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ آیۂ مودت سے مربوط احادیث کی تردید

۲۔ سورۂ شوریٰ کو مکی بتانا جبکہ یہ مدنی سورہ ہے۔

۳۔ قربی کی تفسیر میں پیغمبرؐ کے تمام رشتہ داروں کو شامل کرنا۔

۴۔ آیت میں استثناء کو، منقطع قرار دینا جو کہ وعربی قواعد کے اعتبار سے بالکل غلط ہے۔ اسی طرح اور دوسرے دلائل بھی ہیں کہ جن کا علامہ امینی رحمۃ اللہ اور دوسرے محققین نے دندان شکن، متقن اور تفصیلی جواب دیا ہے۔ ۵۳

اسی طرح ابن تیمہ آیۂ تطہیر کی تفسیر میں صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ اس آیت میں حتمی اور ضروری ارادہ مراد نہیں ہے، حالانکہ آیت کے باطنی قرائن وشواہد اس بات کی حکایت کرتے ہیں کہ خداوند عالم کا ارادہ اپنے کچھ بندوں کو پلیدی اور خطا سے محفوظ اور دور رکھنے کی ضمانت و حفاظت کے سلسلہ میں قطعی اور حتمی ہے۔ ۵۴ قرآن کی مکمل تفسیر کرنے کے بجائے صرف منتخب آیتوں کی تفسیر کرنے کی وجہ شاید یہی ہو جو ابن تیمیہ نے اپنے خیال سے ظاہر کردیا ہے اور حقیقت امر تو یہ ہے کہ وہ قرآنی آیات کی تفسیر کرنا نہیں چاہتا تھا بلکہ اس کا منشا یہ تھا کہ قرآن میں اپنے عقائد کی من مانی اور مخالفین کے نظریوں کی تردید کرے۔ ابن تیمیہ کی دو کتابیں مجموع الفتاویٰ ومنہاج السنۃ ایسے نمونوں سے بھری پڑی ہیں۔ ابن تیمیہ نے دین کے سلسلے میں بہت سارے مختلف آثار وتالیفات نامکمل و مختصر تالیف کئے اس نے تفسیر بھی لکھی ہے لیکن مکمل نہیں ہے یہاں تک کہ ایک موضوع کے بارے میں بھی مکمل تفسیر پیش

نہیں کی، جو کچھ اس نے یادگار چھوڑا ہے وہ فتووں کی شکل میں ہے جس میں وہ اپنے سلفی وہابی موقف کو بیان کرسکا ہے۔اس نے نہ فقط پورے قرآن بلکہ کسی پورے سورے کی بھی تفسیر نہیں کی ہے مگر یہ کہ قرآن کے چھوٹے چھوٹے سورے جیسے سورہ کوثر، توحید، فلق، ناس وغیرہ کی تفسیر کی ہے، البتہ ان چھوٹے چھوٹے سوروں کی تفسیر بھی انتخابی وذوقی ہے کامل نہیں ہے، ابن تیمیہ کی تفسیر جو تفسیر الکبیر کے عنوان سے مشہور ہے وہ بھی ان آیات کی تفسیر ہے کہ جو اس کے فتاویٰ کے ضمن میں یا کسی خاص اغراض کے تحت ہیں، جسے لوگوں نے تفسیری شکل میں پیش کیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ آیات جو ابن تیمیہ کی عنایت کا مرکز اور ایک خاص غرض سے انتخاب ہوئی ہیں ان کو دو حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے:

پہلا حصہ: وہ آیات ہیں کہ جن میں صفات خدا کا ذکر ہے، جنہیں ابن تیمیہ نے معتزلہ، شیعہ، جہمیہ، ماتریدیہ کے نظریات سے مقابلہ اور موازنہ کے کی غرض سے ہے۔

دوسرا حصہ، ان آیتوں سے متعلق ہے جن کو ابن تیمیہ نے صوفیہ اور اس کی اپنی تعبیر میں بدعت گزاروں جیسے اپنے مخالفتوں کی رد میں انتخاب کیا ہے۔ بعض محققین کے بقول ابن تیمیہ نے عجیب ڈھنگ سے قرآن کی آیتوں کی تفسیر کو ان دو جہتوں اور حصوں میں بانٹا ہے۔۵۶

جس طرح سے قرآن کے الفاظ پر تعطل وجمود طاری کرنا اور معتبر عقلی و نقلی قرائن پر توجہ نہ کرنا ایک قسم کے انحراف میں شمار ہوتا ہے اسی طرح بغیر کسی شک وتردید، آیات کی انتخابی تفسیر اور مفسّر آیتوں پر توجہ نہ دینا تفسیر بالرّای کا کھلا مصداق ہے۔

سلفیوں کے اعتبار سے غلط تفسیر بالرّای وہ تفسیر ہے جو مفسر کے فاسد عقیدہ کی بنیاد پر تفسیر ہو، مثال کے طور پر، رافضیوں کی تفسیروں کی کتابیں اسی طرح معتزلہ، خوارج، صوفیہ واشاعرہ، ماتریدیہ واباضیہ وغیرہ، کی تفسیریں اسی طرح عصر حاضر کی تبلیغی کتابیں جیسے تفسیر سید قطب شعراوی و علمی تفسیر کی کتابیں، اور اسکے جیسی کتابیں، یہ بات بدیہی وواضح ہے، کہ قرآن مجید کی اپنی مرضی بغیر نفس اور خواہشات گمراہ کن طریقوں سے تفسیر کرنا تفسیر بدون علم ہے (سورہ اعراف، آیت ۳۳) ۵۷

اسی وجہ سے مفسر قرآن کے لیے صحیح عقیدہ ہونا، احادیث کی روش پر عمل اور بدعت وخرافات سے پرہیز واجتناب ضروری شرطوں میں سے ہے۔ اس مقالہ میں ہم سلفی تکفیری کے بزرگوں کی تفسیروں کے چند نمونوں کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ جن میں انہوں نے شخصی وانتخابی آیات وروایات کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

ابن تیمیہ آیات وروایات سے غلط ونادرست مطلب نکالنے کی بنیاد پر عورتوں کو مردوں کا غلام

وخدمت گزار شمار کرتا ہے اور اپنی اس ذاتی رائے کو قرآن وحدیث نبوی کی طرف منسوب کرتا ہے، ابن تیمیہ اس مسئلہ کو کہ آیا عورت کا شوہر کے گھر خدمت کرنا واجب ہے یا نہیں؟ بیان کرکے کہتا ہے کہ شوہر کے گھر میں عورت کا خدمت کرنا بعض علماء کی نظر میں واجب نہیں ہے، بعض حضرات کا یہ نظریہ ضعیف ہے، بلکہ صحیح نظریہ یہ ہے کہ عورت کا شوہر، کے گھر میں خدمت کرنا اور کام کرنا واجب ہے کیونکہ قرآنی آیات کے مطابق شوہر زوجہ کا حاکم اور سردار ہے اور سنت واحادیث کے مطابق عورت مرد کی کنیز ونوکر ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ کنیز ونوکر پر کام کرنا اور خدمت کرنا واجب ہے۔۵۸

ابن عثیمین، ابن تیمیہ کے سلفی مکتب کا شاگرد انہی مطالب کو قرآن کی دوسری آیتوں سے استناد کرتے ہوئے بیان کرتا ہے: کہ یہ جو بعض لوگوں کے درمیان کلمۂ "سیدہ" عورتوں کے لئے بولا جاتا ہے یہ ایک طرح سے حقیقت کو الٹا بیان کرنا ہے اس لیے کہ سید وسردار مرد ہوتے ہیں نہ کہ عورتیں کیونکہ خدا کا ارشاد ہے: "والفیا سیدھا لدی الباب" و "الرجال قوامون علی النساء" پیغمبرؐ نے بھی عورتوں کو مردوں کی کنیز کے عنوان سے شمار کیا ہے، "النساء عوان عندکم" اور مردوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنی اہل وعیال ورعایا کا حاکم ہے "راع فی اھلہ ومسؤول عن رعیتہ" اس بناپر عورتوں کے لئے لفظ "سیدہ" کا اطلاق نہیں ہونا چاہئے، مرد آقا وسردار وسید ہیں اور عورتیں مردوں کی کنیز واسیر ہیں۔۵۹

ہمارا سوال سلفی تکفیریوں سے یہ ہے کہ اگر آپ حضرات سنت نبوی کے پابند ہیں تو سنت نبوی اور آنحضرتؐ کی زبان میں، فاطمہ زہراؑ، کا تمام عالمین کی عورتوں کی سردار کے عنوان سے تعارف ہوا ہے اور قرآن کریم کی زبان میں، لفظ سید کو "عبد" کے مقابلہ میں استعمال نہیں کیا گیا ہے قرآن میں آزاد کے لئے "حر" اور غلام مرد کے لئے "عبد"۶۰ اور کنیز عورت کے لئے "امہ" کی تعبیر آئی ہے اس سے بھی بڑھکر، روایات نبوی میں "سید" کی تعبیر مرد اور "سیدہ" عورتوں کے لیے کثرت سے استعمال ہوئی ہے۔۶۱ "سیدہ" کی تعبیر عورتوں کے لیے بالخصوص حضرت فاطمہ زہرائے اطہرؑ اور سید کی تعبیر حضرات امام حسنینؑ کے لیے کثرت کے ساتھ اہلسنت کی کتابوں میں استعمال ہوئی ہے۔۶۲

اسی لئے بار بار کہا جارہا ہے کہ تکفیری سلفی گروہ، قرآن کی آیتوں کی اپنی مرضی کے مطابق تفسیر کرتا ہے، بنیادی طور پر یہ باطل فکر کہ "عورت کنیز اور اسیر ونوکر وخدمت کار ہے" زمانہ جاہلیت کی فکر ہے کہ اسلام نے اس جاہلانہ فکر کا سختی سے مقابلہ کیا ہے قرآن کریم ان عورتوں کے نام بھی پیش کرتا ہے کہ جو تمام عورتوں اور مردوں کے لیے نمونہ اور مثال ہیں: سورہ تحریم، آیت ۱۱۔

صلاح الدین صفدی کہتے ہیں میں نے ابن تیمیہ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا: "ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا فلما تغشّاھا حملت حملاً خفیفا

فمرّت بہ فلما اثقلت دعوا اللہَ ربھما لئن اتیتنا صالحاً لنکوننّ من الشاکرین" ۶۳، تو انہوں نے وہی اہلسنت مفسروں کا نظریہ دہرایا کہ وہ روایت کرتے ہیں، حضرت آدمؑ وحوّاؑ نے اپنے بچوں کے نام رکھنے میں خدا کا مثل قرار دیا اہلسنت مفسرین کے نظریہ کے مطابق اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب آدمؑ وحوّاؑ کے کافی دنوں تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اسی اثناء جب ان کی ملاقات شیطان سے ہوئی تو شکوہ کرنا شروع کر دیا اس پر شیطان نے کہا کہ اگر میں اس بارے میں کچھ کروں تو آپ لوگ مجھ سے وعدہ کریں کہ اپنے بچے کا نام میرے نام پر رکھیں گے، انہوں نے شیطان کا نام پوچھا جواب میں شیطان نے اپنا نام حارث بتایا انہوں نے (آدمؑ وحوّاؑ) نے ولادت کے بعد اپنے بچے کا نام عبد الحارث رکھا، اہلسنت کی بعض روایتیں یہ کہتی ہیں کہ جب جناب حوّاؑ حاملہ ہوئیں تو شیطان ان کے پاس دوڑ کر گیا اور کہا تم کو یہ کہاں سے پتہ کہ تمہارا بچہ انسان ہے؟ اس طرح جناب حوّاؑ کو وسوسہ میں ڈال دیا جناب حوّاؑ نے قصہ کو جناب آدم کو بتایا دونوں گھبرائے ہوئے تھے کہ کہیں خدا نخواستہ حوّاؑ کے شکم میں انسان کے بجائے حیوان ہو، ان حالات میں پھر دوبارہ شیطان سے ملاقات کی اور شیطان نے جناب حوا سے کہا: کہ اگر میں خدا سے تقاضہ کروں کہ تمہارا بچہ صحیح وسالم وخشاش بشاش آسانی سے دنیا میں آجائے تو کیا اس صورت میں اس بچہ کا نام عبدالحارث رکھوگے؟ حضرت حوّاؑ جو کہ پہلے اس مشورہ سے ناخوش تھیں آخر کار راضی ہو گئیں۔

صفدی کہتا ہے کہ میں نے ابن تیمیہ سے کہا کہ یہ گفتگو مختلف جہات سے باطل ہے۔ ۶۴، پہلی بات تو یہ کہ یہ داستان ایک دوسری جماعت و گروہ کے بارے میں ہے، دوسرے یہ کہ اس آیت میں کہیں بھی ابلیس کا ذکر نہیں آیا ہے، تیسرے یہ کہ خداوند عالم نے جناب آدم کو اسماء کی تعلیم دیدی تھی اور اس طرح سے تو جناب آدم کو ابلیس کا نام جان لینا چاہیے تھا، اور دوسری بات کہ آیت کا آخری ٹکڑا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد بت ہیں نہ کہ شیطان، اس لیے "ما" ابلیس کے لیے استعمال نہیں ہوتا ہے۔ ابن تیمیہ نے جواب دیا: بعض مفسرین کے نظریہ کے مطابق اس سے مراد قصی بن کلاب، پیغمبرؐ کے جد ہیں اس لیے کہ انہوں نے اپنے چار بیٹوں کے نام عبد مناف، عبد العزی، عبد قصی اور عبد الدار رکھے تھے، پس جملہ "یشرکون" میں ضمیر سے مقصود قصی اور ان کی اولاد ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کے لیے ان ناموں کو رکھا تھا۔ میں نے کہا یہ بات بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: "خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا" یہ صرف جناب آدمؑ کے سلسلہ میں صادق ہے کہ حوّاؑ کو ان کی پسلی اور انہی کی جنس سے پیدا کیا۔

ابن تیمیہ نے جواب میں کہا: آیت میں "منھا" سے مراد یہ ہے کہ ان کی ہمسر وزوجہ عربی اور قریشی نسل سے ہیں آخر میں صفدی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا ابن تیمیہ سے اب آگے گفتگو کرنا بے سود و

بے فائدہ ہے۔

یہ روایت بے بنیاد معلوم ہوتی ہے چونکہ وہ یہ دلیلیں اور براہین، کہ جن کا انکار نہیں جاسکتا اور وہ ہمارے سامنے بھی ہیں ان کی بنیاد پر پیغمبرؐ ان خدا ہر طرح کی خطا اور گناہ سے محفوظ ہیں اور وہ ہر گز گناہ نہیں کرتے چہ جائیکہ وہ خدا کا مقابل تلاش کریں، یہ نظریہ اہلسنت کے دانشوروں اور علماء کی طرف سے بھی ناقابل قبول ہے، خود ابن تیمیہ کہ جس نے تفسیر قرطبی کو بدعت سے دور و پاک سمجھا ہے، اس کے نظریہ کو بھی آیۂ مذکورہ کی تفسیر میں ان دیکھا کر دیا ہے، قرطبی کہتا ہے کہ : اس طرح کی احادیث، سنن ترمذی اور غیر ترمذی میں بھی ضعیف ہیں اور یہ اسرائیلیات میں سے ہے کہ جس کی کوئی حقیقت وبنیاد اور حیثیت نہیں ہے اور جو شخص ذرہ برابر بھی درک و فہم اور علم ودانش رکھتا ہے وہ کبھی بھی ایسی احادیث پر بھروسہ ویقین نہیں کرے گا۔ ۶۵

ابن تیمیہ آیۂ " خلق الانسان ضعیفاً" ۶۶ کی تفسیر میں لکھتا ہے، انسان کے ضعف کا فلسفہ عورتوں کے سلسلہ میں بے صبری ہے، اور انسان ضعیف پیدا ہوا ہے کیونکہ وہ عورتوں اور شہوت کے مقابلہ میں صبر و تحمل نہیں کرسکتا ہے، ۶۷

ابن تیمیہ کے نظریہ کے مطابق سورۂ یوسف کی تیسویں آیت سے استناد کرتے ہوئے کہ " عورتیں خراب کاری وبرائیوں میں زیادہ تر شریک ہیں" ۶۸ کیا ان دو آیتوں سے کہ جن کی شان نزول ایک خاص موقع کے لیے ہے ان سے استناد کرکے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ان آیتوں کو تمام عورتوں پر تطبیق کیا جائے۔؟! اس طرح کی تفسیر کرنا تفسیر بالرّای کا صریح مصداق اور بے جا عمومیت ہے۔ ابن تیمیہ، انسان کی حقیقت پر نظر کئے بغیر، آیت کو مردوں کے شہوت کے مقابلہ میں ضعف پر تفسیر کرتا ہے، حالانکہ آیت میں گفتگو انسان کے ضعف سے ہے تو کیا عورتیں انسان نہیں ہیں؟ اگر عورتیں بھی انسانوں میں شامل ہیں تو پھر اس تفسیر کا کیا مطلب ہے؟

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ ابن تیمیہ نے صرف چھوٹے چھوٹے سوروں کی تفسیر وہ بھی انتخابی تفسیر کی ہے سورۂ کوثر بھی انہی سوروں میں سے ہے ابن تیمیہ اسی سورہ کی ابتدا میں کہتا ہے کہ اس سورہ کے معنیٰ کی حقیقت اس کی آخری آیت سے سمجھی جاتی ہے کہ خداوند عالم نے رسولؐ خدا کے دشمن کو ابتر اور خیر و اچھائی سے الگ جانا ہے یعنی اس کا نام ونمود اس کے اہل ومال سب فنا ہو جائیں گے، وہ آخرت میں نقصان وخسارہ میں ہے اور دنیاوی زندگی میں کوئی ان کا نام لیوا بھی نہ ہوگا، پھر وہ کہتا ہے کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو چیزیں پیغمبرؐ من جانب اللہ لیکر آئے ان سے دشمنی کے لیے کھڑا ہو گیا ہو۔ لہٰذا ابن تیمیہ اس شخص کے مانند ہے جو سنت واحادیث صفات باری تعالیٰ کو اپنے ذوق وشوق کے مطابق تاویل کرتا ہے۔ ابن تیمیہ

اپنے اس بیان سے ان بہت سے صحابہ اور مسلمان دانشوروں کو " ابتر " بنانا چاہتا ہے جو کہ آیات صفات تشبہ نما کو مقبول معیار و ضوابط کی بنیاد پر تفسیر کرتے ہیں۔ اور مزید کہتا ہے: کہ ابتر کے معنی بغیر نسل وشاخ کے ہیں یعنی وہ شخص جس سے عمل خیر اور نیک کام نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کا آخری آیت سے شروع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ابن تیمیہ قرآن کا مقصود و مراد بیان کرنے کے حق نہیں ہے بلکہ اکثر قرآن وآیات قرآن کو اپنے نظریہ کی تائید یا اپنے دشمنوں کو زیر کرنے میں استعمال کرتا ہے، ابن تیمیہ اس چھوٹے سے سورہ میں اس کی شان نزول کی طرف اشارہ کیے بغیر اور کوثر سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں اشارہ تک بھی نہیں کرتا ہے۔ جب کہ تمام اہل علم مفسروں کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد حضرت فاطمہؑ اور ان کی پاک ذریت ہے۔

وہ مقدمہ میں اسی آخری آیت: "ان شانئک۔۔۔" کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور آیات صفات (باری تعالیٰ) کی تاویل کرنے والوں کو اہل بدعت اور رسول خداؐ کا دشمن شمار کرتا ہے ۶۹۔

ابن تیمیہ، سورۂ کوثر کی تفسیر میں سلف کے دوسرے اقوال کو نقل یا ان کی جانب اشارہ کئے بغیر کہتا ہے کہ کوثر سے مراد " خیر کثیر " ہے، وہی مشہور نہر جو بہشت میں ہے، حالانکہ حضرت فاطمہ زہراؑ کثیر روایات کی بنیاد پر کوثر کا اتم واکمل مصداق ہیں جو پیغمبرؐ کو عطا کیا گیا۔ اہلسنت مفسرین سورۂ کوثر کی شان نزول کے بارے میں کہتے ہیں کہ: ابن عباس، مقاتل، کلبی اور مفسرین عامہ کہتے ہیں کہ عاص بن وائل برابر یہ کہتا تھا: ان محمد ابتر، لاابن لہ یقوم مقامہ بعدہ، فاذامات انقطع ذکرہ واسترحتم منہ، صدی کہتا ہے کہ: خداوند عالم نے (اس سورہ میں) بیان کیا ہے کہ پیغمبرؐ کے دشمن ابتر اور بے اولاد ہیں، ہم تو دیکھتے ہیں کہ ان کفار کی نسل ختم ہو گئی ہے لیکن پیغمبرؐ کی نسل روزانہ کثرت وروز افزوں کی منزل پر ہے الحمد للہ مسلسل نسل پیغمبرؐ بڑھ رہی ہے اور پھل پھول رہی ہے، اور قیامت تک یہ سلسلہ ایسے ہی رہے گا، ۷۰۔ فخر رازی اقوال کے ضمن میں تیسرا قول اس طرح بیان کرتا ہے کہ: "کوثر" سے مراد اولاد پیغمبرؐ ہے، چنانچہ یہ سورہ ان لوگوں کی رد میں نازل ہوا ہے جو پیغمبرؐ کو بے اولاد کہتے تھے۔ اس کے بعد فخر رازی اس طرح وضاحت کرتا ہے کہ پس سورہ کے معانی یہ ہیں کہ خداوند عالم پیغمبرؐ کو ایسی نسل عطا کرے گا جو ہمیشہ اور قیامت تک رہے گی، آپ دیکھئے کہ اولاد اہلبیتؑ کو کتنا قتل کیا گیا لیکن اس کے باوجود دنیا نسل پیغمبرؐ سے پر ہے اور بنی امیہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو لائق ذکر ہو۔ ۷۱۔

گذشتہ بحث کی بنیاد پر اس سورۂ مبارکہ کا پیام بہت واضح وروشن ہے کہ خداوند عالم اپنے پیغمبرؐ کو سربلند نسل عطا فرمائے گا کہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔ اور جیسا کہ ہم تاریخ میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ خاندان وحی ورسالت کو اسلام وانسانی اقدار کے دفاع کے جرم میں مسلسل قتل کئے جانے کے باوجود جہان،

نسل پیغمبر سے بھرا ہوا ہے اور یہ لوگ اسلام اور دنیا کے آسمان وبلندی پر جگمگا رہے ہیں۔ جبکہ دل میں کینہ، بغض وحسد اور پیغمبرؐ کا برا سوچنے والے بنی امیہ جیسے دشمن میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ یہ بات لائق ذکر بھی ہے جیسا کہ بزرگ مفسرین نے کہا ہے کہ "ان شانئک ھو الابتر" واضح ترین قرینہ ودلیل ہے کہ "کوثر" سے مراد حضرت فاطمہ زہرائے اطہرؑ ہیں، اس لئے کہ "ابتر" کے مقابلہ میں "کوثر" کے بہترین معنیٰ بے شمار اولاد ہے، کہ طول تاریخ میں خیر کثیر کا مصداق کامل ہیں رسولؐ کی رسالت، اولاد فاطمہؑ اور ان کے اوصیاء کے ذریعہ دنیا میں باقی ہے اور باقی رہے گی، سلفی وہابی تکفیری گروہ ان جگہوں پر جہاں اہلبیتؑ کی فضیلت کے بارے میں حدیثیں ذکر ہوئی ہیں ان سب کو تو ختم نہیں کر سکا مگر ان کی معنوی تحریف کے لئے حتی المقدور اقدام کیا اور ان کے معانی کو الٹ پھیر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

سلفی و تکفیری گروہ کا سرغنہ وسردار ابن عثیمین اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھتا ہے، مشہور صحابی خلفائے راشدین ہیں، مگر یہ کہ پہلے تین خلفاء کو امور خلافت میں مشغول ہونے اور کثرت مفسرین کی وجہ سے، کسی چیز یا حدیث کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی اس لئے ان خلفاء سے بہت کم حدیثیں نقل ہوئی ہیں اس کے بعد حضرت علیؑ کی عظمت بیان کرتے ہوئے مشہور ومعروف "حدیث منزلت" اما ترضی ان تکون منی بمنزلة ھارون من موسیٰ الا انہ لابنی بعدی ،۷۲ سے استناد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو کبھی بھی اپنا جانشین نہیں بنایا مگر جنگ تبوک کے موقع پر ان کو اپنے اہل وعیال پر اپنا جانشین بنایا؛ ۷۳، جبکہ کوئی بھی دانا و سمجھدار جب اس حدیث کی طرف متوجہ ہوگا تو بآسانی سمجھ جائے گا اس روایت کی یہ تفسیر ہر گز اس روایت کے ذیل سے سازگاری نہیں رکھتی ہے کہ جس میں ارشاد ہوتا ہے" الا انہ لابنی بعدی" یہ فقرہ حضرت علیؑ کی نبوت کے علاوہ مکمل اور عمومی جانشینی پر واضح دلیل ہے۔

سلفیت، کتاب وسنت فہمی میں اپنے دعوے کی بناپر سلف کی پیروی کرتے ہوئے انتخابی طور پر عمل کرتا ہے سلفیوں کا استاد وشیخ، ابن تیمیہ آیات کی تفسیر میں ہر نظریہ کو یہاں تک کہ اپنے مخالف نظریہ کو بھی ضعیف مانتا ہے۔

ابن تیمیہ اس آیہ: بلیٰ من کسب سیّئةً واحاطت بہ خطیئتہ فاولٰئک اصحاب النّار ھم فیھا خالدون ۷۴ کی تفسیر میں رقمطراز ہے کہ سلفی نظریہ کے مطابق اس آیت میں" سیئہ "سے مراد شرک ہے، البتہ بعض دوسروں کے نظریہ کے مطابق جیسے عکرمہ، ربیع بن خثیم کے نزدیک " سیّئہ" سے مراد گناہ کبیرہ اور آیت میں لفظ "احاطہ" سے مراد، آخر عمر تک بغیر کسی توبہ کے گناہ کبیرہ پر اصرار کرنا ہے اور مجاہد سے نقل کرتا ہے کہ اس سے وہ گناہ مراد ہیں کہ جو انسان کے دل میں جگہ بنالیتے ہیں اور اسی

سے ملتا جلتا نظریہ کلبی کا بھی ہے، وہ تصریح کرتا ہے کہ اس طرح کے موارد میں تمام سلف کے اقوال یہاں تک کہ ضعیف قول بھی نقل ہوا ہے اور یہ روش متأخرین کے اقوال کو ذکر کرنے سے بہتر ہے۔ اس بنیاد پر سلف کے (اقوال جو کہ اہل بدعت کے قول کے مطابق ہیں)، ذکر ہوتے ہیں لیکن اس کی وجہ ضعف بھی بیان ہوتی ہے۔ ۷۵

اس آیہ: وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرہ" ۷۶ کی تفسیر میں مجاہد جیسے سلف سے نقل ہوا ہے کہ اس سے مراد، ثواب الٰہی پر نگاہ کا مرکوز ہونا ہے ۷۷ اسی کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جو شخص احادیث کے برخلاف بولے گا وہ اس شخص کے مانند ہے کہ جو کہتا ہے خدا کو دیکھا نہیں جاسکتا ہے اور جب اس سے یہ چاہا جائے کہ اپنی اس بات سے توبہ کرے اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کا قتل واجب ہے۔ ۷۸

ابن عثیمین تمام صحابہ کے بارے میں اپنے عقیدہ کی اس طرح وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: قرآن کے بعد صحابہ اور پیغمبرؐ کے اقوال تفسیر آیات کے سمجھنے میں مرجع اور بنیاد ہیں، اس لیے کہ قرآن ان کی زبان اور ان کے ہی زمانہ میں نازل ہوا اور سب سے اہم یہ کہ تمام اصحاب حقیقت کو تلاش کرنے میں انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے سچے ہیں۔ جبکہ یہ بات واضح ہے اور وہ خود بھی جانتا ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ میں خالد بن ولید، ولید بن عقبہ، وغیرہ جیسے افراد بھی موجود تھے۔ اسی لئے اس کی یہ گفتگو تمام صحابہ کی برابری سے ہٹکر انتہا پسندی پر حمل کی جائے گی۔ ۷۹

ابن عثیمین اپنے ظاہر پسندانہ طریقہ کے جواز کے لئے اسرائیلیات کو تین حصوں پر تقسیم کرتے ہوئے، کہتا ہے: (۱) ان میں سے کچھ تو برحق ہیں کہ جن کی اسلام بھی تائید کرتا ہے (۲) اور بعض مسترد ہیں (۳) اور بعض کو نہ تائید حاصل ہے، اور نہ ہی مسترد ہیں کہ جس کا لازمہ اس طرح کی روایات میں توقف ہے۔

قابل توجہ یہ کہ وہ روایت جو نمونہ کے طور پر قسم اول کے لیے ذکر کرتا ہے وہ وہی روایت ہے کہ جو جسم باری تعالیٰ کو واضح طور پر بیان کرتی ہے۔ بخاری اور غیر بخاری نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود کہتا ہے ایک یہودی عالم رسول خدا کی خدمت میں آکر عرض کرنے لگا اے محمدؐ! ہمارا عقیدہ ہے کہ خداوند عالم آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زیتون کو دوسری انگلی پر، درختوں کو ایک دوسری انگلی پر، پانی اور مٹی کو ایک دوسری انگلی پر اور دوسری مخلوق کو دیگر انگلی پر اٹھا کر کہتا ہے میں بادشاہوں۔ پیغمبر اکرمؐ اس روایت کو سنکر ایسے ہنسے کہ ان کے دانداں مبارک نمودار ہوگئے ۸۲ یہ اس بات کی علامت تھی کہ آپ نے اس یہودی عالم کی تصدیق کردی ہے اور پھر سورۂ زمر کی آیت نمبر ۶۷ "وما قدروا اللہ حق قدرہ

والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیامہ والسّماوات مطویّات بیمینہ سبحانہ وتعالیٰ عمّا یشرکون"۔ ۸۳؎

سلفی سلسلہ و تکفیری گروہ اپنی باتوں کی تائید میں اسرائیلی روایات کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتے، اگرچہ وہ لوگ یہ بھول گئے ہیں آخر میں ایسی روایات کا ذکر کرتے ہیں جو مسلمانوں کو اسرائیلیات پر کان دھرنے سے روکتی ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کردی ہے۔ ۸۴؎

صحابہ کے ان ہی اقوال کو، ابن عثیمین لیتے اور قبول کرتے ہیں جو ان کے نظریہ سے ہماہنگ ہوتے ہیں اور جو ان کے نظریہ کے مخالف ہوں ان کو ٹھکرادیتے ہیں، چاہے طبری جیسے مورخ نے ہی ان اقوال صحابہ کو نقل کیا ہو اور ابن تیمیہ جیسے سلفی عالم نے ان اقوال کی تائید و توصیف بھی کی ہو۔ نمونہ کے طور پر آیۂ ولایت کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے، ابن عثیمین آیۂ ولایت کے بارے میں لکھتا ہے، بعض جھوٹی حدیث گڑھنے والے محدثین نے جھوٹی حدیث گڑھ کر کہا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت علیؑ نے اپنی انگوٹھی حالت نماز میں فقیر کو بخشی، جبکہ یہ کچھ کے علاوہ باقی تمام علمائے حدیث کے اتفاق واجماع سے جھوٹی ہے، یعنی کچھ کے علاوہ تمام علمائے حدیث کا اتفاق واجماع ہے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔

اس کے بعد کہتا ہے کہ تمام ماہر علمائے درایت اور حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل نہیں ہوئی ہے اور علیؑ نے کبھی بھی حالت نماز میں فقیر کو اپنی انگوٹھی نہیں بخشی ہے۔ جبکہ اہلسنت کے بزرگ محدثین و مفسرین کی ایک بڑی تعداد جن میں طبری، ابن ابی حاتم، ابن کثیر وغیرہ شامل ہیں نقل کیا ہے کہ جب حضرت علیؑ نے حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی خیرات کی تو اسی وقت آیۂ ولایت نازل ہوئی۔

جمہور اہلسنت کے نظریہ کی بنیاد پر کہ "ابن تیمیہ بھی اظہار نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ اس بات کا قائل ہے عرب دوسری قوموں پر برتری وفضیلت رکھتے ہیں"، کہ جیسے اہلبیتؑ پیغمبر لوگوں پر فوقیت وحجت رکھتے ہیں اسی طرح سے عرب بھی محبت ومودت کا مستحق ہے اور کوئی بھی بنی نوع انسان عرب کے علاوہ اس لائق نہیں ہے؟! اور بعض متکلمین جیسے قاضی ابو بکر بن طیب اس کے قائل ہیں کہ "بنی نوع اانسان کسی دوسرے پر برتری نہیں رکھتا" یہ قول ضعیف اور اہل بدعت کا قول ہے۔ ۸۵؎ اور صرف اس وجہ سے کہ پیامبر اکرمؐ عرب نسل سے تھے یہ عرب نسل کی دوسروں برتری کی دلیل نہیں ہے۔

ابن تیمیہ کو نسلی تعصب اس حد تک لے گیا کہ اس نے ابن سینا جیسے ایرانی بزرگ مسلمان فلسفی کو احمق کہہ ڈالا: "ثم یقال لہذا الاحمق (ابن سینا) لا ریب ان کل امۃ فیھا ذکی بلید بالنسبۃ الیھا لکن ھل رأی فی اجناس الامم امۃ اذکی من العرب؟؟ ۸۶؎

اہل بیت پیامبرؐ کی محبت و مودت قرآن کی آیات وروایات نبویؐ سے ثابت ہے لیکن عربی لوگوں کی محبت و مودت محض عربی ہونے کے اعتبار سے کس آیت وروایت کی بنیاد پر ہے " قل لّا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ ، ومن یقترف حسنۃ نزدلہ فیھا حسنا ان اللہ غفور شکور"۸۷ شیعہ باوثوق دلائل کے ساتھ مدعی ہیں کہ آیہ قربیٰ (شوریٰ، آیت ۲۳) صریحاً پیغمبرؐ کے قرابتداروں سے نیکی کے بارے میں نازل ہوئی ہے مشہور ومعروف حدیث کہ جس کو شیعہ وسنی دونوں نے نقل کیا ہے، احمد بن حنبل اپنی مسند میں اور دوسرے افراد ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ : جب آیۂ مودت ، قل لّا اسئلکم علیہ اجراً الا المودّۃ فی القربیٰ " نازل ہوئی تو لوگوں نے رسولؐ اکرم سے دریافت کیا کہ اے پیامبرؐ ،خدا نے آپ کے جن قرابتداروں کی محبت و مودت ہم پر واجب کی ہے وہ کون لوگ ہیں ؟ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا: "علیؑ فاطمہؑ ، حسنؑ وحسینؑ " ہیں۔۸۸

اس لئے یہ قول کہ آیۂ مودت اہلبیتؑ عصمت وطہارت کے بارے میں نازل ہوئی ہے صرف شیعہ حضرات سے مخصوص نہیں ہے بلکہ بہت سارے علمائے اہل سنت نے بھی "مودۃ فی القربیٰ " کے معنیٰ ومصداق کو پنجتن آلؑ عباہی بتایا ہے۔

ابن تیمیہ تو ہر جگہ تاکید کرتا ہے کہ قرآن کی تفسیر کی بہترین روش خود قرآن ہے اور انصاف کا معیار وملاک بھی قرآن ہی ہے تو پھر وہ کس آیت کی بنیاد پر عرب نسل کو برتر بتاتے ہیں؟! قرآن کی نظر سے صرف تقویٰ ،انسان کی برتری وفضیلت کا معیار ہے، چاہے وہ عرب ہوں یا عجم " یاایھا النّاس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر" ۸۹

اے لوگو! یقیناً ہم نے تم کو (بنی نوع انسان)ایک مرد اور عورت سے (آدم وحوا) پیدا کیا، اور ہم نے تمہارے چھوٹے بڑے قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو، یقیناً تم میں سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی وپرہیزگار ہو، بے شک اللہ بہت جاننے والا اور خبردار ہے بہت سی آیتوں میں صرف محور گفتگو مومنین ہیں اور " یاایھاالّذین آمنوا" کی صورت میں بیان ہوا ہے لیکن جس آیت کے بارے میں ہم بحث وگفتگو کررہے ہیں اس میں تمام انسانی معاشرے سے خطاب ہے اور وہ اہم ترین اصول جو نظم وضبط کا ضامن ہے اس کو بیان کررہی ہے اور انسانی اقدار کے واقعی وحقیقی معیار کو غیر حقیقی وغیر واقعی اور جھوٹے معیار کے مقابلہ میں بیان کررہی ہے، آیت میں ارشاد ہوتا ہے :

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد وعورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ لوگوں کا ایک مرد وعورت سے پیدا کرنے سے مراد آدمؑ وحواؑ کی طرف انسانی نسبت کی بازگشت ہے، اور جب سب ایک ہی نسب سے ہیں تو پھر معنیٰ نہیں رکھتا کہ انسان حسب ونسب اور قبیلہ کے

اعتبار سے ایک دوسرے پر فخر کریں، اور اگر خداوند عالم نے ہر قبیلہ و گروہ وخاندان کے لیے کچھ خصوصیتیں پیدا کیں ہیں تو وہ لوگوں کے اجتماعی نظم و نسق کے لیے ہیں، کیونکہ یہ فرق پہچان کے لیے ہیں اور افراد کی شناسائی کئے بغیر انسانی معاشرہ میں نظم و نسق حکم فرما نہیں ہو سکتا، چونکہ جب بھی سب ایک جیسے اور یکساں ہو جائیں گے تو انسانی معاشرہ، ایک بہت بڑے خلفشار کا شکار ہو جائے گا۔ لیکن ہماری یہاں گفتگو اہلبیت پیغمبرؐ اور ان کے قرابتداروں کی برتری وفضیلت نسل انسانی کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ گفتگو ان کے احترام واکرام اور مودت و محبت کے بارے میں ہے، قطعاً یہ محکم آیت ہر جگہ اور موقع پر حاکم ہے کہ " معیار وملاک برتری وفضیلت تقویٰ الٰہی ہے اور بس " اور اس معیار سے کوئی استثناء نہیں ہے۔

منابع وماخذ میں تحریف اور ردوبدل

سلفیت سلسلہ کی ایک اور روش یہ ہے کہ جب" وہ تحریف معنوی سے عاجز ہوگئے تو اپنی رائے ونظریہ کو معتبر بنانے کے لئے تحریف لفظی اور اصلی ماخذ میں مختلف طریقوں سے ردوبدل کرنے لگے، جیسے حدیث کو مکمل طور پر حذف کرنا، حدیث کے بعض حصے کو حذف کرکے مبہم کلمات میں تبدیل کر دینا جیسے اصل کلمہ کو ہٹا کر" کذا وکذا "رکھ دینا، اس تحریف وچور بازاری اور حدیث کو حذف کرنے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ آثار اور مستندات جو حقانیت شیعہ کو اجاگر کرتے ہیں منابع ادلیہ میں نہ رہ جائیں ۔اور ان کتابوں اور موارد کو بیان کیلئے ایک مستقل تحقیق کی ضرورت ہے۔اس طرح کے کام سلفی وہابیوں کی کوتاہ فکری اور ان کی تنگ نظر روش کو بیان کرتی ہے، اس بارے میں ہم صرف چند نمونے پیش کرتے ہیں:

الف: مکمل حدیث کو حذف کر دینا

آلوسی، روح المعانی[۹۰] میں حدیث سفینہ کو اس طرح سے نقل کرتا ہے: "مثل اهل بيتي سفينة نوح، من ركبها نجا ومن تخلف عنها غرق، [۹۱] لیکن اسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں [۹۲] یہ حدیث حذف کر دی گئی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ آلوسی نے اس حدیث سفینہ کے بعد ایک دوسری غیر مستند حدیث (اصحابي كالنجوم) کو ذکر کیا ہے، لیکن اس سے غافل ہو کر حدیث سفینہ کی شرح کی ہے کہ جو اس بات پر گواہی دیتی ہے کہ حدیث سفینہ کو نامعقول طور پر حذف کر دیا گیا ہے۔

ان لوگوں سے پہلے سلفیوں کے بزرگ ابن تیمیہ نے یہ طریقہ نہیں اپنایا بلکہ اس نے ایک نئی روش اختیار کی اور وہ یہ کہ اس نے حدیث کو حذف نہیں کیا بلکہ اپنے گمان میں اس نے علمی طریقہ اپنایا اور اتنی مشہور ومعروف حدیث سفینہ بلکہ متواتر بین الفریقین ہی کی سند کو مخدوش بنادیا اور وہ کہتا ہے اس "حدیث سفینہ" کی کوئی سند نہیں ہے، نہ اس حدیث کی کوئی صحیح سند ہے اور نہ حدیثوں کی معتبر کتابوں

میں یہ حدیث درج ہے اگر رات کی تاریکی میں لکڑی جمع کرنے والے وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ اپنی گٹھری میں کیا چیز ڈال رہے ہیں تو وہ جعلی روایتوں کو نقل کرنے میں لگ جاتے ہیں یہ جعلی روایات کا نقل کرنا ان کی سستی میں اضافہ کا باعث ہے ۹۳؎ سچ بتایئے ابن تیمیہ نے جو کہا ہے کہ " رات کی تاریکی میں لکڑی جمع کرنے والے "جو یہ بھی نہیں جانتے کہ کس چیز کو جمع کر رہے ہیں" اس سے مراد کون لوگ ہیں؟ ۹۴؎ آپ کے خیال میں کن لوگوں نے اس حدیث کو نقل کیا کہ ابن تیمیہ ان لوگوں پر اس طرح حملہ کرتا ہے ؟ گویا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک حضرت علیؑ کے فضائل کو نقل کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر اس کے بزرگان دین ومذہب اور اس کے ہم نوالہ وہم پیالہ بھی ایسے غیر قابل بخشش گناہ میں مبتلا ہو جائیں تو یہ لوگ بے اعتبار ہو جائیں ،اور ان لوگوں کا حدیث نقل کرنا نہ صرف یہ کہ حدیث کو اعتبار نہیں دیتا بلکہ حدیث کو مزید معتبر بنادیتا ہے۔

اہلسنت کے بہت سے بزرگ محدثین نے اس حدیث نبوی " المہدی من عترتی من ولدفاطمہ " کو صحیح مسلم سے نقل کیا ہے، ابن حجر ہیثمی نے الصواعق المحرقہ ۹۵؎ میں متقی ہندی نے کنزالعمال ۹۶؎ میں اور قندوزی نے ینابیع المودۃ ۹۷؎ وغیرہ نے اس حدیث کو کتاب صحیح مسلم سے نقل کیا ہے لیکن آج صحیح مسلم میں اس حدیث کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے اور سلفی وہابیوں کے سلسلہ نے اس قسم کے موارد میں اس حدیث (حدیث سفینہ) چونکہ شیخین کے طریقہ سے نقل نہیں کیا اس لیے اسے ضعیف مانتے ہیں، اور انہی سلفی وہابیوں نے شیعوں کی طرف تحریف قرآن کی نسبت دینے اور ان کو بدنام کرنے کے لیے، شیخ رحمت اللہ ہندی کی کتاب اظہار الحق سے وہ عبارت ہی حذف کردی ہے ، جس میں انہوں نے صاف صاف لکھا ہے کہ : "شیعہ اثنا عشری تحریف قرآن کے معتقد ونہیں ہیں" شیخ رحمت اللہ ہندی اپنی کتاب موسوم بہ اظہار الحق میں عدم تحریف سے متعلق علماء شیعہ اثنا عشری کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ شیعہ اثنا عشری معتقد ہیں کہ قرآن کریم میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے قرآن تحریف سے محفوظ ہے اور جو شخص شیعوں کے حوالہ سے یہ کہے کہ قرآن میں کوئی نقص واقع ہوا ہے تو یہ بات علماء شیعہ اثنا عشری کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے بلکہ مسترد ہے"، یہ صریح عبارت ، بعد کے ایڈیشن میں کتاب اظہار الحق سے حذف کردی گئی ہے ۹۸؎

ب: حدیث کو ٹکڑے کرکے پیش کرنا

سلفیوں کا ایک دوسرا طریقہ حدیث کو ٹکڑے ٹکڑے اور اس میں ہیرا پھیری کرکے پیش کرنا ہے، محمد حسین ہیکل (متوفی ۱۳۷۶ شمسی) اپنی کتاب حیات محمد میں ۹۹؎ واقعہ دعوت ذوالعشیرہ کی صراحت اور آیۂ انذار کی شان نزول اور حدیث " یوم الدار" کے سلسلہ میں لکھتا ہے" وقدامرنی ربی ان ادعوکم

فایکم یوازرنی علی ھذا الامر وان یکون اخی ووصی وخلیفتی فیکم؟ " لیکن اسی کتاب کے تیرہویں ایڈیشن، مطبوعہ مکتبہ النہضۃ المصریۃ سال ۱۹۶۸ عیسوی سے، اس حدیث کے اصلی حصہ "وان یکون اخی ووصی وخلیفتی فیکم" کو حذف کر دیا ہے؟

معاصر سلفی ناصر قفاری نے اس روش سے بھرپور استفادہ کیا ہے اس نے نہ صرف احادیث کی بلکہ اپنے مخالفین علماء کی گفتگو کو اپنی مرضی کے مطابق تفسیر کی اور اس طرح سے اپنے مقصد پر استدلال کیا ہے۔ ۱۰۰

ج: حدیث کے بعض حصے کو بدل دینا،

اہل سنت کے مشہور و معروف مورخ اور مفسر ابن کثیر حدیث "یوم الانذار" کو طبری سے ان ہی کی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں لیکن جملہ: "علی ان یکون اخی ووصیّی وخلیفتی فیکم فاسمعوا واطیعوا" ۱۰۱ کی جگہ جملۂ " علی ان یکون اخی وکذا وکذا " کو لکھتے ہیں، ۱۰۲ چنانچہ ابن کثیر نے اگر اس حدیث کو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے تو امانت کی رعایت نہیں کی اور اگر اسے تفسیر طبری سے نقل کیا ہے تو یہ سوال پیش آتا ہے کہ کیوں تفسیر طبری کی عبارت کو تاریخ طبری میں جو کہ ایک تاریخی کتاب ہے ترجیح دی گئی؟ اور پھر یہ بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ تفسیر طبری میں یہ عبارت کس شخص نے تبدیل کی اور یہ کام کیوں انجام دیا گیا؟ پیغمبرؐ اکرم نے حقیقت میں کذا وکذا نہیں فرمایا ہے۔

ایک دوسرا نمونہ ملاحظہ ہو، یعقوبی آیۂ اکمال کی شان نزول کے بارے میں لکھتا ہے " وکان نزولہا یوم النص علی امیر المومنین ﷺ علی ابن ابیطالب بغدیر خم" ۱۰۳، لیکن تاریخ یعقوبی کے نئے ایڈیشن میں " یوم النص" کی جگہ " یوم النفر" اور " بغدیر خم " کی جگہ غیر مربوط عبارت " ابعد ترحم، ۱۰۴، سے رد و بدل کیا گیا ہے!

میکانزم فرافکنی سے فائدہ اٹھانا،

فرافکنی کا مطلب فارسی لغت میں اندرونی اختلاف اور خلفشار کو دوسروں کی طرف نسبت دینا ہے ۱۰۵، فارسی ادب میں اس لفظ کو ضرب المثل کہ "کافر سب کو اپنے جیسا گمان کرتا ہے" کے تناظر میں دیکھا ہے۔۔۔ اور اصطلاح میں ایسی روش اور طریقہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعے افراد یا گروہ اپنے آئیڈیے وافکار اور اپنی خواہشات کو اپنے باہر کے ماحول پر مسلط کرتے ہیں اور روز مرہ کی زندگی میں اس کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ ایک فرد یا ایک گروہ یہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے غیر مناسب رجحانات اور ناپسندیدہ خیالات کو دوسروں کی طرف نسبت دے، اس طرح سے کہ یہ عیب اور بری خصوصیت صرف دوسرے فرد یا دوسروں میں پائی جاتی ہے۔ نتیجہ میں یہ اپنے آپ کو ہر قسم کے عیب و نقائص سے پاک

وصاف سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو گناہ سے دور ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح سے انسان دوسرے افراد کے بارے میں اپنے معیار اور اپنے حساب سے فیصلہ کرتا ہے، دوسروں پر تنقید اور ان کو ہمیشہ برا بھلا کہنا اور طرح طرح کی تہمتیں اور غیر مناسب خصوصیتیں ان سے منسوب کرنا وغیرہ غالباً جس کا وہ خود شکار ہو کر دوسروں کو نسبت دیتا ہے یہ خود نسبت دینے والے میں موجود ہیں۔ مختصر یہ کہ انسان اس نظام میں دوسرے کی طرف سوالیہ نشان کھڑا کرتا ہے۔

سلفی وہابی، اس نفسیاتی مکانزم سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے اور دوسروں پر بدعت، دہشت گردی، کفر کے الزامات لگاتا ہے، الزام تراشی صرف عملی میدانوں میں محدود نہیں ہے بلکہ علم و تحقیق کے میدان میں بھی دوسروں پر بدعت، سنت رسول اور صحابہ کا منکر جیسی تہمتیں لگاتے ہیں پھر کیا یہ آسانی سے دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں، وسیع پیانے پر دوسروں کو کافر کہنا، سخت و تند مزاجی سے پیش آنا اور غیر انسانی افعال و کردار سے اپنے مخالفین کے ساتھ سلوک کرنا سنت رسول و صحابہ اور بدعت میں تمیز وجدائی نہ کرنا یہ سب سلفی وہابیوں کی بدعت کا ایک سلسلہ ہے۔

بدعت، کج فکری اور بد عقیدہ نیز ایسے افعال و اعمال کہ جو قرآن کریم اور سنت معتبر پیغمبرؐ کے خلاف ہوں ان سے مقابلہ کرنا یہ ایک مسلم حقیقت ہے جو تمام اسلامی مذاہب میں قابل قبول ہے لیکن یہ کہ کون سی گفتگو یا کون سے اعمال وافعال عقائد حقہ اور واقعی اسلام سے منحرف ہیں، اس کے لیے ایک خاص قسم کے قواعد واصول ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی فرقہ کے خاص اہداف ومقاصد، یا کسی گروہ و یا کسی کی شخصی بات کو بدعت اور کج فکر شمار کریں، مگر سلفی تکفیری ایسا ہی کرتے ہیں، یہ ہر اس شخص یا سلسلہ کو جو ان کے خلاف ہو اس کو منحرف اور بدعت گزار کہتے ہیں اور صرف اتنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کو کافر کی سند بھی دیتے ہیں، در حالیکہ قرآن کریم اور معتبر سنت نبوی سے ہٹکر جو ہو رہا ہے وہ انحراف اور بدعت ہے، نہ یہ کہ افکار صحابہ و تابعین اور ان کے پیروکار ابن تیمیہ وابن قیم، وابن عبد الوہاب جیسے لوگوں سے منحرف ہونا بدعت ہے۔

سنت اور بدعت کے درمیان فرق نہ کرنا، مخالفین کو بدعتی گردانا اور مخالفین کے اعتقادات کا سلفی تکفیریوں کے مطابق نہ ہونے کی بنیاد پر ان کے کفر کو ثابت کرنا پھر ان کے قتل کا حکم اور مسلمانوں کا قتل اور خاک وخون میں غلطاں کرنا، یہ سب سلفی تکفیریوں کی روش ہے۔ دین اسلام میں سلفی یا سلفیہ نام کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ ابن تیمیہ کی بدعتوں اور سلفیت کی خود ساختہ اور فرضی اتباع کا دوسرا نام سلفیت یا سلفی مذہب پڑا۔ سلفی تکفیریوں کا یہ گروہ ابن تیمیہ کی اتباع میں مذہب شیعہ اور حضرت علیؑ کی تمام صحابہ پر برتری نیز ان کی خلافت وعصمت کو شیعوں کی بدعتوں میں شمار کرتے ہیں۔[۱۰۶] اسی طرح سلفی معاصر

صالح فوزان لکھتا ہے کہ سب سے پہلی بدعت جو وجود میں آئی وہ قدریہ و مرجبۂ، اور شیعہ و خوارج نامی بدعت ہے جو دوسری صدی ہجری اور اس زمانہ میں قائم ہوئی " جب بعض صحابہ تھے اور اس (بدعت) کا انکار اور مخالفت کر رہے تھے !۔ ۱۰۷ سلفی اس حدیث نبوی : "خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمدﷺ وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ ، وکل بدعۃ ضلالۃ" سے استناد کرتے ہوئے کہ ۱۰۸ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت اور ناجی فرقہ اور دوسرے فرقوں کو جیسے قدریہ خوارج، معتزلہ ، اشاعرہ، رافضہ، جھمیہ، امامیہ سب کو اہل بدعت و گمراہ شمار کرتے ہیں ، ان سے بیزاری کا اعلان اور برائت کرتے ہیں۔۱۰۹ بعض سلفی کہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کو کافر نہیں کہتے ہیں جبکہ وہ لوگ ہم کو کافر بتاتے ہیں ۱۱۰ البتہ نہ ان کے جنازے پر نماز پڑھنا جائز ہے اور نہ ہی ان کے پیچھے اقتدا کرنا جائز ہے۔ لیکن اہلسنت کہیں پر بھی ایک دوسرے کو کافر نہیں کہتے ہیں ،۱۱۱ مگر ابن تیمیہ اور اس کی اتباع کرنے والے اپنے مخالفین کو کافر کہتے ہیں چاہے وہ اہل سنت ہی کیوں نہ ہوں ، ۱۱۲، یہ اور دوسرے دسیوں نمونے سلفیوں کی فراکنی اور باطل افکار کے تحت موجود ہیں، کیونکہ سلفی مذہب خود بدعت کا آشکار نمونہ ہے۔

وسیع پیمانہ پر دوسروں کو کافر کہنا اور بغیر کسی دلیل کے کوئی طریقہ اختیار کرنا، غیر اسلامی ہے لیکن اس فکر کا موجد ابن تیمیہ ہے۔

بنیادی اور اصولی مفاہیم کی بے ضابطگی تفسیر اور اس میں توسیع،

سلفی اصل توحید ، نبوت اور قیامت کے عقیدہ پر دوسرے اسلامی مذاہب کے ساتھ ہیں سلفی کا اکثر اختلاف بعض مفاہیم و مطالب اور اسلامی مصادیق کی توسیع میں ہے، سلفی حضرات بعض مفاہیم میں جیسے کفر و شرک و بدعت وغیرہ ۱۱۳ ان کے معنیٰ اور مصداق کے وسیع ہونے کے قائل ہیں اور اسی بنیاد پر انہوں نے توحید کی متعدد قسمیں کر ڈالی وہ بھی اس طرح جو ان کے نظریہ کے مطابق ہوں، توحید عبادی کے سلسلہ میں مسلمانوں کے درمیان ۱۱۴ تھوڑا سا بھی اختلاف نہیں ہے صرف بعض علماء جیسے کہ ابن تیمیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کے بہت سے موجودہ اعمال و عقائد توحید عبادی کے منافی ہیں یعنی خالصانہ عبادت کے منافی انجام پا رہے ہیں جیسے کہ شفاعت ، یا طلب حاجت اور انبیاء واولیاء سے توسل کرنا، اور پھر یہی افکار بعد میں وہابی مذہب کی شکل اختیار کر گئے، ۱۱۵

سلفی وہابی کے مسلک کی بنیاد پر، شرک خفی و شرک جلی دونوں ایک ہیں اس بنا پر غیر خدا سے کوئی ایسی چیز طلب کرنا کہ جس کو انجام دینے کی قدرت وطاقت صرف خدا سے مخصوص ہے شرک ہے، اور غیر خدا سے سوال کرنا عبادت الٰہی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا ہے، "ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین علی انفسھم بالکفر ۱۱۶ اور ملت حنیف کہ ۱۱۷ جو جناب ابراہیمؑ سے منسوب ہے خدائے

تعالیٰ کی خلوص دل سے عبادت اور خالص توحید کا نام ہے اور ملت حنیف میں شرک کا دخول ایسے ہی ہے جیسے نماز میں حدث کا دخول، یعنی اگر انسان حالت نماز میں محدث ہو جائے تو اس کی نماز پوری طرح سے فاسد و باطل ہے اسی طرح انبیاء واولیاء کو مشکل میں مدد کے لئے پکارنا اور یا اپنے مقصود و مطلوب کو پانے کے لیے یا محمدؐ، یا علیؑ کہنا شرک ہے۔اور اس کی دلیل یہ آیتیں ہیں ارشاد ہوتا ہے: ومن اضلُّ ممن یدعو من دون اللہ من لایستجیب لہ الی یوم القیامہ وھم عن دعائھم غافلون، واذا حشر الناس کانوا لھم اعداء وکانوا بعبادتھم کافرون"،۱۱۸، اور دوسری آیت: "والذین تدعون من دونہ مایملکون من قطمیر ان تدعوھم لایسمعوا دعائکم ولوسمعوا مااستجابوا لکم ویوم القیامہ یکفرون بشرککم،۱۱۹، اگر وہ لوگ یہ عذر پیش کریں کہ وہ انبیاء، یا جس سے توسل کر رہے ہیں معبود نہیں ہیں بلکہ حاجت روا اور شفاعت کے باب ہیں اور خدا کی بارگاہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں تو یہ بات تو مشرکین بھی کہتے تھے کہ: "مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ" سورۂ زمر، آیت ۳۔۱۲۰، اور وہابی اسی بنیاد پر مسلمانوں کو مشرک اور ان کے قتل وغارت گری کو جائز جانتے ہیں، لیکن توبہ کے باب میں کبھی قبولیت کی رائے دیتے ہیں تو اور کبھی غیر قابل قبول جانتے ہیں "اور دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں: "ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دونہ" ۱۲۱، اسی طرح وہابیوں کے نزدیک اللہ کے علاوہ کسی یا کی قسم کھانا، اور دوسروں کو قسم دلانا شرک ہے، اور ابن تیمیہ نے ایسے اکثر مطالب کو اپنی کتاب منہاج السنہ میں پیش کیا ہے محمد ابو زہرہ لکھتا ہے کہ: وہابیوں (سلفیوں) کا نظریہ مسئلۂ توحید میں اس طرح ہے کہ وہ مسئلۂ توحید کو اسلام کا پہلا زینہ جانتے ہیں، اور اجمالی طور سے تمام مسلمان عالم جس مسئلۂ توحید کی تاکید اور اس کی وحدانیت کے قائل ہیں وہ بھی اس کی موافقت وتائید کرتے ہیں لیکن سلفی (وہابی) چند مسائل کو خدا کی یکتا پرستی کے منافی شمار کرتے ہیں نمونہ کے طور پر جیسے خدا کے بندوں (اولیاء) سے توسل کرنا روضہ شریفہ (رسولؐ واولیاء، وانبیاءؑ) کی زیارت روضہ رسولؐ اور ان کی قبر مطہر کے روبرو ہو کر دعا مانگنا یا اولیائے خدا کے مزار پر جا کر دعا کرنا ان سب کو وہابی توحید کے منافی شمار کرتے ہیں۔۱۲۲، ابن تیمیہ کہ جو خود مذہب سلفیت کا پرچمدار و علمبردار ہے وہ کہتا ہے قبر پیغمبرؐ کی زیارت کے لیے سفر کرنا شرک اور بدعت ہے، پیغمبر خدا و اہل بیت پیغمبرؐ اور اولیاء سے توسل کرنا اور ان کے آثار و باقیات سے تبرک حاصل کرنا خدا کی عبادت و توحید کے خلاف ہے۔

۳۔ وہ تمام احادیث جو اہل بیت پیغمبرؐ کے اخلاقی فضائل کے بارے میں صحاح اور مسانید یہاں تک کہ مسند احمد بن حنبل میں آئی ہیں ان سب کو ابن تیمیہ غیر قابل قبول جانتا ہے اور منکر ہے ۱۲۳، شرح الطحاویہ کا مؤلف لکھتا ہے، علوئے الٰہی کے اثبات میں سلفیوں کی گفتگو بہت زیادہ ہے۔اس کے بعد ابو حنیفہ

سے ایک حکایت نقل کرتا ہے، کہ: ایک شخص نے ابو حنیفہ سے سوال کیا: میں نہیں جانتا ہوں کہ پروردگار آسمان میں ہے یا زمین پر؟ ابو حنیفہ نے جواب دیا: ایسا کہنے والا شخص کافر ہے چونکہ خدا فرماتا ہے۔ "ان اللہ علی العرش استویٰ" اور عرش الٰہی ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے، اس کے بعد سوال کیا؟ اگر اسے اس پر یقین ہے کہ خدا عرش پر ہے، لیکن کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا، عرش آسمان میں ہے یا زمین پر؟ جواب میں ابو حنیفہ نے کہا: وہ شخص بھی کافر ہے، اس لیے کہ خدا کا آسمان میں موجود ہونا قطعی و یقینی ہے اور جو بھی اس کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ ۱۲۴، ابو حنیفہ بعض معتزلہ کے اس استدلال پر کہ "خدا کی روئیت ممکن نہیں ہے" اور وہ اپنے مدعیٰ پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں" لن ترانی ولاتدرکہ " تو ان کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں آیتیں: "ان اللہ علی العرش استویٰ" اور" لن ترانی ولا تدرکہ " ان کے نظریہ کے بر خلاف "رویت خدا" پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ آیۂ اولیٰ چند جہت سے رؤیت خدا پر دلالت کرتی ہے:

۱۔ رسول گرامی کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ خدا سے اس چیز کا سوال کریں جس کے وہ مجاز نہیں ہے۔

۲۔ خداوند عالم نے جناب موسیٰؑ کے سوال کو مسترد اور انکار نہیں کیا۔ لیکن جس وقت حضرت نوحؑ نے خدا سے اپنے فرزند کی نجات کے لیے سوال کیا خداوند عالم نے ان کے سوال کو مسترد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح" ۱۲۵، خداوند عالم اس آیت میں ارشاد فرماتا ہے کہ مجھ کو نہیں دیکھ سکوگے، نہ کہ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ میں دکھائی نہیں دوں گا یا میرا دیدار محال ہے، یا میں دکھائی دینے والا نہیں ہوں!؟

دوسری آیت: منکرین رؤیت خدا، سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۰۳ سے استدلال کرتے ہوئے کہ خدا دنیا اور قیامت میں بھی دکھائی دے گا!" لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر" ۱۲۶، کہتے ہیں کہ اس آیت میں " ادراک " کا تذکرہ آیا ہے ادراک اور روئیت میں فرق ہے، ادراک، یعنی پروردگار کا احاطۂ کامل کے ساتھ دیکھنا، اور روئیت یعنی پروردگار کو بغیر احاطہ کے دیکھنا، پس نفی ادراک مستلزم نفی روئیت نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ادراک خداوندی کی نفی کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خدا کی روئیت بھی ممکن نہیں ہے، جس طرح کہ عقل وجود خداوندی کو تسلیم کرتی ہے لیکن اس "عقل" کا علم اس پر احاطہ نہیں رکھتا ہے، اس کے علاوہ دوسری صحیح متواتر نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خداوند عالم قیامت میں مومنین کو دکھائی دے گا، ۱۲۷

دوسرے اسلامی مذاہب کے ساتھ سلفیوں کی بنیادی پریشانی، اسلامی مفاہیم جیسے کفر، شرک اور

بدعت گزاری وغیرہ کی تفسیر وتوضیح ہے۔

سلفیوں نے اپنے آپ کو بدعت کا مخالف بتا کر بہت سے اہل اسلام کو اہل بدعت اور اپنے مخالفین کو بدعتی اور کبھی کافر گردانتے ہیں۔

کفر کے مصداق اور معنیٰ کو وسعت دینا تاکہ اپنے مخالفین کو کافر قرار دے سکیں سلفیوں کی غیر متعارف روش شمار رہی ہے۔ سلفیوں نے کفر کے معنی ومصداق کو اتنی وسعت دیدی ہے کہ ان کے علاوہ ہر شخص کافر ہے، یہ سلفی ہر اس کام کے انجام کو جو عبادت الٰہی میں مخل ہو کفر سے تعبیر کرتے ہیں۔ چاہے وہ کام مختلف علمی، عسکری، ثقافتی اور اقتصادی امور کی ترقی کی راہ ہموار کرنے یا مادی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔

سلفی فکر، پیغمبر اسلامؐ کے دور کے وسائل زندگی اور امکانات سے متاثر ہو کر یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ آج کے مسلمانوں کو بھی نبیؐ کے دور کے طور طریقوں اور طرز پر زندگی کو اپنانا چاہئے اور اس سے زیادہ امکانات سے فائدہ اٹھانا کفر ہے۔

قدیم سلفیوں کے نزدیک شرک وکفر اکثر کچھ انفرادی عبادتوں اور عقائد سے متعلق تھا جیسے کہ اولیاء سے توسل، نذر، شفاعت، زیارت قبور وغیرہ لیکن وہ شرک وکفر جس کے جدید سلفی (وہابی) معتقد ہیں اس کو "جدید کفر" سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ تمام شعبہ ہائے زندگی بشمول سماجی وشہری زندگی پر سے متعلق ہے۔

جدید سلفیوں (وہابیوں) کے اعتبار سے کسی نئی فکر، یا کسی نئے مکاتب فکر اور فلسفی یا کسی سیاسی جماعت کا ممبر، سرکاری اداروں اور کمیٹیوں میں مشغول ہونا چنانچہ اگر سلفیت (وہابیت) کے منافع اور اہداف سے ہم آہنگ نہیں ہے تو کفر وشرک کے زمرے میں آتا ہے، اسی طرح بعض مذہبی مراسم اور امور کو انجام دینا بھی کافروں اور مشرکوں کے اعمال میں شمار ہوتا ہے۔ حقیقت میں سلفی وہابی کی سوچ اور فکر اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ان کے لئے ایک کو حربہ ہے جس کے بہانے ہر قسم کے جہادی (دہشت گردی) کام انجام کو دینے کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔

قابل ذکر ہے کہ سلفی دوسروں پر جو کفر کا الزام لگاتے ہیں وہ کفر اکبر ہے، کفر یا شرک اکبر، وہ حکم ہے کہ جس کے باعث کفر سے منسوب شخص، دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو اصطلاح میں "مرتد" کہتے ہیں یہ شرک وکفر، اسلام سے خارج ہونے کے علاوہ بڑی سزاؤں کا بھی مستحق بناتی ہے جیسے زوجہ کا اس پر حرام ہونا، اس کی نماز میت کا پڑھنا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا حرام ہے، میراث میں اس کا کوئی حق نہ ہونا، بعض علماء جیسے صالح سریہ زکات نہ دینے والے اشخاص کو اجماع

صحابہ سے مرتد وکافر قرار دیتے ہیں۔

ایک دوسرا مفہوم جو سلفی فکر میں توجہ کا مرکز ہے وہ بدعت کا مفہوم ہے، بدعت کے معنیٰ کو وسعت ۱۲۸ دینا بھی سلفی فکر کا نتیجہ ہے کہ جس کے بہانہ سے وہ بہت سارے مسلمانوں کو اہل بدعت کے زمرہ میں قرار دیتے ہیں۔ سلفی سلسلہ اور فکر کا سب سے نمایاں کام دین میں ہر طرح کی بدعت سے مقابلہ کرنا ہے ۱۲۹ بدعت کا معیار ان کی نظر میں یہ ہے کہ کوئی شخص اگر کسی ایسے کام کو انجام دے جس کو صحابہ نے انجام نہ دیا ہو تو وہ کام بدعت ہے۔ ۱۳۰

چنانچہ سلفی وہابی معتقد ہیں کہ ہر وہ کام جو پیغمبرؐ کے زمانہ میں موجود نہیں تھا سے اور انجام نہیں دیا گیا اسے بعد میں بھی انجام نہیں پانا چاہئے" اسی لئے وہ بہت سے اعمال وافعال کو بدعت کے عنوان کے تحت قرار دیتے ہیں، بدعت یعنی دین میں نئی چیز ایجاد کرنا، اور چونکہ اسے الٰہی معرفت کی تائید حاصل نہیں ہوتی لہٰذا باطل ہے اس محدودیت کے اعتبار سے خود سلفی ایسے تمام امور کو بدعت کہتے ہیں جو پیغمبرؐ کے زمانہ میں نہیں تھے، یا انکا وجود پیغمبر کے زمانہ میں بالکل ناممکن تھا۔ ٹرین،Train،کے وجود کو بدعت جاننا، سلفیوں کے نزدیک بدعت کی ایک مثال ہے۔

علمائے اسلام کا ایک گروہ اصل کلام، یعنی اسلام کے اصولی وبنیادی مسائل میں عقلی بحث کرنے کا مخالف ہوگیا اور اس کو بدعت وحرام جاننے لگا یہ لوگ "اہل حدیث" کے نام سے مشہور ہیں، احمد بن حنبل، اہل سنت فقہاء میں اہل حدیث علماء کی لسٹ میں سر فہرست ہیں۔ جب حنبلی علماء کلی طور پر علم کلام کے مخالف ہیں (چاہے کلام اشعری ہو یا معتزلی چہ شیعہ) تو بطریق اولیٰ علم منطق وفلسفہ جو کہ مکمل طور پر عقلی علوم ہیں ان کی مخالفت کرتے ہیں ابن تیمیہ جو کہ حنبلی جماعت کی دنیا کی مشہور ومعروف شخصیتوں میں سے ہے اس نے علم منطق وفلسفہ کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ ۱۳۱

قابل توجہ یہ ہے کہ سلفی وہابیوں کی نگاہ میں ہر وہ شئی جس کی دین میں کوئی اصل نہ ہو، اور بعد میں حادث ہوئی ہو وہ بدعت ہے جیسے جشن عبد میلاد النبیؐ، نماز "لیلۃ الرغائب" ،روز عاشور کو غم منانا وغیرہ یہ سب کے سب بدعت میں شمار ہوتے ہیں۔ ۱۳۲ لیکن نماز تراویح (کہ جو خلیفہ دوم کی بدعت ہے) وسیع پیمانہ پر دوسروں کو کفر کی نسبت دینا، دوسروں پر شرک اور بدعت گذاری کا الزام لگانا اور اس طرح کی دوسری بدعتیں، مذموم نہیں ہیں۔

یہ سلفی وہابی دونوں بدعتوں میں تفریق کے قائل ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ امر حادث وجدید، کتاب وسنت یا اجماع کے مخالف ہو تو وہ بدعت مذموم اور گمراہ کن ہے، لیکن خیر پر مبنی، امور حادثہ کہ جن کے بارے میں اس امت کے کسی بھی فرد نے اختلاف نہیں کیا ہے اس طرح کے امور، غیر

مذموم بدعتوں " میں سے ہیں۔ ۱۳۳ ابن تیمیہ، بدعت کی دو قسم (خوب وبد) کو مسترد کرتے ہوئے کہتا ہے: نماز تراویح بدعت نہیں ہے! لیکن یہ کہ عمر بن الخطاب نے تراویح کی نماز کو جماعت سے پڑھنے کا حکم دے کر جو اس کے بارے میں کہا: "نعمت البدعة هذه" اس سے مراد لغوی بدعت ہے نہ کہ اصطلاحی بدعت۔ کیونکہ ابن تیمیہ کے کہنے کے مطابق نماز تراویح بدعت نہیں بلکہ سنت ہے، ۱۳۴

سلفی وہابی جو کہ تاویل کو باطل اور اہل تاویل کو اہل بدعت شمار کرتے ہیں یہ خلیفہ دوم کی صریحی بات کہ وہ، "تراویح کی نماز جماعت کو بدعت حسنہ جانتے تھے"، ابن تیمیہ اور اس کا اتباع کرنے والے خلیفہ دوم کی اس بدعت کو، بدعت لغوی سے تعبیر کرتے ہیں اس تاویل کو قبول کرتے ہیں ۱۳۵ جبکہ خود تصریح بھی کرتے ہیں کہ بدعت حسنہ اور بدعت سیہ کا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ ہر بدعت، ناپسندیدہ ہے اور تمام اہل بدعت خدا پر الزام لگاتے ہیں، لیکن سلف کی بدعتیں تو لغوی تھیں نہ کہ شرعی ۱۳۶

صالح فوزان بھی اس حدیث نبوی کہ "کل بدعة ضلالة"، کی بنیاد پر بدعت کی دو قسموں (بدعت مستحسن وغیر مستحسن)، کی تردید وتکذیب کرتے ہوئے کہتا ہے: ہر بدعت گمراہی ہے اور مستحسن بدعت کا اصلاً کوئی وجود نہیں ہے، تاہم نماز تراویح میں عمر کی بدعت کو بدعت حسنہ کا نام دیتے ہوئے دوسری بدعت کو کالعدم قرار دیتا ہے۔ ۱۳۷ یہ شخص ابن تیمیہ کی توجیہ وتاویل کی تکرار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عمر کے کلام میں نعمت البدعة هذه" سے مراد لغوی بدعت ہے نہ کہ شرعی بدعت۔

بہر حال بدعت کے مصادیق کے سلسلہ میں، یہ انتخابی نظریہ سلفی وہابیوں کی ایک روش ہے۔ جبکہ نماز تراویح کہ جس کے لئے خود عمر نے صراحت سے کہا" بدعت" ہے یعنی یہ کہ شریعت نبوی یہاں تک کہ پہلے خلیفہ کے زمانہ میں بھی ایسی چیزیں نہیں تھیں۔

اس سے بڑھ کر یہ، کہ نبی اکرمؐ نے مستحبی نمازوں میں جماعت کو منع کیا ہے اور حضرت علیؑ نے بھی نماز تراویح سے منع کیا ہے اور نماز تراویح کی رکعتوں کی تعداد میں بھی ایک بڑے اختلاف کا پایا جانا ہے یہ سب اس کے بدعت ہونے کے شواہد ہیں۔ ۱۳۸

تقویٰ وعلمی انصاف کی رعایت نہ کرنا:

تعلیم بالخصوص دینی تعلیم جبھی مفید اور موثر کہلاتی ہے جب وہ ہر لحاظ سے متقن ومفید اور علمی انصاف واخلاق پر مبنی ہو، حق پسندی، امانتداری، معقولیت اور مؤدب طریقہ سے کسی نظریہ کو پیش کرنا علمی انصاف واخلاق کی بنیاد ہیں۔ سلفیت کی بنیاد ابن تیمیہ نے رکھی جو آج کافی حد تک پھیل چکی ہے لیکن سلفی نظریہ، قرآن وسنت کو سمجھنے اور اس کی تفسیر کرنے میں اخلاقی آداب اور علمی انصاف کا کوئی خاص لحاظ نہیں رکھتا۔ بہر حال جس مکتب فکر میں یہ صفات نہ پائی جائیں وہ نہ صرف یہ کہ قابل توجیہ نہیں

ہیں بلکہ اس مکتب فکر کی منطقی اور عقلی ناتوانی کی دلیل بھی ہیں۔

گالی گلوچ:

سلفی وہابی تکفیری اپنی تنقید و تحقیق میں کسی طرح کے علمی اخلاق کی ہر گز رعایت نہیں کرتا ہے، افکار کی تنقید و تحقیق میں جو چیز معیار ہے وہ منطقی استدلال اور مستحکم روشوں سے فائدہ اٹھانا ہے، لیکن سلفی تکفیری اس روش میں ناکام ہونے کے باعث، علمی و تحقیقی طریقوں کو اختیار کرنے کے بجائے عامیانہ طریقوں جیسے فحاشی وگالم گلوچ اور دوسروں کو برا بھلا کہنا کا استعمال کرتے ہیں اور یہ (حرکتیں) ان کے فکری اور عقیدتی راہنما ابن تیمیہ میں بدرجہ اتم دیکھی جاسکتی ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے کہ وہ غیر مہذب غیر اور قابل عفو، باتوں سے اپنے مخالفین پر خرافات اور بدعت قائم کرنے کا الزام لگاتا ہے۔

ابن حجر عسقلانی اہل سنت کے بزرگ محدث، ابن تیمیہ کی کتاب منہاج السنہ میں اس کی توہین آمیز تنقیدی روش کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ نے اس طرح رافضی (علامہ حلی) کی توہین میں زیادتی اور مبالغہ آرائی کی کہ کبھی کبھی ابن تیمیہ کی علّامہ حلی کی شان میں کی جانے والی یہ توہین، علی ابن ابی طالبؑ کی شان میں توہین کا باعث ہوئی ہے۔[۱۳۹] بعض معاصر محققین کی تعبیر کے مطابق اگر ابن تیمیہ کی ان تمام گستاخیوں اور فحاشی کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو خود ایک مستقل کتاب ہو جائے گی۔[۱۴۰] علمی انصاف اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ محقق اپنے آپ کو فردی اور فرقہ پرستی نیز اجتماعی دوستی و دشمنی سے دور رکھے، تاکہ یہ چیزیں حقیقت تک پہنچنے کے لیئے رکاوٹ نہ بنیں، اس لئے کہ کسی شخص کے قول و فعل اور طرز عمل و سلوک کی حقیقت کو پرکھنے اور سمجھنے کے لیے بغض و حسد اور حب و دوستی سے عاری ہونا ضروری ہے دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ محققین کی دوستی اور دشمنی اس کے نظریہ کو بدل دیتی ہے اور ممکن ہے کہ اس کی فکر کو اصل مقصد اور حقیقی راہ سے منحرف کر دے۔

آج سلفی تکفیریوں کا یہ سلسلہ ابن تیمیہ اور ابن حزم کی اتباع میں وہی غیر اخلاقی باتوں اور عادتوں کو اپنے آثار و تالیفات میں استعمال کرتے ہیں، نمونہ کے طور پر ناصر القفاری نے، لفظ "رعاع الشیعہ"، (پست و حقیر شیعہ) الشیعہ" اور لفظ "النوکی" (احمق لوگ" [۱۴۱] جیسے توہین آمیز الفاظ، سے بعض بزرگ علمائے شیعہ جیسے کہ علامہ مجلسی کی طرف نسبت دیکر انہیں ایسے بُرے خطابات سے یاد کیا ہے: رافضی، یہ رافضی لوگ، دوسروں کو غافل کرنے والے، زندیق اور کافر ہیں جنہوں نے اسلام کا لباس پہن رکھا ہے۔[۱۴۲]، اس طرح کے توہین آمیز جملات و کلمات کا بغور استعمال کیا گیا ہے۔اور اس طرح کی توہین آمیز روشیں، مسلمانوں کے درمیان فتنہ انگیزی و کینہ پروری اور ایک دوسرے کو کافر کہنے کے اسباب زیادہ فراہم کرتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان مفکرین، نبی کریمؐ کے اخلاق اور اسوہ حسنہ کی تاسی اور اتباع کرتے

ہوئے اس بارے میں قدم اٹھائیں۔

غلط بیانی:

سلفی تکفیری بھی سلفیوں کے استاد کی ابن تیمیہ اتباع میں، شیعوں کی توہین کرتے ہوئے بڑی آسانی سے جھوٹ اور غلط بیانی کا سہارا لیتے ہوئے لکھتا ہے: "بعض رافضی (رافضی کہہ کر پکارنا عام طور پر شیعوں پر طعنہ زنی کرنا ہے) اور بعض وہ گروہ جو رافضیوں سے منسوب ہیں جیسے نصیری وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت حسنؑ و حضرت حسینؑ علیؑ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ سلمان فارسی کی اولاد ہیں"؟!

وہ ان دونوں امامین کریمین حضرت حسنینؑ کی مجاہدت اور خدمات کو بھی جھٹلاتا ہے اور لکھتا ہے کہ امام حسنؑ نے معاویہ سے مصالحت کی، اور حسینؑ اس گمان میں تھے کہ لوگ ان کی اطاعت کریں گے لیکن جس وقت انہوں نے ان کی بیعت شکنی کو دیکھا تو مدینہ پلٹنے یا دوسری جگہ جانے کی درخواست کی، ۱۴۳؎ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ شیعہ امامیہ تو دور کی بات مسلمانوں میں سے کسی نے بھی آج تک امام حسنؑ و حسینؑ کے فرزندان علی و فاطمہ ہونے میں شک و تردید نہیں کی ہے۔ آج بھی سلفی تکفیری شیعوں پر تحریف قرآن کا قائل ا، اور جبرئیل کو خائن جاننے جیسے الزام لگاتے ہیں، یہ سب کی سب جھوٹی اور ناروا نسبتیں ان کی تمام تر اس ناکام سعی کا نتیجہ ہے جو شیعوں کو کافر قرار دینے پر مبنی ہے۔ ۱۴۴؎، اہم ترین دلیل جو ان وہابیوں نے شیعوں کو کافر قرار دینے کی توجیہ میں پیش کی ہے وہ تحریف قرآن ہے جو کہ سراسر جھوٹ ہے۔

جب ایک مذہب کے ماننے والوں کو قرآن پر عقیدہ نہ رکھنے کا الزام لگا سکتے ہیں تو آسانی سے ان کے دوسرے عقائد کے بارے میں پروپگنڈہ کرکے ان کو مشرک قرار دیا جاسکتا ہے، البتہ سلفی تکفیری (وہابی) اس روش سے نہ یہ کہ فقط شیعوں کو نشانہ بناتے ہیں بلکہ اپنے مخالف اہل سنت کے مقابلے میں بھی اسی روش سے استفادہ کرتے ہیں۔

اہل سنت میں سے وہ لوگ جو صوفی مسلک کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں ہمیشہ انکو وہابی بدعت گزار اور شرک جیسی تہمتوں سے نوازتے ہیں اور نتیجہ میں ان کو کافر کہتے ہیں۔

ابن تیمیہ لکھتا ہے کہ شیعوں کی ایک حماقت یہ ہے کہ وہ لفظ "عشرہ، یعنی دس کو برا سمجھتے ہیں اور یہ عشرہ مبشرہ کے بغض کی وجہ سے ہے۔ ۱۴۵؎ ابن تیمیہ اپنے آثار و تالیفات بالخصوص منہاج السنہ میں ہر وہ حدیث جو اس کے نظریہ کے مطابق نہ ہو اس کی تکذیب کرکے آسانی سے اس پر جعلی ہونے کی مہر لگادیتا ہے، سلفی مورخ مشعبی، ابن تیمیہ کی بات سے استناد اور تائید کرتے ہوئے شیعوں کے کفر کی توجیہ میں شیعوں کے خلاف عجیب طرح کے بہتان گنواتا ہے، نمونہ کے طور پر ہم ان میں سے بعض کی طرف

اشارہ کر رہے ہیں، وہ لکھتا ہے: شیعہ اثنا عشری، تمام انصار و مہاجرین اور ان لوگوں کو جو انکے لئے "رضی اللہ عنہم" کہتے یا استغفار کرتے ہیں، ان سب کو کافر مانتے ہیں ۱۴۶، مساجد کا تعطیل کرنا، اور جمعہ وجماعت کا مساجد میں نہ ہونا، بزرگوں کی بے احترامی، قبروں کے اوپر گنبد بنانا، قبروں کے سامنے حج جیسے مراسم انجام دینا، حلال وحرام کو خیالی ومعدوم امام پر معلق کرنا، یہود ونصاریٰ اور مشرکین سے دوستی کرنا، مشرکین کی مسلمانوں کے قتل وغارت گری میں مدد وغیرہ یہ سب شیعوں کا وطیرہ ہے، ۱۴۷ آخر میں مؤلف یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ شیعوں سے جنگ کرنا اور ان کو قتل کرنا واجب ہے، ۱۴۸ بلکہ شیعہ مراتب کے اعتبار سے خوارج سے بھی بدتر ہیں۔

معاصر سلفی مورخ قفاری شیعوں سے ایسے امور کو منسوب کرتا ہے جن سے شیعہ مکمل طور پر بیزار ہیں، قفاری، شیعوں پر خدا کے جسمانیت کا قائل ہونے کی تہمت لگاتا ہے اور شیعہ عقائد کو یہودی عقائد سے متاثر جانتا ہے اور کہتا ہے: یہودیوں کی گمراہی خدا کے جسمانیت کا عقیدہ رکھنے میں مشہور ہے لیکن مسلمانوں کے درمیان جنہوں نے سب سے پہلے اس بدعت کو ایجاد کیا وہ رافضی (شیعہ) ہیں۔ ۱۴۹

قفاری علّامہ خوئی کی بات کے ایک حصہ کی تقطیع و تحریف کرکے اور ان کے بیان کیے بعض حصہ کا انتخاب کرکے ان کو ایک مرجع تقلید شیعہ کی حیثیت سے تحریف قرآن کا قائل بتاتا ہے۔ ۱۵۰، جبکہ علامہ خوئیؒ کے بیان کا وہ حصہ جو قفاری نے حذف کردیا ہے وہ یہ ہے کہ موصوف پہلے ان تمام روایات کی جو تحریف قرآن پر اشارہ کرتی ہیں نفی کرتے ہیں اور روایات کی مکمل تحقیق و جستجو کے بعد) یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ: تحریف قرآن کا نظریہ خرافات وخیال بافی ہے اور کم عقل افراد کے علاوہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے اور اگر کوئی قائل ہوا ہے تو وہ شخص جس کے اندر ذرہ برابر بھی علم نہیں ہے یا وہ شخص جو ایسی باتوں کا عاشق اور دلدادہ ہو کہ عشق انسان کو اندھا اور بہرہ بنادیتا ہے لیکن عاقل، منصف، مدبر ایسی باتیں نہیں کرتا ہے جن کے باطل ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ۱۵۱

نتیجہ

ان تمام مباحث سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱۔ سلفی وہابی کی جانب سے من چاہے طریقہ سے کسی کو کافر کہنے یا بنانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ، قرآن وسنت سے استناد کرنے کے بجائے اپنے ہی نظریات وآراء پر اعتماد کرتے ہیں۔

۲۔ تکفیری گروہ اپنے علمی نظریات اور مسلکی روش میں ابن تیمیہ کی پیروی کرتے ہیں، اسی وجہ سے تکفیری سلفیت ابن تیمیہ کے انتہا پسندانہ افکار کی پیداوار ہے۔

۳۔ فہم قرآن وسنت کا چونکہ دین کے ساتھ براہ راست تعلق ہے اس لئے اسے ہمیشہ صحیح روش اور صحیح قواعد وضوابط کی بنیاد پر انجام پانا چاہئے ورنہ وہ تحریف، بے بنیاد تکفیر اور تفسیری اعتبار سے خلفشار کا شکار ہو جائے گی۔

۴۔ ہر تحقیق، اخلاقی اور علمی انصاف پر استوار ہوتی ہے: لیکن بد گوئی، الزام تراشی، حقائق کو چھپانا، قرآن وسنت نبوی کے سمجھنے میں سلفی تکفیریوں کی روشوں میں سے ایک روش ہے جس کے وہ مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔

۵۔ اپنے مخالفین کی تکفیر کے لیے سلفی وہابی ایک نئی روش کا استعمال کرتے ہیں اور وہ اس سے بھرپور استفادہ بھی کرتے ہیں اس کا نام ہے میکانزم فرافکنی۔

۶۔ سلفی تکفیری اپنے خیال کے اظہار کے لئے مختلف روشوں کا استعمال کرتے ہیں جیسے:

الف: قرآن وسنت میں تفسیر بالرای کرنا۔

ب: قرآن بالقرآن سے تفسیر کو ان دیکھی کرنا۔

ج: اپنی تحریر و تقریر اور اپنی گفتگو میں انتہا پسندانہ روش اختیار کرنا، عقل کے قطعی و یقینی اصول اور علم ویقین کو پس پشت ڈال دینا۔ سلفی میدان فکر و تقریر پر عقل کو بے دخیل اور بعض فلسفی بنیادی بحثوں میں اختلاف کے باعث قرآن وسنت کی ظاہری تفسیر پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور یہی بات ان کی عملی غلطیوں اور خطاؤں کا باعث ہوتی ہے۔

د: اسلام کے کلیدی مفاہیم ومصادیق کے معانی میں غلط اور بے ضابطہ طور پر توسیع کرنا اور ان مفاہیم کی توضیح و تفسیر میں قرآن وسنت پر اعتماد نہ کرنا جبکہ توحید، ایمان، اسلام، شرک وکفر وبدعت جیسے مفاہیم کی قرآن اور پیغمبرؐ کے ذریعہ اچھی طرح وضاحت کی گئی ہے، لیکن سلفی تکفیری وہابی ان الفاظ کی تفسیر کے لیے سنت معتبر حتی سلف صالح کی طرف رجوع کرنے کے بجائے ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عبد الوہاب، ابن عثیمین، صالح فوزان، شکری مصطفیٰ، جیسے بے وقعت افراد کی تفاسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۷۔ مسلمان مفکرین اور دانشمند حضرات اپنے صحیح اصولوں اور شرعی استنباط کی صحیح روش کی وضاحت کرکے اپنے طریقے اور راستے کو سلفی تکفیری فکر سے جدا کریں، تاکہ اسلام کے نام پر دنیائے اسلام کے پیکر پر مزید آسیب نہ پہنچے۔

حوالہ جات:

۱۔ رجوع فرمائیں: مرتضی مطہری، مجموعہ آثار ج ۴، ص ۵۵

۲۔ رجوع فرمائیں: عبدالقاہر بغدادی، الفرق بین الفرق، ۲۷، ۷۸۔۸۶

۳۔ وہابیوں اور ان کے ہم فکر لوگوں کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رجوع فرمائیں: کتاب "سلفی گری و وہابیت" مؤلف: سید مہدی علی زادہ موسوی

۴۔ ۔ محمد عوض الخطیب ، "الوہابیۃ فکراوممارسۃ"، ص ۱۸۸، منقول از سلیمان بن عبد الوہاب النفحۃ الزاکیۃ، الرسالۃ الاولیٰ، ص ۷

۵۔ رجوع فرمائیں: سعد الدین السید صالح، الفرق والجماعات الاسلامیہ المعاصرہ وجذور ھا التاریخیہ، ص ۲۰۳۔ ۲۰۴

۶۔ رجوع فرمائیں: دہخدا، لغت نامہ، ج، ۸، ص ۱۰۹۰۴، انوری، فرہنگ بزرگ فارسی، ج ۴، ص ۳۷۳۷

۷۔ رجوع فرمائیں: جابر محمود، الوہابیہ فی مصر، ص ۱۹۵

۸۔ صالح سعد الدین السید، الفرق والجماعات الاسلامیہ المعاصرہ وجذورھا التاریخیہ، ص ۲۰۳ و ۲۰۶۔ ۲۱۱

۹۔ سورۂ بقرہ، آیت ۳۲

۱۰۔ سورۂ انعام، آیت ۷۱

۱۱۔ سورۂ حجر، آیت ۸۴

۱۲۔ سورۂ روم، آیت ۳۰

۱۳۔ سورۂ نحل، آیت ۶۴

۱۴۔ سورۂ نحل، آیت ۴۴

۱۵۔ سعد الدین السید صالح، الفرق والجماعات الاسلامیہ المعاصرہ وجذرھا التاریخیہ ص ۲۰۶۔ ۲۰۸۔ الحجیات سے نقل کرتے ہوئے شکر مصطفیٰ نسخہ خطی، ص ۴

۱۶۔ شکری مصطفیٰ، الحجیات، ص ۶

۱۷۔ گذشتہ حوالہ ص ۸، سعد الدین السید صالح، الفرق والجماعات الاسلامیۃ المعاصرہ وجذورھا التاریخیہ، ص ۲۰۷۔ ۲۰۸

۱۸۔ گذشتہ حوالہ، ص ۲۰۸، شکری مصطفیٰ "الحجیات" ص ۱۰، سے نقل کرتے ہوئے۔

۱۹۔ شکری مصطفیٰ، التبیین، نسخہ خطی ص ۲۴

۲۰۔ رجوع فرمائیں: محمد کثیری، السّلفیہ بین اہل السنہ والامامیہ ص ۴۶

۲۱۔ رجوع فرمائیں: رمضان بوطی: السّلفیہ مرحلہ زمسینہ مبارکہ لامذہب اسلامی، ص ۲۳۵

۲۲۔ شرح العقیدہ الواسطیہ، ج ۲، ص ۲۹۲

۲۳۔ رجوع فرمائیں: شہر ستانی، الملل والنحل، ج ۱ ص ۹۲۔ ۹۳، ج ۲، ص ۸۴۔ ۸۵؛ حسن البناء، مجموعہ رسائل، ص ۳۶۲۔ ۳۶۶

۲۴۔ رجوع فرمائیں: البناء حسن، مجموعہ رسائل ص ۳۶۷، ۳۷۸

۲۵۔ رشید رضا، ج ۳، ص ۱۶۳ یا ۱۹۷،
۲۶۔ سورۂ علق، آیت ۵
۲۷۔ رجوع فرمائیں: محمد ابوزہرہ، تاریخ المذاہب الاسلامیہ
۲۸۔ درء تعارض العقل والنقل ج ۱، ص ۲۰۱
۲۹۔ آمنہ محمد نصیر، الشیخ الامام محمد بن عبد الوہاب ومنہجہ فی مباحث العقیدہ، ج ۱، ص ۱۱۲
۳۰۔ مشعبی، گذشتہ حوالہ، ص ۸۵۔۸۷۔ مجموع الفتاویٰ، ج ۱۸، ص ۵۰۔۵۱ سے نقل کرتے ہوئے
۳۱۔ گذشتہ حوالہ
۳۲۔ مجموعہ الفتاویٰ، ج ۱۷، ص ۷۴؛ درء التعارض، ج ۲، ص ۳۷، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، مشعبی، ص ۱۳۶۔۱۴۱
۳۳۔ ونری وجوب اجراء نصوص الکتاب والسنۃ فی ذلک (صفات اللہ تعالی) علی ظاھرھا ونتبرأ من طریق المحرفین لہا الذین صرفوھا الی غیر ما اراد اللہ بھا، عثیمین، عقیدۂ اہل السنۃ والجماعۃ ص ۶
۳۴۔ علامہ طباطبائی، تفسیر المیزان، ج ۱۴، ص ۱۳۰
۳۵۔ رشید رضا، المنار، ج ۱، ص ۲۵۲۔ ۲۵۳
۳۶۔ ابن عثیمین، عقیدہ اھل السنۃ والجماعۃ، ص ۵۔۶
۳۷۔ سورۂ زمر، آیت ۶۷
۳۸۔ ابن عثیمین، القول المفید علی کتاب التوحید، ج ۲، ص ۵۳۲، اور دوسرے سلفی وہابی بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں، رجوع فرمائیں، مجموع فتاوی العلامہ عبد العزیز بن باز، ج ۴
۳۹۔ جعفر سبحانی، آئین وہابیت، ص ۳۳
۴۰۔ سورۂ ابراہیم، آیت ۴
۴۱۔ رجوع فرمائیں: زمخشری، تفسیر کشاف، ج ۱، ص ۶۲۸
۴۲۔ سورۂ توبہ، آیت ۶۷
۴۳۔ سورۂ آل عمران، آیت ۲۶
۴۴۔ سورۂ مومنون، آیت ۸۸
۴۵۔ سورۂ آل عمران، آیت ۷۳
۴۶۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۷
۴۷۔ سورۂ ذاریات، آیت ۴۷
۴۸۔ سورۂ ص، آیت ۴۵

۴۹۔ سورۂ ص، آیت ۱۷

۵۰۔ قال، قال رسول اللہ ﷺ "لعن اللہ المجادلین فی دین اللہ علی لسان سبعین نبیاً ومن جادل فی آیات اللہ کفر قال اللہ مایجادل فی آیات اللہ الا الذین کفروا، ومن فسر القرآن برأیہ فقد افتری علی اللہ الکذب ومن افتی الناس بغیرعلم لعنتہ ملائکۃ السماوات والارض وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ سبیلھا الی النار، الحدیث"، حرعاملی، وسائل الشیعہ، ج ۲۷، ص ۱۹۰

۵۱۔ الترمذی، سنن (کتاب التفسیر)، باب ماجاء فی الذی یفسّر القرآن برأیہ، ج ۵، ص ۱۹۹، حدیث نمبر ۲۹۵۰

۵۲۔ رجوع فرمائیں: مسعد بن مساعد الحسینی منہج محمد بن عبد الوہاب فی التفسیر، ص ۹۶" فتد ریسہ التفسیر وتالیفہ فیہ۔ وکثیرہ منہ من قبیل التفسیر بالرای المحمود۔ دلیل علی انہ یعلم من نفسہ انہ اھل لذلک اذ لا یتصرر ان یحث علی طلب العلم وینکر علی من یقول بغیر علم، ثم بعد ھذا یتکلم فی اعظم شئ بلا علم"

۵۳۔ علامہ امینی، نظرۂ فی کتاب منہاج السنۃ النبویہ، ص ۹۰؛ محمد حسن قزوینی، الامامۃ الکبریٰ والخلافۃ العظمیٰ، ج ۲، ص ۱۸۸۔۱۹۷

۵۴۔ رجوع فرمائیں: محمد حسن قزوینی، الامامۃ الکبریٰ والخلافہ العظمیٰ، ص ۱۸۱۔ ۱۸۵

۵۵۔ استاد مطہری کی تعبیر میں ابن تیمیہ کثرت مطالعہ وتالیفات کے باوجود اس کی فکر بہت زیادہ سطحی اور معمولی اور ضدی قسم کی تھی، اور یہ اس قسم کے افراد میں سے ہے جس کی فکر معاشرہ میں بہت زیادہ وسعت کی حامل ہے، لیکن گہرائی میں اس کا نفوذ نہیں ہے، رجوع فرمائیں: مجموعہ آثار، ج ۲۲، ص ۷۱۴

۵۶۔ صائب عبد الحمید، ابن تیمیہ، حیاتہ۔ عقائدہ، ص ۴۵

۵۷۔ گذشتہ حوالہ، ص ۸۔ ۱۰

۵۸۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ج ۳۴، ص ۵۸

۵۹۔ مجموع الرسائل والفتاویٰ، ج ۱۰، ص ۹۲۸؛ رائد السمہوری، نقد الخطاب السلفی، ص ۱۲۴۔ ۱۲۵

۶۰۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۷۸، "الحر بالحر والعبد بالعبد" سورہ نور، آیت ۳۲

۶۱۔ ابطاعلینا رسول اللہ ﷺ یوما صبور النہار فلما کان العشی قال لہ قائلنا: "یا رسول اللہ قد شق علینا لم نرک الیوم قال: ان ملکاہ من السماء لم یکن زارنی فاستاذن اللہ فی زیارتی فاخبرنی وبشرنی ان فاطمہ بنتی سیدۃ نساء امتی وان حسنا وحسینا سید اشباب اھل الجنہ" خصائص النسائی، ص ۳۴، الاخبار الماثور: بان فاطمہ بنت رسول اللہ سیدۃ النساء من ھذہ الامۃ، کنزالعمال، ج ۶۔ ص ۲۲۱، الباب الخامس فی فضل اھل البیت، حدیث نمبر ۳۷۷۳۲

۶۲۔ ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء ج ۲، ص ۴۲؛ محمد بن اسماعیل بخاری، ج ۴، ص ۲۴۸ (کتاب بدء الخلق، باب علامات النبوۃ فی الاسلام) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب: علامات النبوۃ فی الاسلام، وکتاب الاستئذان، باب: من ناجی بین

یدی الناس؛ مسند احمد بن حنبل ج ۶، ص ۲۸۲؛ احادیث فاطمہ بنت رسول اللہ، ح ۳۵۸۷۴؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۴۰

۶۳۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۸۹۔۱۹۰

۶۴۔ صلاح الدین الصفدی، الوافی بالوفیات، ج ۷، ص ۲۰۔۲۱

۶۵۔ قرطبی، جامع البیان، ج ۷، ص ۳۲۸۔

۶۶۔ سورۂ نساء، آیت ۲۸

۶۷۔ مجموع الفتاویٰ، ج ۱۵، ص ۳۳۳

۶۸۔ گذشتہ حوالہ، ج ۱۵، ص ۷۹

۶۹۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، کتاب التفسیر، ج ۳، ص ۹۴۹۔۹۵۰

۷۰۔ فخر رازی، تفسیر کبیر، ج ۳۲، ص ۱۳۲ و ۱۳۳؛ آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ج ۱۵، ص ۴۸۱ و ۴۸۲؛ بیضاوی، انوار التنزیل وأسرار التاویل، ج ۵، ص ۳۴۲

۷۱۔ فخر رازی، حوالہ گذشتہ

۷۲۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ تبوک، حدیث نمبر ۴۴۱۶؛ و مسلم کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل علی ابن ابی طالب، حدیث نمبر ۶۲۱۸

۷۳۔ محمد صالح بن العثیمین، تفسیر القرآن الکریم، المجلد الاول، مقدمہ، المشتہرون بالتفسیر من الصحابہ

۷۴۔ سورۂ بقرہ، آیت ۸۱

۷۵۔ ابن تیمیہ، تفسیر آیات اشکلت، ج ۱، ص ۳۶۸

۷۶۔ سورۂ قیامہ، آیت ۲۲۔۲۳

۷۷۔ ابن تیمیہ، گذشتہ حوالہ، ص ۳۶۶

۷۸۔ ابن تیمیہ، گذشتہ حوالہ، ص ۳۷۰

۷۹۔ محمد صالح بن العثیمین، تفسیر القرآن الکریم، المجلد الاول، مقدمہ: کلام الصحابہ رضی اللہ عنہم لایما ذو والعلم منہم والعنایہ بالتفسیر، لان القرآن نزل بلغتہم وفی عصرہم ولأنہم بعد الانبیاء اصدق الناس فی طلب الحق، واسلمہم من الأھواء واطہرہم من المخالفۃ التی تحول بین المرء وبین التوفیق للصواب۔

۸۰۔ سورۂ شوریٰ، آیت ۱۱

۸۱۔ محمد صالح بن العثیمین، گذشتہ حوالہ

۸۲۔ البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وما قدروا اللہ حق قدرہ)، حدیث نمبر ۴۸۱۱؛ و مسلم، کتاب صفات المنافقین واحکامہم، باب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، حدیث نمبر ۲۷۸۶

۸۳۔الاسرائیلیات: الاخبار المنقولہ عن بنی اسرائیل من الیہود وھو الاکثر أومن النصاریٰ، وتنقسم ھذہ الاخبار الی ثلاثہ انواع: الاول: ما اقرہ الاسلام وشہد بصدقہ فھو حق، مثالہ: مار واہ البخاری وغیرہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: جاء حبر من الاحبار الی رسول اللہ فقال: یا محمد انا نجد انّ اللہ یجعل السماوات علی اصبع، والارضین علی اصبع والشجر علی اصبع والماء والثری علی اصبع، وسائر الخلائق علی اصبع فیقول: أنا الملک، فضحک النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتی بدت نواجذہ تصدیقاً لقول الحبر، ثم قرأ رسول اللہ: وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض۔۔۔ الخ، (زمر ۶۷؛ رجوع فرمائیں، محمد صالح ابن العثیمین، تفسیر القرآن الکریم، المجلد الاول، مقدمہ)

۸۴۔محمد صالح بن العثیمین، تفسیر القرآن الکریم، المجلد الاول، گذشتہ حوالہ،

۸۵۔منہاج السنۃ النبویہ، ج ۴، ص ۲۷۶؛ نقد الخطاب السّلفی، ص ۱۲۹

۸۶۔ابن تیمیہ، درء التعارض، مجلد ۳، ص ۳۷

۸۷۔سورۂ شوریٰ، آیت ۲۳

۸۸۔ تفسیر طبری، ج ۲۵، ص ۱۴ و ۱۵؛ مستدرک الحاکم، ج ۲، ص ۴۴۴؛ مسند احمد، ج ۱، ص ۱۹۹؛ ینابیع المودۃ از مسند احمد، وجز آن، ص ۱۵؛ الصواعق المحرقۃ، ص ۱۱؛ و ۱۰۲، وذخائر العقبیٰ، ص ۲۵،

۸۹۔سورۂ حجرات، آیت ۱۳

۹۰۔آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ذیل آیت نمبر ۲۲ از سورۂ شوریٰ، ج ۱۳، ص ۳۲

۹۱۔ کنزل العمال، حدیث نمبر ۳۴۱۵۱،

۹۲۔ گذشتہ حوالہ، سورۂ شوریٰ کی آیت ۲۲ کے ذیل میں

۹۳۔رجوع فرمائیں: ابن تیمیہ، منہاج السنہ، ج ۷، ص ۳۹۵

۹۴۔نمونہ کے طور پر ہم اہلسنت کی ان کتابوں کو پیش کر رہے ہیں جن میں حدیث سفینہ کا ذکر کیا گیا ہے: المعجم الصغیر، ج ۲ ص ۲۲؛ المستدرک علی الصحیحین، ج ۲، ص ۳۴۳؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۶۸؛ تاریخ بغدادی، ج ۱۲، ص ۹۱؛ فیض القدیر، ج ۲، ص ۵۱۹ و ج ۵، ۵۱۷؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۸۲، ۸۵؛ الصواعق المحرقۃ، ص ۱۵۲؛ جواہر العقدین، ج ۲، ص ۱۲۰، مرقاۃ المفاتیح ۵/ ۶۱۰ و۔۔۔

۹۵۔ ومن ذلک ما اخرجہ مسلم والبوداؤد والنسائی وابن ماجہ والبیہقی وآخرون: " المہدی من عترتی من ولد فاطمہ"، احمد بن حجر الہیثمی، الصواعق المحرقہ، الفصل الاول فی الآیات الواردۃ فیہم۔۔۔ الایۃ الثانیہ عشرۃ، ص ۱۶۳

۹۶۔حدیث کے بعد بریکٹ میں (د" سنن ابن داؤد م" صحیح مسلم عن ام سلمۃ (علی بن المتقی بن حسام الدین الہندی، کنز العمال، الفصل الرابع فی ذکر اشتراط الساعۃ، خروج المہدی، حدیث نمبر ۳۸۶۶۲

۹۷۔ ما اخرجہ مسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والبیہقی وصاحب المصابیح وآخرون (سلیمان بن ابراہیم القندوزی، ینابیع المودۃ الباب، ۷۳، فی الاحادیث التی ذکرھا صاھب جواھر العقدین، حدیث دوم

۹۸۔ اظہار الحق، دوحۃ دار احیاد التراث الاسلامی ص ۴۳۸۔ ۴۴۰ کی چھپی ہوئی اور اسی کتاب کے ص ۹۲۸ الریاض: ۱۴۱۰ھ ق، الدارۃ العامہ للطبع والترجمہ کی چھپی ہوئی دونوں کا مقابلہ کریں۔

۹۹۔ محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمد، ص ۱۰۴

۱۰۰۔ نمونہ کے طور پر مقایسہ کریں: ناصر بن عبد اللہ القفاری کی کتاب، اصول مذہب الشیعہ، ج ۲، ص ۶۷۹۔ ۶۸۰ اور علّامہ مجلسی، بحار الانوار ج ۴۲۔ ص ۱۸۹، قفاری نے اپنی کتاب اصول مذہب الشیعہ کی ج ۱، ص ۳۳۵ پر آیت اللہ خوئی پر تہمت لگاتے ہوئے کہ وہ تحریف قرآن کے قائل ہیں جبکہ موصوف نے ان کی پوری بات کو مکمل طور پر نقل نہیں کیا ہے بلکہ ادھورا نقل کیا ہے کہ اسی مقالہ کے آخر میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۰۱۔ طبری، تاریخ الطبری، ذکر الخبر عماکان من امر النبیؐ عند ابتداء اللہ تعالیٰ ذکرہ، ج ۲، ص ۶۳

۱۰۲۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، باب الامر با بلاغ الرسالۃ

۱۰۳۔ احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، مانزل من القرآن بالمدینہ، ج ۲، ص ۳۲

۱۰۴۔ گذشتہ حوالہ، مانزل من القرآن بالمدینہ، ج ۲، ص ۴۳

۱۰۵۔ محمد رضا معین، فرہنگ فارسی معین: اصطلاح میں فرافکنی کا استعمال علم نفسیات میں ہوتا ہے، فرافکنی ایک دفاعی آلہ ہے جو پریشانی و نگرانی کے مقابلہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اس معنی میں کہ اپنی نامطلوب و ناپسندیدہ چیز کہ جنکا اپنے اندر پہچاننا ممکن ہے پریشانی کا سبب ہو دوسروں کی طرف نسبت دی جاتی ہے، مزید معلوم کرنے کے لیے رجوع فرمائیں، (جی فیسٹ و گریگوری جی فیسٹ، نظریہ ہای شخصیت، ترجمہ یحییٰ سید محمدی، ص ۵۳)

۱۰۶۔ مشعبی، گذشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۴۷۱

۱۰۷۔ مراجعہ فرمائیں: صالح الفوزان، البدعۃ تعریفھا۔۔۔" ص ۱۱؛ مشعبی، منہج ابن تیمیہ فی مساءلۃ التکفیر، ج ۲، ص ۴۷۵

۱۰۸۔ مسلم، ۸۷۶؛ نسائی، ج ۳، ص ۱۸۸

۱۰۹۔ عبد القاہر بغدادی، الفرق بین الفرق، ص ۳۱۷، و ۳۲۰ اور ۲۹۳

۱۱۰۔ بغدادی، گذشتہ حوالہ

۱۱۱۔ بغدادی، گذشتہ حوالہ، ص ۳۲۰

۱۱۲۔ مزید معلومات کے لیے، مراجعہ کریں، مشعبی، عبد المجید بن سالم عبد اللہ، منہج ابن تیمیہ فی مسئلۃ التکفیر

۱۱۳۔ مزید معلومات کے لیے، مراجعہ فرمائیں: مکارم شیرازی، وہابیت بر سر دوراہی

۱۱۴۔ جہاد بن عبد الالہ الخنیزی، السّلفیہ والشیعۃ ص ۱۲۶

۱۱۵۔ رجوع فرمائیں۔ مرتضیٰ مطہری، مجموعہ آثار، ج ۱، ص ۵۲

۱۱۶۔ سورۂ توبہ، آیت ۱۷

۱۱۷۔ محمد حسین قریب گرگانی، "تاریخ وہابیت" ہفت آسمان، ص ۱۸۲

۱۱۸۔ سورۂ احقاف، آیت ۵۔۶

۱۱۹۔ سورۂ فاطر، آیت ۱۳۔۱۴

۱۲۰۔ سورۂ زمر، آیت ۳

۱۲۱۔ سورۂ نساء، آیت ۴۸، و ۱۱۶

۱۲۲۔ ابوزہرہ، تاریخ المذاہب الاسلامیہ، ص ۱۹۲۔ ۱۹۳

۱۲۳۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، قاعدة الجلیلة فی التوسل والوسیلة، ص ۱۸۶۔ ۱۸۴

۱۲۴۔ علی بن علی بن محمد بن الی العز الحنفی، شرح الطحاویة فی العقیدة السلفیة، ص ۲۲۵

۱۲۵۔ سورۂ ھود، آیت ۴۶

۱۲۶۔ سورۂ انعام، آیت ۱۰۳

۱۲۷۔ گذشتہ حوالہ، ص ۱۳۰۔۱۳۱

۱۲۸۔ سعد الدین السید صالح، الفرق والجماعات الاسلامیة المعاصرہ وجذورھا التاریخیہ، ص ۱۷۴

۱۲۹۔ قوسی، المنہج السّلفی، ۴۱۸، ۴۱۹

۱۳۰۔ گذشتہ حوالہ

۱۳۱۔ مرتضٰی مطہری، مجموعہ آثار، ج ۳، ص ۶۵

۱۳۲۔ ابن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة اصحاب الجحیم، ص ۳۶ و ۴۸

۱۳۳۔ رجوع فرمائیں: محمد بن علی شوکانی، الرسائل السّلفیہ، ص ۱۸۵

۱۳۴۔ گذشتہ حوالہ، ص ۴۲۳، ۴۲۴، ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہوئے، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة اصحاب الجحیم، ص ۲۷۵

۱۳۵۔ ابن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة اصحاب الجحیم، ص ۵۵

۱۳۶۔ گذشتہ حوالہ، ص ۴۲۵؛ ابن تیمیہ، گذشتہ حوالہ، ص ۵۴۔ ۵۵

۱۳۷۔ رجوع فرمائیں: صالح الفوزان، البدعة تعریفہا، انواعہا واحکمہا، ص ۸

۱۳۸۔ رجوع فرمائیں: جعفر باقری، البدعة، ص ۲۹۵، ۳۰۸

۱۳۹۔ "وکم من مبالغة لتوھین کلام الرافضی ادّتہ احیانا الی تنقیص علی ابن ابی طالب ﷺ"، ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، ج ۶ ص ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ مزید معلومات کے لیے کتاب، اخطاء ابن تیمیہ فی حق رسول اللہ واھل بیتہ، کی طرف مراجعہ فرمائیں۔

۱۴۰۔ سید علی حسینی میلانی، دراسات فی منہاج السنہ لمعرفۃ ابن تیمیہ، ص ۵۶۷

۱۴۱۔ ناصر بن عبد اللہ القفاری، اصول مذہب الشیعہ، ج ۱، ص ۳۷۰۔ انوک، یعنی احمق، اور اس کی جمع نوکی آتی ہے، ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۰، ص ۵۰۱

۱۴۲۔ " الروافض الرافضی المغفل او الزندیق المرتدی ثوب الاسلام"، (ناصر بن عبد اللہ القفاری، اصول مذہب الشیعہ، ج ۳، ص ۱۳۳)

۱۴۳۔ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ، ج ۴، ص ۳۶۸

۱۴۴۔ رجوع فرمائیں: ناصر بن عبد اللہ بن علی القفاری، اصول مذہب الشیعہ الامامیۃ الاثنی عشریہ، عرض وتقد، انہوں نے اس کتاب کی جلد اول کے مقدمہ میں ص ۷۔ ۱۸ پر دعویٰ کیا ہے کہ واقعات کو نہایت انصاف وصداقت کے ساتھ اور خود منصفی سے ہٹ کر شیعوں کے مشہور عقائد پر اعتماد کرتے ہوئے بیان کیا ہے لیکن یہ شخص ہر گز اپنے کہنے کا پابند نہیں رہتا ہے۔ سید محمد حسین قزوینی نقد اصول مذہب الشیعہ الامامیہ الاثنی عشریہ عنوان کے تحت نامی کتاب میں رقم طراز ہیں کہ عالمانہ ومستند طور پر قفاری کے اپنے وعدہ کے مطابق: وعدہ کا پابند نہ ہونا، اس کی طرف اشارہ کیا ہے، رجوع فرمائیں: نقد اصول مذہب الشیعہ الامامیہ الاثنی عشریہ، قم، موسسۂ ولی عصر، لدراسات اسلامیہ، ۱۴۳۰)

۱۴۵۔ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ، ج ۳، ص ۱۴۸

۱۴۶۔ رجوع کریں۔ عبد المجید المشعبی، منہج ابن تیمیہ فی التکفیر، ج ۲، ص ۴۵۳

۱۴۷۔ حوالہ، گذشتہ، ص ۴۴۰، ۴۴۲

۱۴۸۔ گذشتہ حوالہ، ص ۴۵۴

۱۴۹۔ "اشتہرت ضلالۃ التجسیم بین الیہود ولکن اول من ابتدع ذلک بین المسلمین ہم الروافض" ناصر بن عبد اللہ القفاری، اصول مذہب الشیعہ، ج ۲، ص ۶۴۰

۱۵۰۔ والخوئی مرجع الشیعہ فی العراق وغیرہ الیوم یقول: ان کثرۃ الروایات (روایاتہم فی تحریف القرآن) من طریق اہل البیت علیہم السلام ولأ اقل من الاطمئنان بذالک، وفیہا ماروی بطریق معتبر" رجوع فرمائیں: ناصر بن عبد اللہ القفاری، اصول مذہب الشیعہ، ج ۱، ص ۳۳۵

۱۵۱۔ "ومما ذکرناہ: قد تبین للقاری، ان حدیث تحریف القرآن حدیث خرافۃ وخیال، لایقول بہ الا من ضعف عقلہ اومن لم یتأمل فی اطرافہ حق التامل، أومن ألجاہ الیہ بحب القول بہ، والحب یعمی ویصم، واما العاقل المنصف المتدبر برفلا یشک فی بطلانہ وخرافتہ" ابو القاسم خوئی، البیان فی تفسیر القرآن، ص ۲۵۹

منابع:

قرآن کریم۔

۱۔آلوسی محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ

۲۔ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام، قاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ، دار الکتاب العربی، بیروت ۲۰۰۶ء

۳۔۔۔ تفسیر آیات اشکلت علی۔۔۔، دارسۃ تحقیق عبد العزیز بن محمد الحلیفۃ، دار الصمیعی، الریاض ۱۴۲۵ھ

۴۔۔۔ مجموع الفتاوی، کتاب التفسیر، مکتبۃ الرشد، بیروت ۱۴۲۶ھ

۵۔۔۔ درء التعارض العقل والنقل، مکتبۃ الرشد۔ ناشرون، الریاض ۱۴۲۷ھ

۶۔۔۔اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، تحقیق ناصر بن عبد الکریم، مکتبۃ الرشد، الریاض (بی تا)

۷۔ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت (بی تا)

۸۔ابوزہرہ، محمد، تاریخ المذاہب الاسلامیہ، دار الفکر العربی، القاہرہ، ۱۹۹۶ء

۹۔ابی یعقوب، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، دار صادر، بیروت ۱۳۷۹ھ

۱۰۔اصفہانی، ابی نعیم، حلیۃ الاولیاء، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۹۸۷ء

۱۱۔امینی، عبد الحسین، نظرۃ فی کتاب منہاج السنۃ النبویۃ، نرم افزار کلام اسلامی، مرکز تحقیقات کامپوتری علوم اسلامی نور، قم، ۱۳۹۰۔ش

۱۲۔انوری، حسن، فرہنگ بزرگ سخن فارسی، سخن، تہران، ۱۳۸۱ش

۱۳۔ باقری جعفر، البدعۃ، دار الثقلین، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۴۔بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، دار الجبل، بیروت، (بی تا)

۱۵۔بغدادی، عبد القاہر بن طاہر بن محمد بن محمد، الفرق بین الفرق، دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۲۴ھ

۱۶۔البنا، حسن، مجموعۂ رسائل، المکتبہ التوقیفیۃ، القاھرۃ (بی تا)

۱۷۔بوطی، محمد سعید رمضان، السلفیۃ مرحلۃ زمینیۃ مبارکۃ لامذہب اسلامی، دار الفکر المعاصر، بیروت، ۱۴۱۸ھ

۱۸۔ بیضاوی، عبد اللہ بن محمد بن علی، انوار التنزیل واسرار التاویل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۸ھ

۱۹۔ جابر محمود، الوہابیۃ فی مصر من محمد علی الی مبارک، دار المیزان، بیروت، ۱۴۳۲ھ

۲۰۔ حر عاملی، محمد بن الحسن، وسائل الشیعہ، مؤسسہ آل البیت، قم، ۱۴۰۹ھ

۲۱۔ حسینی قزوینی، سید محمد، نقد اصول مذہب الشیعۃ الامامیۃ الاثنی عشریۃ، موسسہ ولی عصر لدراسات اسلامیہ، قم، ۱۴۳۰ھ

۲۲۔ حسینی میلانی، سید علی، دراسات فی منہاج السنۃ لمعرفۃ ابن تیمیہ، مرکز الحقائق الاسلامیۃ قم، ۱۴۲۸ھ

۲۳۔ حسینی، مسعد بن مساعد، منہج محمد بن عبد الوہاب فی التفسیر، کتابخانہ المکتبہ الشاملہ (مدرسہ فقاہت)، (http://shamela,baharsound.ir/40473/1/1)

۲۴۔ حنفی، علی بن علی بن محمد بن ابی العز، شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ، تحقیق احمد محمد شاکر، دار السودانیۃ للکتب، سودان، خرطوم، (بی تا)

۲۵۔ الخطیب محمد عوض، الوہابیۃ، فکرا وممارسۃ، مرکز الغدیر، بیروت ۱۴۳۲ھ

۲۶۔ خوئی، ابوالقاسم، البیان فی تفسیر القرآن، دار الزہرا، بیروت ۱۴۰۸ھ

۲۷۔ دہخدا، علی اکبر، لغت نامہ، دانشگاہ تہران، تہران، ۱۳۷۳ش

۲۸۔ زمخشری، محمود، الکشاف عن غوامض التنزیل، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۲۹۔ سبحانی، جعفر، آیین وہابیت، نشر توحید، قم ۱۳۶۴ش

۳۰۔ سمموری، رائد، نقد الخطاب السّلفی ابن تیمیہ نموذجا، طوی للنشر والاعلام، لندن، ۲۰۱۰ء

۳۱۔ شکری، مصطفیٰ، التبیین، نسخہ خطی، (بی تا)

۳۲۔ شکری، مصطفیٰ، الحجیات، نسخہ خطی، (بی تا)

۳۳۔ شوکانی، محمد بن علی، الرسائل السلفیۃ فی احیاء سنۃ خیر البریۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۶ھ

۳۴۔ شہرستانی، محمد بن عبد الکریم، الملل والنحل، منشورات الشریف الرضی، قم ۱۳۶۴ش

۳۵۔ صائب عبد الحمید، ابن تیمیہ حیاتہ۔ عقائدہ، مؤسسۂ دائرہ معارف الفقہ الاسلامی، قم، ۱۴۲۶ھ

۳۶۔ صالح، سعد الدین السید، الفرق والجماعات الاسلامیۃ المعاصرۃ، وجذورھا التاریخیۃ، دار احد، الامارات ۱۴۲۰ھ

۳۷۔ الصفدی، صلاح الدین، الوافی بالوفیات، دار النشر، بیروت، (بی تا)

۳۸۔ عثیمین محمد بن صالح، القول المفید علی کتاب التوحید، دار ابن جوزی، الریاض ۱۴۱۷ھ

۳۹۔۔۔ شرح العقیدۃ الواسطیۃ، تحقیق سعد بن فواز الصمیل، دار ابن جوزی، الریاض، (بی تا)

۴۰۔ تفسیر القرآن الکریم (نسخہ الکٹرانیک) موسسۂ الشیخ العثیمین، موقع الرسمی للشیخ العثیمین http://www.ibnothaimeen.com/all/index/article_17097.shtml.

۴۱۔ عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ، مدار الوطن للنشر، ریاض، ۱۴۰۴ھ

۴۲۔ عقیلی، ابراہیم، تکامل المنہج المعرفی عند ابن تیمیہ، المعہد العلمی للفکر الاسلامی، فیرجینیا، ۱۴۱۵ھ

۴۳۔ علی زادہ موسوی، سید مہدی، سلفی گری ووہابیت، دفتر تبلیغات اسلامی، قم ۱۳۹۰ش

۴۴۔ فرمانیان، مہدی، مجموعہ مقالات فرق تسنن، (بہ کوشش: مہدی فرمانیان)، نشر ادیان، قم، ۱۳۸۸ش

۴۵۔ فوزان، صالح بن فوزان بن عبد اللہ، البدعۃ، تعریفہا، انواعہا واحکامہا، دار العاصمۃ، الریاض، ۱۴۱۲ھ

۴۶۔۔۔ شرح المنظومۃ الحائیہ فی عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ، تحقیق عادل الرفاعی وعصام المری، دار العاصمۃ للنشر والتوزیع (بی تا)

۴۷۔ فیسٹ، جس و گریگوری، جی، فیسٹ، نظریہ ہای شخصیت، ترجمہ یحییٰ سید محمدی، نشر روان، تہران، ۱۳۸۶ش

۴۸۔ قریب گرگانی، محمد حسین، "تاریخ وہابیت" بہ کوشش: رسول جعفریان، ہفت آسمان، پاییز وزمستان ۱۳۷۸ ش، شمارہ ۳ و ۴، ص ۱۷۷۔۱۹۶

۴۹۔ قزوینی، محمد حسن، الامامۃ الکبری والخلافۃ العظمیٰ، دار القاری، بیروت، ۱۴۲۴ھ

۵۰۔ کثیری، سید محمد السّلفیہ بین اہل السنۃ والامامیۃ، الغدیر، بیروت ۱۴۱۸ھ

محمد نصیر آمنہ، الشیخ الامام محمد بن عبد الوہاب ومنہجہ فی مباحث العقیدۃ، کتابخانہ المکتبہ الشاملہ مدرسۃ فقاہت، (بی تا)

۵۱۔ مشعبی عبد المجید بن سالم بن عبد اللہ، منہج ابن تیمیہ فی مسالۃ التکفیر، دار اضواء السلف، ریاض، ۱۴۱۸ھ

۵۲۔ مطہری، مرتضیٰ، نرم افزار مجموعہ آثار، انتشارات صدرا، مرکز تحقیقات کامپیوتری علوم اسلامی، نور، قم، ۱۳۸۹ش

۵۳۔ مکارم شیرازی، ناصر، وہابیت بر سر دوراہی، انتشارات امیر المومنین، قم، ۱۳۸۶ش

۵۴۔ القفاری، ناصر بن عبد اللہ بن علی، اصول مذہب الشیعہ الاثنی عشریہ، ریاض، ۱۴۱۴ھ (بی نا)

۵۵۔ نیشاپوری، حاکم، المستدرک، دار المعرفہ، بیروت، (بی تا)

۵۶۔ ہیکل، محمد حسین، کتاب حیاۃ محمد، مطبعۂ مصر، ۱۳۵۴

تکفیری فکر کی پیدائش اور وسعت پر ایک تجزیہ اور اس سے نجات پانے کا راستہ

محمد رضا وحیدی نژاد
مترجم: منہال حسین

صدر اسلام اور اس کے کچھ سالوں بعد واقعات رونما ہوئے ۱؎ جیسے خوارج کے ساتھ جنگ، ۲؎ غالیوں کا غلو ۳؎ اور بعض نفرت آمیز و جاہلانہ فتووں کا دیا جانا جن کی وجہ سے اسلام بعض گمراہ اور منحرف افکار کی زد میں آگیا لیکن ائمہ معصومین علیہم السلام کی جانب سے شدید مخالفت، زندہ ضمیر اصحاب، علماء اور مسلمانوں کی بیداری سے اسے روبرو ہونا پڑا جس کی بناپر اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے تھے۔

ادھر پھر دو تین صدیوں سے مسلمانوں کے درمیان منحرف افکار اور فرقوں نے جنم لینا شروع کردیا ہے۔ایسے افکار اور فرقوں کے وجود میں آنے کے اسباب کچھ اس طرح ہیں: جہالت، جاہلانہ تعصب، بدگمانی، بدعت، زیادہ روی اور استعمار کی حمایت۔

علماء اور بزرگان دین کی مخالفت کے باوجود منحرف فرقوں نے اپنے عقیدے کو، نبی کی سنت اور صحابہ کی سیرت سے سمجھی ہوئی باتوں کو اسلام اور اسلام کا سب سے صحیح عقیدے کا نام دے دیا، اسلام کے حقیقی چہرے اور واقعی توحید کی جدید تفسیر کرکے اہلسنت کے چار فرقے بناڈالے اور شیعوں کی جانب سے ان کی مخالفت اور اس تفسیر کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے شرک و کفر سے متہم کردیا۔ ۴؎

ان لوگوں نے اپنے مخالفین کو کفر سے متہم کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جہاد کے نام پر نہایت وسیع پیمانہ پر عورتوں، بچوں اور مسلمانوں کا قتل عام کرنا شروع کردیا اور اسلامی ممالک میں ایسے بھیانک جرائم کے مرتکب ہوئے کہ جن کی توجیہ کسی بھی صورت میں نہیں کی

جاسکتی اور اس طرح ان لوگوں نے دنیا میں اپنا ایک خونخوار چہرہ پیش کیا ، جہاں مسلمان مصیبتوں کا شکار ہورہے تھے وہیں یہودی صہیونیزم اور اسلام کے کھلم کھلا دشمن امن وراحت کا احساس کرنے لگے تھے۔۵

مسلمانوں کے درمیان تعصب آمیز افکار کے جنم لینے کا ایک سبب بعض نادان اہل تشیع کی زیادہ روی بھی تھی ،جن میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے ائمہ معصومین علیہم السلام کو عبودیت سے الوہیت کے درجہ پر پہنچا دیا اور انہیں خدا کا شریک بنادیا۔حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"هلك فيّ رجلان؛ محب غال و مبغض قال " دولوگ میرے سلسلہ میں ہلاک ہوئے ؛ ایک وہ جو میرے حق میں غلو کرتا ہے اور دوسرا وہ جو میرا کینہ توز دشمن ہے " ۶ گرچہ اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ غالیوں کے وجود میں آنے کا باعث خوارج اور نواصب ہیں لیکن غالیوں نے اپنے عقائد کے ذریعہ خوارج کی سرگرمیوں کو تیز کردیا۔۷

مذکورہ عوامل اور اسباب مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور تکفیر کا باعث ہوئے جو ہمیشہ سے اسلامی دشمنوں کی سازش اور ان کا اصلی ہدف رہا ہے ۔

آج کے دور میں اسلام اور امت مسلمہ کو سب سے بڑا لاحق ہونے والا خطرہ مسلمانوں کی تکفیر ہے ،یہ ایک ایسی مصیبت ہے جو روز بہ روز طاقتور ہوتی جارہی ہے کہ اگر اسے روکا نہ گیا تو یہ مستقبل میں نہایت طاقتوراور مستحکم ہوجائے گی۔

رہبر معظم انقلاب آیت اللہ العظمیٰ علی خامنہ ای فرماتے ہیں: " آج ایسے لوگ بھی ہیں جن کا اسلحہ تکفیر ہے اور انہیں اپنے آپ کو تکفیری کہنے میں شرم بھی محسوس نہیں ہوتی ، یہ افکار زہر ہیں جسے اسلامی سماج سے باہر نکالنے کی ضرورت ہے ۔ ۸

تکفیر نامی عظیم مشکل سے رہائی کے لئے آج کے مسلمانوں کو تکفیر کے اسباب ،اس کی پیدائش، مقدمات اور اس کے عوامل سے آگاہ ہونا بے حد ضروری ہے، اسی طرح فریقین کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ آیتوں ، روایتوں اور سنت پیغمبرؐ کی روشنی میں لوگوں کو تکفیر نامی ناسوراور خطرناک کینسر سے آگاہ کریں اور مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ سے زیادہ میل و محبت کو بڑھاوا دیں۔

کفر و تکفیر کی مفہوم شناسی

کفر و تکفیر لغت میں

صاحب مفردات راغب۹ لکھتے ہیں: " لغت میں کفر کے معنی کسی بھی چیز کو چھپانا ہے اور رات کو کافر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کو چھپا دیتی ہے اور کسان کو کافر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین میں دانوں کو چھپا دیتا ہے اور کفران نعمت کا مطلب ہے، نعمتوں کو چھپانا، اور نعمت پر شکر نہ کرنا بہت بڑا کفر ہے جو خدا کی وحدانیت ، دین یا نبوت کے انکار کے برابر ہے ۔

" کفران " کا لفظ زیادہ تر نعمتوں کے انکار اور " کفر" کا لفظ دین کے انکار کے لئے اور "کفور" کا لفظ مذکورہ دونوں مورد کے لئے بولا جاتا ہے ۔

تفسیر مجمع البیان کے مطابق شریعت میں کفر کے معنی ہیں: ان چیزوں کا انکار کرنا جن کی معرفت حاصل کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے جیسے خدا کی وحدانیت ، عدالت ، پیغمبر اکرم ﷺ کی معرفت اور جو کچھ دین کے ارکان میں سے آنحضرتؐ لائے ہیں ، ان کا انکار کرنا۔

"راغب کہتے ہیں :" دین کی زبان میں کافر اسے کہتے ہیں جو خدا کی وحدانیت یا نبوت یا شریعت یا تینوں کا انکار کرے۔

بہرحال کافر اس شخص کو کہتے ہیں جو تمام اصول دین یا دین کی بعض ضروریات کا انکار کرے۔

کفر کے متعدد درجے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ خطرناک خدا کا انکار کرنا ہے ، قرآن کریم میں وارد ہوا ہے: "ان الّذین کفروا سواء علیھم أانذرتھم ام لم تنذرھم لایؤمنون" ۱۰ یا ایک دوسری آیت میں اللہ فرماتا ہے: " انّ شرّ الدّواب عند اللہ الّذین کفروا " ۱۱ اپنے رسولوں اور نبیوں کے انکار کے سلسلہ میں ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے: " انّ الذین یکفرون باللہ ورسلہ و یریدون ان یفرقوا بین اللہ و رسلہ" ۱۲ یا "فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنۃ للہ علی الکافرین" ۱۳ اسی طرح خدا کی نشانیوں کے انکار کے سلسلہ میں ارشاد ہو ہے: "ذلک بانھم کانوا یکفرون بآیات اللہ و یقتلون النّبیین" ۱۴ یا فرماتا ہے : " ان الذین کفروا بآیات اللہ لھم عذاب شدید" ۱۵ اسی طرح قیامت کے انکار کی وضاحت دیتے ہوئے خدا فرماتا ہے " ومن یکفر باللہ و

ملائکتہ وکتبہ و رسلہ والیوم الآخر فقد ضل ضلال بعیدا" ۱۶؎ یا فرماتا ہے: "الذین ضل سعیھم فی الحیاۃ الدنیا۔۔۔ اولئک الذین کفروا بآیات ربھم ولقائہ "۱۷؎ اسی طرح الوہیت کی حقیقت اور صفات ذات سے کفر کے سلسلہ میں رب العزت کا فرمان ہے: " تدعوننی لاکفُرَ باللہ واشرک بہ مالیس لی بہ علم "۱۸؎ یا فرماتا ہے: " ذلکم بانہ اذا دعی اللہ وحدہ کفرتم وان یشرک بہ تومنوا"۱۹؎

مذکورہ آیتوں کی روشنی میں کافر اسے کہا جاتا ہے جو جان بوجھ کر تمام اصول دین یا ان میں سے بعض یا پھر ضروری دین کا انکار کرے۔

تکفیری فکر کی بنیادیں

تاریخی و کلامی واقعات کا دقیق مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درج ذیل عوامل کو تکفیری فکر کی پیدائش کے اسباب میں سے شمار کیا جاسکتا ہے؛

ا۔ جہالت

الف: فکری جمود اور جہالت

جہالت کی وجہ سے حقائق پوشیدہ رہتے ہیں یا ان کی شکل و صورت بدل دی جاتی ہے اور انہیں من گھڑت عقیدہ بنادیا جاتا ہے جیسا کہ جہالت اور معرفت نہ ہونے کی وجہ سے خوارج کے ساتھ ہوا، یہ لوگ اپنی ٹیڑھی اور اندھی فکر کو ایک دینی عقیدہ بنا بیٹھے اور جو بھی ان کے خلاف کہتا یا اس کا عقیدہ ان کے عقیدے سے مختلف اور جدا ہوتا، اسے کافر کہتے اور اس کے ساتھ جنگ پر اتر آتے، چاہے وہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام جیسی شخصیت ہی کیوں نہ ہو، حالانکہ آپ بے نظیر شخصیت کے مالک، صاحب اوصاف و کمالات اور وقت کے امام تھے۔

شہید مطہریؒ فرماتے ہی:

"خوارج کی تکفیر کا اصلی سبب جہالت اور نادانی تھی، معرفت نہ ہونے اور جہالت کے ساتھ شدت سے دین کی پابندی باعث ہوئی کہ وہ تنگ نظری کا شکار ہوگئے اور فسق و فجور کے ساتھ مسلمانوں کی تکفیر کرنے لگے"۔۲۰؎

خوارج کی جہالت کے ساتھ امیرالمومنینؑ کا رویہ

حضرت علی علیہ السلام خوارج کی جہالت کو ختم کرنا چاہتے تھے ، چونکہ کہ ان کی عبادت بھی عین جہالت تھی در اسلام کی معرفت کے مرقع مولا علی علیہ السلام کی نظر میں معرفت کے بغیر عبادت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے لہٰذا آپؑ نے کسی کی پرواہ کئے بغیر انہیں ختم کردیا۔ جاہلوں کی جہالت اسلئے بہت خطرناک ہے کہ ایسے لوگ مفاد پرستوں اور چالبازوں کے بہت جلد شکار ہوجاتے ہیں اور اس طرح اسلامی مصالح اور اہداف کی راہ میں راستے کا پتھر بن جاتے ہیں ، یہ لوگ پوری تاریخ میں بے دین منافق اور نادان مقدس لوگوں کو اسلامی مصلحتوں کے راستہ کا کانٹا بناتے رہے ہیں ، یہ لوگ ان کے ہاتھوں میں تلوار اور ان کی کمانوں میں تیر رکھنے کا کام کرتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :" ثم انتم شرار الناس و من رمی به الشیطان مرامیه وضرب به تیه"۔۲۱

ب: ایمان سے جہالت اور کفر

تکفیر کو ہوا دینے والے اسباب میں سے ایک سبب ایمان و کفر کے درمیان حدوں سے ناواقفیت اور لاعلمی ہے ، ابن تیمیہ ۲۲ کی تبعیت کرتے ہوئے آج کے دور میں سلفی تکفیریوں کے زیادہ تر شبہات کا تعلق اسی لاعلمی سے ہے۔

جو لوگ اسلامی اصول اور بنیادوں سے ناواقف ہیں اور دوسرے اسلامی فرقوں کے ماننے والوں کو اسلام سے بیگانہ ہونے کے عنوان سے دیکھتے ہیں ، وہ اسی قسم کی جہالت میں گرفتار ہیں اسلئے کہ انہیں نہیں معلوم کہ ایک فرقے سے نکلنے اور اسے چھوڑ دینے کا مطلب دین سے خارج ہونے کا باعث نہیں ہے۔

ابن فرحان مالکی کا وہابیوں کے رہنما اور امام پر اعتراض

ابن فرحان نے اپنی کتاب میں وہابیوں کے رہنما کی عبارتوں اور ان کے کلام میں ایسے پچیس مورد سند کے ساتھ ذکر کئے ہیں ، منجملہ :

۱۔ یہ لوگ اہلسنت کے چاروں فرقوں کی کتابوں کو باطل سمجھتے ہیں۔

۲۔ جو بزرگوں سے توسل کرے وہ کافر ہے۔

۳۔ اگر انہیں موقع مل جائے یا حالات واسباب فراہم ہوجائیں تو وہ پیغمبر اکرم ﷺ کے روضہ کو منہدم کردیں۔(جیسا کہ ان لوگوں نے قبرستان بقیع ائمہ معصومین علیہم السلام اور صحابہ کے روضوں کو منہدم کردیا)

۴۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ کی زیارت کو حرام کہتے ہیں۔

۵۔ وہ لوگ وہابیوں کےعلاوہ تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔۲۳

حسن بن فرحان اپنی کتاب "داعیہ ولیس نبیا" کی تیسری فصل میں لکھتے ہیں:

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کے شاگردوں اور ان کے ماننے والوں نے تکفیر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عرب اور غیر عرب کے بے شمار قبیلوں کو کافر کہا اور اپنے علاوہ تمام مذاہب اسلامی کےماننے والوں نیز مشہور اسلامی دانشوروں اور علماءکے کفر کا فتویٰ دیا، منجملہ:

ا۔ مکہ اور مدینہ والے (جب تک کہ وہ وہابی نہیں ہوئے تھے) سب کے سب کافر تھے۔

۲۔ جو بھی محمد بن عبد الوہاب کی پیروی کرے لیکن اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ اس کے اجداد اس دنیا سے مسلمان اٹھے ہیں تو وہ کافر ہے لہٰذا اسے توبہ کروانی چاہئے اور اگر نہ کرے تو اس کی گردن کاٹ دی جائے گی اور اس کا مال و اسباب بیت المال کے حوالہ کردیا جائے گا، اسی طرح اگر وہابی ہونے سے پہلے حج کیا ہو تو اس نے چونکہ شرک کی حالت میں کیا تھا، لہٰذا اسے دوبارہ حج کرنا ہوگا۔

۳۔ عثمانی حکومت کافر ہے اور جو بھی اسے کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے۔

۴۔ اشاعرہ بھی کافر ہیں کیونکہ انہیں کلمہ شہادتین کی معرفت نہیں ہے اور معتزلہ بھی کافر ہیں۔

۵۔ زکات نہ دینے والا کافر ہے۔

اس کے بعد کہتے ہیں: "ان لوگوں نے (مسلمانوں پر حملے اور) جہاد کے نام پر ہر ممکنہ اقدام کیا۔"

اس بحث کے آخر میں کہتے ہیں: "محمد بن عبد الوہاب کے بعد تکفیر کے سیلاب میں خود وہابی بھی بہہ گئے، ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے اورانہوں نے ایک دوسرے کی عورتوں کو اسیر

کیا" فرحان نے ان تمام موارد کو اپنی کتاب "الدرر السنیة" میں سند اور منابع وماخذ (حوالے) کے ساتھ بیان کیا ہے۔[۲۴]

قرآن کریم کی تنبیہ

قرآن کریم نے کھلے الفاظ میں مسلمانوں پر کفر کی تہمت لگانے سے منع کیا ہے یہاں تک کہ جو ظاہری طور پر مسلمان ہونے کا دعوی کرتے ہیں (اورانہوں نے ضروریات دین میں سے کسی کا انکار بھی نہیں کیا ہے) انہیں بھی کافر کہنے سے منع کیا ہے : "ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السّلام لست مومنا تبتغون عرض الحیاة الدنیا"[۲۵]

جو شخص اسلام کا اظہار کرے تو اس سے نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو تاکہ تمہیں فانی دنیا کے مال و اسباب مل جائیں۔

کیا اس آیت کے ہوتے ہوئے تکفیری جماعت کو بہانہ مل سکتا ہے کہ وہ توحید و شرک کے مسئلہ میں جان بوجھ کر یا نادانی میں مسلمانوں کو کافر کہیں؟!

جاہلوں کی خیانت

جاہل اور نادان حقیقت میں دشمن کے مخفی لشکر شمار کئے جاتے ہیں جو ہر دور میں اور ہر جگہ پائے جاتے ہیں، انہیں زمان و مکان اور موضوع کی اہمیت کی تمیز نہیں رہتی اور اسلام کی خدمت کے بدلے نادانی میں اسلام سے خیانت کر بیٹھتے ہیں، ہفتہ وحدت میں تفرقہ کا ڈنکا پیٹتے ہیں اور ولایت کے نام پر جنایت کرتے ہیں، وحدت اور یگانگی کے مظہر مولا علی علیہ السلام کی ولایت کے نام پر ہر جگہ پھوٹ ڈالنے کے درپے ہیں، یہ وہ لوگ جنہیں مولا علی علیہ السلام کی دورا ندیشی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا اور نہ ہی اپنے لئے اس سے کوئی توشہ اکھٹا کیا، انہیں مولا کے راستے کا پتہ نہیں اور آپ کے مقدس اہداف سے کوسوں دور ہیں، وحدت سے متعلق خدا کے حکم کو سمجھنے سے عاجز ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"قد اجتمع القوم علی الفرقة وافترقوا علی الجماعة۔۔۔ کانهم ائمة الکتاب ولیس الکتاب امامهم لم یبق عندهم من الحق الا اسمه ولم یعرفوا من الکتاب الا خطه"[۲۶]

وہ پھوٹ ڈالنے کے لئے جمع ہوتے ہیں اوراسی امر پر متحد ہوتے ہیں، وہ مسلمانوں کی جماعت سے جدا ہوتے ہیں، گویا وہ قرآن کے امام ورہنما ہیں اور قرآن ان کا امام ورہنما نہیں ہے، ان

کے درمیان حق صرف اپنے نام کے ساتھ زندہ ہے اور کتاب خدا قرآن سے کچھ نہیں سمجھتے سوائے اس کی عبارتوں کے۔"۲۷

ج۔ اسلامی فرقوں کا ایک دوسرے سے دوری اور ناواقفیت

مسلمانوں کی تکفیر کے اسباب میں سے ایک سبب اسلامی فرقوں کا ایک دوسرے سے دوری اوران کی معلومات سے بے بہرہ اور ناواقف ہونا ہے ، جس کی وجہ سے مختلف فرقوں کے لوگ ایک دوسرے کے متعلق افواہوں کی بنیاد پر قضاوت کرتے ہیں۔

افواہوں کی بنیاد پر بہتان لگانا

احمد امین مصری اپنی کتاب " فجر الاسلام " میں لکھتے ہیں:

" پوری تاریخ میں تشیع ہمیشہ ان لوگوں کے لئے بہترین پناہگاہ رہی ہے جو اسلام کو نابود کرنے کی تلاش میں رہتے ہیں"۔

علّامہ کاشف الغطاء فرماتے ہیں :" جب یہ کتاب منظر عام پر آئی ہے ،تو احمد امین مصر کے نامور علماء کے وفد کے ساتھ ہمارے گھر تشریف لائے اور وہاں میں نے نرم لہجہ میں ان کی مذمت کی، جب میں نے ان پر اعتراضات کی بارش کی اور حقائق سے روبرو کیا تو جو آخری بات انہوں نے کی وہ یہ تھی کہ مجھے تشیع کے سلسلہ میں زیادہ معلومات نہیں تھی۔ایسی صورت میں مشہور مصنفین کا حال ایسا ہو تو عام لوگوں کے سلسلہ میں کچھ کہنا بیکار ہے ، آج وحی و قرآن کے مرکز عربستان میں خدا کے گھر کے پاس یہ" کفر" ہے یا یہ "شرک "ہے جیسے جملے سننے کو ملتے ہیں، یہ لوگ معمولی بہانوں کو لے کر مسلمانوں کو شرک و کفر سے متہم کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے۔

د۔ایک دوسرے کے اہداف سے ناواقفیت

کسی بھی علم کی اصطلاحوں کا سمجھنا اس علم کے مسائل کو سمجھنے کے لئے بہت ضروری ہے، مخصوصاً فلسفہ اور عرفان میں اس قانون کی شدت سے ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح فقہی اور اصولی مسائل اور اصطلاحوں کا جاننا بہت ضروری ہے ، لہٰذا فلسفہ اور عرفان کی وجہ سے جن جن لوگوں کو کافر کہا گیا ہے وہ ان کی اصطلاحوں سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے ۔

ہ۔ ماحول کی وجہ سے ناواقفیت

پوری تاریخ میں زیادہ تر تکفیر کی نسبتیں ماحول سے ناواقفیت کی وجہ سے دی گئی ہیں۔

ا۔ معاویہ نے اپنی حکومت کے دوران حضرت علی علیہ السلام کے خلاف پورے ماحول میں زہر گھول دیا تھا جس کی وجہ سے زیادہ تر شامیوں کے درمیان مولا علی علیہ السلام (معاذ اللہ) ایک کافر کے عنوان سے پہچانے جاتے تھے ، ایسے زہریلے ماحول میں عام لوگوں سے قوت فکر سلب ہوجاتی ہے اور وہ اسی ماحول میں ڈھل کر ویسا ہی سوچنے لگتے ہیں۔

۲۔ ائمہ معصومین علیہم السلام کے دور میں شیعوں کے درمیان فکری اعتبار سے منحرف ہونے والوں میں ایک گروہ غالی پیدا ہوا تو ائمہ معصومین علیہم السلام نے ان کا شدت سے مقابلہ کیا ، یہ مقابلہ آگے چل کر شیعوں کے درمیان اتنا شدید ہوگیا تھا کہ اگر کوئی ائمہ معصومین کے متعلق کوئی حق بات بھی کہتا تو وہ غلو کی تہمت سے محفوظ نہیں رہ جاتا ہے تھا جیسا کہ رجال کی کتابوں میں ایسے موارد قابل مطالعہ ہیں کہ بعض حدیث کے نقل کرنے والوں کو غلو سے متہم کیا گیا اور ان کی تضعیف ہوئی جب کہ حقیقت میں وہ غالی نہیں تھے۔

امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں:

" بین الحق والباطل اربع اصابع فما رایتہ بعینک فھو الحق و قد تسمع باذنیک باطلا کثیرا۔۔۔"۲۸

حق و باطل کے درمیان چار انگلیوں کا فاصلہ ہے ، تو جو کچھ آنکھوں سے دیکھو اسے حق سمجھو کیونکہ اپنے کانوں سے بہت سی ناحق باتیں سنتے رہتے ہو۔

۲۔ جاہلانہ تعصب

حق کی نسبت سے یہ بھی تعصب کی ایک قسم ہے ۔

حضرت علی علیہ السلام حق کی بنیاد پر تعصب کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

" فلیکن تعصبکم لمکارم الخصال ومحامد الافعال و محاسن الامور التی تفاضلت فیہ المجداء والنجداء من بیوتات العرب۔۔۔ فتعصبوا الخصال الحمد۔۔۔"۲۹

تعصب وشدت پسندی نیک اوصاف ، پسندیدہ امور اور اچھی چیزوں کے متعلق ہونا چاہئے۔۔۔پس نیک اوصاف کے لئے تعصب برتو۔۔۔

اگر حق کی راہ میں تعصب نہ ہو بلکہ اپنی بات قائم کرنے کے لئے تعصب برتا جائے تو ایسا تعصب قابل مذمت ہے جیسا کہ مشرکین کہا کرتے تھے :" انا وجدنا آبائنا علی امة وانا علی آثارهم مهتدون" ۔۳۰

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

" لیس منا من دعا الی عصبیة ولیس منا من قاتل علی عصبیة ولیس منا من مات علی عصبیة"۳۱

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب کی بنیاد پر دعوت دے اور وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب کی بنیاد پر جنگ کرے اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو تعصب برتتے ہوئے مرجائے"۔

اسی طرح ایک اور مقام پر آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

"من کان فی قلبه حبة من خردل من عصبیة بعثه الله تعالی یوم القیامة مع اعراب الجاهل"

جس کے دل میں معمولی تعصب کی بناپر بھی محبت ہوگی، قیامت کے دن خداوندعالم اسے جاہل عربوں کے ساتھ محشور کرے گا۔

ابن ابی الحدید کا تعجب

ابن ابی الحدید معتزلی کہتے ہیں :"مجھے اس وقت بہت تعجب ہوتا ہے جب عقیدہ میں جہالت کے ساتھ تعصب آمیختہ ہوجائے ، خوارج نے انیسویں رمضان کی شب اسلئے مولا علی علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے انتخاب کی تھی کہ وہ رات عبادت کے لئے تھی اور چونکہ ان کی نظر میں مولا کا قتل عبادت کی حالت میں ممکن تھا لہٰذا ایسی رات کا انتخاب کیا"۳۲

اگرچہ اس وقت خوارج ایک مکتب اور مسلک کے عنوان سے ختم ہوچکے ہیں لیکن ان کے افکار اور عقائد ابھی بھی مسلمانوں کے درمیان موجود ہیں اوراسلامی سماج میں ایسے لوگ ہیں جو خوارج کی فکری اتباع کرتے ہوئے مجہولات اور اپنی ٹیڑھی فکر پر تعصب برتتے ہوئے تکفیری راستے پر چل رہے ہیں، جو اس وقت سلفی تکفیریوں میں قابل مشاہدہ ہے جو جہالت کی وجہ سے

اپنی راہ و رسم کو اسلام کا نام دے رہے ہیں اور اپنے آپ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصلی پیروکار بتارہے ہیں ، کچھ نادان اور جاہل لوگ اصلی اسلام کا دعویٰ کررہے ہیں اور نادان عوام کو اپنی بری نیتوں کو پورا کرنے کے لئے استعمال کررہے ہیں ، بلکہ تنگ نظری کی بناپر اپنے مخالفوں کی باتوں اور ان کے افکار کو گرچہ منطقی ہی کیوں نہ ہو، اپنے عقائد اور افکار کی مخالفت کی بناپر کفر اور اسلام سے خارج ہونے کی تہمت لگا دیتے ہیں۔

خوارج مقابلہ کرنا ان کے بظاہر مومن اور پکے مسلمان ہونے کی وجہ سے نہایت مشکل کام تھا ، وہ ایسے لوگ تھے جو دوست اور دشمن کی نظر میں ہرگز جھوٹ نہیں بولتے تھے ، حق بات کہنے میں ہرگز کتراتے نہیں تھے ، عبادت کرتے اور ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان نمایاں تھے ، کثرت سے قرآن کی تلاوت کرتے اور راتوں میں بیدار رہتے تھے لیکن ان کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ نہایت جاہل اور احمق تھے، وہ اسلام کو ایک خشک ، جامد اور بے جان دین سمجھتے تھے اور اسی طرح لوگوں کو اسلام سے آشنا بھی کرتے تھے ، ایسی صورت میں بہت کم لوگ تھے جو ان سے جنگ کے لئے تیار ہوتے تھے ، اگر حضرت علی علیہ السلام جیسی ممتاز شخصیت نہ ہوتی تو ہرگز مسلمان آپ کا ساتھ نہ دیتے ،امامؑ خوارج کے ساتھ جنگ کو اپنے نمایاں کارناموں میں شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں :" یہ میں تھا جس نے فتنہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ، اسلئے کہ میرے علاوہ کسی میں ایسا کرنے کی ہمت نہیں تھی"۳۳۔ امامؑ انہیں زہد و عبادت میں ممتازاوراول ہونے کے باوجود دین کا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔

اگر یہ سوچ اور فکر جس کا عوام کے درمیان بڑا مقام ہے ، عالم اسلام میں جڑ پکڑ لے تو اس طرح اسلام کی بنیادیں خشک اور متزلزل ہوجائیں گی جو اس کی تباہی اور جڑ سے بربادی کا باعث ہوگی۔

امام علی علیہ السلام کی نظر میں خوارج کے ساتھ جنگ چند ہزار لوگوں سے نہیں تھی بلکہ اسلام کے سماجی مسائل میں فکری جمود اور جاہلانہ استنباط سے تھی۔۳۴

۳۔ بدگمانی اور بدعت

اخوان المسلمین اور وہابیت

سن۱۹۲۹ عیسوی میں مصر کی سرزمین پر اخوان المسلمین پارٹی تشکیل پائی ، سلف کی اطاعت اور صدر اسلام کے مسلمانوں کی پیروی امت اسلامی کی نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا، اس کے باوجود ان لوگوں نے اسلام کے بقیہ فرقوں کے ماننے والوں کے ساتھ حسن سلوک روا رکھا ، سیاست کے میدان میں اترے اور حکومت کی بنیاد ڈالی لیکن ہرگز کسی مسلمان کو کافر نہیں کہا ،اس کے بعد حجاز میں ایک گروہ نے سر اٹھایا،ان لوگوں نے اسلام کے نام پر زیادہ روی اور نہایت سخت رویہ اختیار کیا ، ان کا عقیدہ تھا کہ اصلی اسلام سلف کے پاس تھا اور قرآن و سنت کے متعلق ان کی سمجھ بوجھ ہر ایک کے لئے حجت ہے جو بھی ان کے راستے سے منہ موڑے گا وہ بدعت گزار اور اسلام سے باہر گردانا جائے گا۔۳۵

سلف کا طور طریقہ

سلف کا طور طریقہ یہ تھا کہ وہ کلمہ شہادتین پڑھنے والوں کو مسلمان سمجھتے تھے اور ہرگز کسی کے دل کو چیر کر اندر کا عقیدہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے ، خالد ابن ولید نے پیغمبر اکرم ﷺ سے عرض کیا: بہت سے نماز گزار اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی، یہ سن کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : " انی لم اومر ان انقبّ علی قلوب الناس ولا اشق بطونھم " مجھے حکم نہیں ہوا کہ لوگوں کے دلوں کی جستجو کروں یا ان کے پیٹ کی بات سمجھنے کی کوشش کروں۔۳۶

یہ روش اور طور طریقہ سلف کا تھا اور اس وقت خوارج کے علاوہ (جو اس وقت بڑی کم تعداد میں تھے) کوئی بھی اہل تکفیر، مسلمانوں کو کافر نہیں سمجھتا تھا ، آج کے دور میں ایک گروہ سراٹھائے ہوئے ہے جو سلف کی پیروی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن مسلمانوں کو تکفیر سے متہم اور انہیں بموں سے اڑاتے ہیں۔

ابن تیمیہ سلفیوں کا فقہی اور کلامی نظریہ پرداز

ابن تیمیہ کا شمار مشہور حنبلی علماء میں ہوتا ہے اور توحید و شرک کے باب میں فقہی و کلامی اعتبار سے ایک زبردست نظریہ پرداز کے عنوان سے جاناجاتا ہے ، ابن تیمیہ نے دور جاہلیت کے شرک کی مثال دیتے ہوئے جس کی طرف قرآنی آیتوں میں اشارہ کیا گیا ہے ،اپنے نظریات اور فتووں کو ثابت کرنے کی انتھک کوشش کی ہے ۔۳۷

ابن تیمیہ کے بعض افراطی نظریات

تکفیریوں کی جانب سے مسلمانوں کے حق میں زیادہ تر صادر ہونے والے افراطی فتوے ابن تیمیہ کے نظریات اور فتووں سے متاثر ہیں:

ا۔قبروں کے پاس نماز پڑھنا، مقدس روضوں میں عبادت کی غرض سے جانا ، جیسے نماز،اعتکاف، استغاثہ اور قرآن کی تلاوت وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے ۔۳۸

۲۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت سے متعلق تمام حدیثیں ضعیف بلکہ جھوٹی ہیں۔۳۹

۳۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے فرد سے شفاعت اور مدد کی درخواست کرے جو اس دنیا سے جاچکا ہے تو چونکہ یہ کام صرف خدا کا ہے لہٰذا یہ مدد مانگنا شرک ہے ، اوراگر کوئی ایسا کرے تو اسے توبہ کرنی چاہئے ورنہ اس کا قتل واجب ہے۔۴۰

۴۔ خدا کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے ۔۴۱

۵۔ جو بات قرآن اور سنت کے ذریعہ ثابت ہوچکی ہے اور اس پر سلف کا اجماع رہا ہے ، وہی حق ہے ، اور اگر اس بات سے خدا کی جسمیت ثابت ہوتی ہوتو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اس لئے کہ حق کا لازمہ بھی حق ہی ہوتا ہے ۔۴۲

مشہور سیاح ابن بطوطہ

دمشق میں حنبلیوں کے ایک عظیم فقیہ تقی الدین ابن تیمیہ تھےجو ہر علم میں صاحب نظر تھے ، جمعہ کے دن میں نے انہیں دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر جلوہ افروز دیکھا جو لوگوں کو نصیحت

کررہے تھے ،ان کی بعض باتیں یہ تھیں؛ " خدا دنیا کے آسمان پر نازل ہوتا ہے بالکل اسی طرح جیسے میں منبر سے نیچے اترتاہوں " یہ کہا اور نیچے اتر آئے ۔۴۳

۶۔ دین میں ہر قسم کی نئی بات بدعت اور کھلی گمراہی ہے جیسے کہ گنبد وغیرہ بنانا۔۴۴

۷۔ وہ کہتے ہیں :" اصحاب رسولؐ سے جتنی تفسیریں ہم تک پہنچی ہیں اور جو روایتیں ان سے نقل ہوئی ہیں ان کے علاوہ میں نے سو سے زیادہ چھوٹی بڑی تفسیر کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے لیکن ابھی تک مجھے یہ بات کہیں بھی نہیں ملی کہ کسی صحابی نے قرآنی آیات یا اوصاف الٰہی پر مشتمل حدیثوں کے مفہوم کی تاویل کی ہو ۔

لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ تفسیر کی کتابیں اصحاب کی تاویلات سے بھری پڑی ہیں جیسا کہ آپ کتاب " الاسماء والصفات" میں بے شمار تاویلات کو ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ ۴۵

۸۔ روایتوں کی مغرضانہ تضعیف

وہ روایتیں جو ان کے نظریات کی مخالف ہیں ، ان کے سند کی تحقیق کئے بغیر انہیں جعلی اور من گڑھت کہتے ہوئے لکھتے ہیں: " حدیث :ھو ولی کل مومن بعدی"(وہ (حضرت علی علیہ السلام) میرے بعد ہر مومن کے سرپرست ہوں گے) یہ ایک جھوٹی حدیث ہے جسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام گڑھ دی گئی ہے اسلئے کہ آنحضرتؐ اپنی زندگی اور موت کے بعد بھی ہر مومن کے سرپرست ہیں اور ہر مومن بھی زندگی اور موت کے بعد ولی ہے۔۴۶

جب کہ اہلسنت علماء کی بیشتر تعداد جیسے ترمذی ، نسائی ، ابن حیان ، حاکم نیشاپوری ، طیالسی ، احمد ابن حنبل ، اسی طرح دیگر علماء نے جعفر بن سلیمان کے ذریعہ اس حدیث کو نقل کیا ہے ۔۴۷

۹۔ تاریخی حقائق کا انکار

جب بھی کسی تاریخی حقیقت کا سامنا ہوتا ہے جو ان کے عقیدے کے خلاف ہوتو فوراً اس کا انکار کردیا جاتا ہے۔ جیسا کہ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے مالک سے سوال کیا : کیا پیغمبرؐ کی قبر مبارک کی طرف رخ کرکے دعا کی جاسکتی ہے؟

مالک نے جواب میں کہا: کیوں اپنا چہرہ قبر پیغمبرؐ سے پھیر لیتے ہو جب کہ قیامت کے دن وہ آپ کے اور آپ کے دادا آدم علیہ السلام کے وسیلہ ہیں۔ آنحضرتؐ کی طرف رخ کرو اور انہیں اپنا شفیع قرار دو تاکہ خداوندعالم آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے۔۴۸

ابن تیمیہ کہتے ہیں:اس روایت کو کسی نے نقل نہیں کیا بلکہ اسے گڑھ کر امام مالک کی طرف نسبت دی گئی ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کو قاضی عیاض نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس روایت کو موثق روایوں سے نقل کیاہے، اس کے علاوہ جناب مالک، احمد ابن حنبل اور امام شافعی، سلام کے دوران اور دعا کے لئے قبر پیغمبرؐ کی طرف رخ کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں ۔۴۹

اسی لئے اہلسنت کے بے شمار علما اور مخصوصاً حنبلی علماء نے ابن تیمیہ کے نظریہ کو مردود جاناہے اور اس کی مخالفت کی ہے ،ملاحظہ ہو:

۱۔ ابن جُہبُل کہتے ہیں :ابن تیمیہ نے دعوی کیا ہے کہ اس نے وہی بات کہی ہے جو بات خدا، اس کے رسولؐ اور اصحاب رسول نے کہی ہے ، جب کہ اس نے ایسی باتیں کہیں ہیں جنہیں ان میں سے کسی نے بھی نہیں کہا ہے ۔۵۰

۲۔ یافعی کہتے ہیں :ابن تیمیہ کہتا ہے : "خدا عرش پر کھڑا ہے اور بات کرتا ہے" شہر دمشق اور اس کے اطراف کے علاقوں میں اعلان کردیا گیا تھا کہ جس کا بھی عقیدہ ابن تیمیہ کے جیسا ہو اس کا خون اور مال حلال ہے ، اس نے عجیب و غریب دعوے کئے جس کی بناپر اسے قید خانے میں ڈال دیا گیاکیونکہ اس کی باتیں اہلسنت کے عقائد کے مخالف تھیں۔۵۱

۴۔ ابوبکر حصینی کہتے ہیں :" وہ شخص فتنہ برپا کرنے کے لئے قرآن اور حدیث میں مشتبہات کی تلاش میں رہتا ہے اور صرف وہی لوگ اس کی تبعیت کرتے ہیں جن کو ہلاک کرنے کی خدا نے ٹھان لی ہے ،میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے کچھ ایسے کام دیکھے ہیں جنہیں بیان نہیں کرسکتا اس لئے کہ اس کی باتوں میں خدا کے انکار کو دیکھا ہے "۔۵۲

۴۔ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں :" اسے جیسے ہی یہ سمجھ میں آگیا کہ وہ مجتہد ہوگیا ہے ، اس نے گذشتہ اور موجودہ تمام مجتہدین پر اشکالات واعتراضات وارد کرنا شروع کردیا"۔۵۳

افراط (زیادہ روی) کی صدی

بارہویں صدی حقیقت میں فکری اعتبار سے زیادہ روی اور افراط کی صدی قرار پائی ، جس میں مسلمانوں کے شرک کو دوران جاہلیت کے کافروں کے شرک سے زیادہ شدید قرار دیا گیا۔۵۴ اور قتل و غارت گری اپنے اوج کو پہنچی ، ان لوگوں نے جنہیں اپنی تلواروں کا نشانہ بنایا وہ کم از کم اپنی زبان سے کلمہ شہادتین جاری کرتے تھےاور اسلام کا اظہار کرتے تھے ، جب کہ آیہ شریفہ میں مسلمان ہونے کے لئے بس اتنا ہی کافی سمجھا گیا ہے:" ولا تقولوا لمن القی الیکم السّلام لست مومنا" ۔۵۵

کیونکہ یہ گروہ ظاہر کی پیروی کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن مذکورہ آیت کے ظاہر پر عمل نہیں کرتا؟! کیا ایسی واضح و روشن آیت کے ہوتے ہوئےتوحید و شرک جیسے مسائل میں عمدی وغیر عمدی طور پر مسلمانوں کو کافر قرار دینے کی گنجائش باقی رہتی ہے؟! خداوند عالم قرآن میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے : " ومن یقتل مومنا متعمداً فجزاؤہ جھنّم خالداً فیھا وغضب اللہ علیہ و لعنہ واعدلہ عذاباً عظیماً"۵۶ جو بھی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کردے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ، خدا نے اس پر غضب کیا ہے اور اس پر لعنت بھیجی ہے اور اس کے لئے ایک خطرناک عذاب مہیا کررکھا ہے ، اس آیت کی تلاوت کے بعد جس کے دل میں ایمان ہوگا وہ تھرا جائے گا ، اس لئے کہ جہنم کی آگ سے ڈرانا وہ بھی ہمیشگی کے طور پر اور اس پر غضب یہ کہ اس عذاب کے ساتھ خدا کا قہر بھی شامل ہوگا ، یہ ایک ایسی تعبیر اور ایک ایسا عذاب ہے جو قتل نفس کے علاوہ کسی اور گناہ کے لئے بیان نہیں ہوا ہے ۔۵۷

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بدعت سے مقابلہ

امام صادق علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" اذا رأیتم اھل الریب والبدع من بعدی۔ فاظھروا البرائۃ منھم۔ واکثروا من سبھم والقول فیھم والوقیعۃ ۔ و باھتوھم کیلا یطمعوا فی الفساد فی الاسلام۔ ویحذرھم الناس ولا یتعلّموا

(یتعلمون) من بدعهم یکتب الله لکم بذلک الحسنات۔ و یرفع لکم به الدرجات فی الآخرة"۔۵۸

جب بھی میرے بعد اہل شک اور اہل بدعت سے روبرو ناتو ان سے براءت کو علنی کرنا اور زیادہ سے زیادہ بُرا بھلا کہنا (یعنی ایسی بات کہنا جس سے وہ بے آبرو ہوں اور ان کی رسوائی ہو)ان کی زیادہ سے زیادہ مذمت کرنا ، ان کی کمیوں اور عیوب کو آشکار کرنا اور ان کے خلاف اس طرح برہان و دلیل قائم کرنا کہ وہ حیران و پریشان ہوجائیں تاکہ اسلام کے خلاف فساد اور ظلم و ستم کی جرات نہ کرسکیں ، لوگ ان سے ڈریں اور دور بھاگیں اور ان کی بدعتوں کو اپنانے سے خوف کھائیں تاکہ خداوند تمہارے لئے اس ردعمل کی وجہ سے جزا لکھے اور آخرت میں تمہارا درجہ اونچا کرے۔

مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں:

" بدعت اسے کہتے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد انجام دیا جائے لیکن اس کے حق میں کوئی نص اور روایت وارد نہ ہوئی ہو اور نہ ہی کسی عموم میں شامل ہوتی ہو ، بلکہ نہی خاص یا عام میں اس کی رد موجود ہو ،لہٰذاہر وہ عمل جو عمومات میں شامل ہو جیسے مدرسوں کا تعمیر کرنا ، علمی کتابوں کو تحریر کرنا ، نئی غذاؤں کو ایجاد کرنایا ایسے لباس بنانا جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں نہیں تھے اور ایسے ہی دیگر امور جنہیں منع نہیں کیا گیا ہے ، وہ بدعت نہیں ہیں"رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"کیف انتم اذا ظهر فیکم البدع حتی یربوا فیها الصغیر و یهرم الکبیر و یسلم علیه الاعاجم و اذا ظهر البدع قیل سنة و اذا عمل بالسنة قیل بدعة، قیل و متی یا رسول الله یکون ذلک؟ قال: اذا ابتعتم الدنیا بعمل الآخرة"۔

اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے درمیان بدعتیں سر اٹھائیں گی یہاں تک کہ بچے اسی میں جوان ہوں گے اور جوان سال بوڑھے ہوجائیں گے اور عام لوگ اس میں گھل مل جائیں گے یہاں تک کہ جب کوئی بدعت سر اٹھائے گی تو کہا جائے گا وہ سنت ہے اور جب کسی سنت پر

عمل کیا جائے گا تو کہا جائے گا کہ بدعت ہے ، کسی نے سوال کیا : یا رسول اللہ! ﷺ ایسا کب ہوگا؟

فرمایا :جب تم اپنی آخرت کو دنیا کے عوض میں بیچ دو گے۔۵۹

افراط اور بدگمانی سے پرہیز

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بدعت کا مقابلہ کرنا واجب ہے لیکن اگر یہ احساس تکلیف اور وجوب زیادتی کا شکار ہوجائے تو بدگمانی میں بدل جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر نئی چیز اور ایجاد بدعت بن جاتی ہے اور آخر الامر تکفیر سے دوچار ہوجاتی ہے جب کہ یہ قرآنی آیتوں اور روایتوں کے خلاف ہے اس لئے کہ دوسروں کے متعلق بدگمانی سے منع کیا گیا ہے ، قرآن کریم میں وارد ہوا ہے: " ولاتقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد کل کان عنہ مسؤولا" ۶۰

امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت امیر المؤمنین علیؑ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" ضع امر اخیک علی احسنہ یاتیک منہ مایغلبک ولا تظنن بکلمۃ خرجت من اخیک سوءا وانت تجد لھا فی الخیر محملاً۔۔۔"۶۱

تم نے اپنے دینی بھائی سے جو کچھ گفتار و کردار سے متعلق مشاہدہ کیا ہے اسے بہترین صورت اور اچھائی پر حمل کرو اگرچہ وہ بظاہر ویسا نہ ہو اور ہرگز اس کی ٹوہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ تمہیں کوئی قوی دلیل مل جائے جس کے بعد تم تاویل وتوجیہ نہ کرسکو اور اگر وہ کوئی ایسی بات کہے جو دو پہلو ہو تو تم پر واجب ہے کہ اس کی بات کو بہترین صورت پر حمل کرو۔

خوارج نے حکمیت کے مسئلہ میں (معاذ للہ) امام علی علیہ السلام کو کافر قرار دیا اور اپنے اس عقیدے کو مذہبی رنگ دیا یہاں تک کہ وہ ایک مستقل فرقہ بن گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی پہچان وحشی پن اور تنگ نظری بن گئی۔

جب تک عقیدے کے اظہار کا مسئلہ تھا ، امام علی علیہ السلام نے کوئی اعتراض نہیں کیا ، اور ان کی جانب سے کفر کی تہمت پر کوئی عکس العمل نہیں دکھایا یہاں تک کہ بیت المال سے ان کے حقوق کو بھی بند نہیں کیا لیکن جیسے ہی ان لوگوں نے بغاوت کی اور میدان جنگ میں اتر

آئے تو فوراً ان سے مقابلہ کا فرمان جاری کیا یہاں تک کہ مقام نہروان میں لشکر امام اور خوارج کے درمیان گھمسان کا رن پڑا اور آپؑ نے انہیں بہت بری شکست دی۔

۴۔ استعمار اور تفرقہ

اسلام میں اختلاف سے نفرت اور وحدت کی ترغیب

تفرقہ اور اختلاف، نفرت انگیز اور ناپسندیدہ امر ہے جب کہ وحدت اور محبت، اسلامی نظر میں ایک پسندیدہ امر ہے ،اسلام محبت اور یکجہتی کا مذہب ہے لیکن دشمنوں کے پروپیگنڈوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج جب بھی کوئی وحدت اور یکجہتی کی بات کرتا ہے تواسے کفر سے متہم کیا جاتا ہے اور بڑے عجیب انداز میں سوال کرتا ہے؛ اسلامی وحدت کیا ہے ؟!جب کہ حضرت علی علیہ السلام اسلامی وحدت کو برقرار رکھنے کی خاطر شہید ہوئےاورکیا تاریخ میں آپ سے بڑھ کر کوئی ہے جس نے آپ سے زیادہ وحدت اور یکجہتی کے لئے سعی و کوشش کی ہو؟

استاد مطہریؒ فرماتے ہیں؛ میں نے اپنے کانوں سے ایک شخص کو منبر سے کہتے ہوئے سنا کہ "الحمد للہ میں اول جوانی سے اسلامی وحدت کا مخالف رہا ہوں!"(خدا تمہارے جیسوں کو بڑھنے نہ دے) ۶۲ کیونکہ خدا قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

"واعتصموا بحبل لله جميعاً ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداءاً فألف بين قلوبكم"۶۳

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔

"ولاتكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاءَهم البينات"۶۴

اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جنہوں نے تفرقہ پیدا کیا اور واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا۔

"ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم"۶۵ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ اور تمہاری ہوا بگڑ جائے۔

جس جماعت اور گروہ میں یکجہتی نہ ہو وہ کمزور پڑ جاتا ہے اور ایک اسلامی سماج میں جو سکون کی سانس میسر ہونی چاہئے ، ایسے نفرتوں سے بھرے سماج میں میسر نہیں ہوسکتی، امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنی عمر کے آخری ایام میں کچھ وصیتیں فرمائی تھیں جو بیس بند پر مشتمل ہیں ، ان میں سے ایک بند وحدت اور یکجہتی سے متعلق بھی ہے ۔

تفرقہ اور تکفیر استعمار کا سب سے بڑا ہتھیار

تفرقہ اور تکفیر دشمنان اسلام اور استعمار کا سب سے خطرناک ہتھیار ہے ، صلیبی جنگوں میں مسلمانوں نے عیسائیوں سے لڑنے میں دو سو سال ضرور گنوائے لیکن عیسائیوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

استعمار نے اسلام اور مسلمانوں کی قدرت سے مقابلہ کرنے کے لئے مختلف راستے اپنائے جیسے : فوجی ، ثقافتی اور علمی حملے کئے مگر کامیاب نہ ہوسکا لیکن جب اختلاف اور تفرقہ کا سہارا لیا تو کامیاب ہوگیا، تکفیر اور تفرقہ کے سہارے اپنی آرزوؤں کو پہنچا یہاں تک کہ تمام اسلامی مذاہب ایک دوسرے کے مد مقابل کھڑے ہوگئے۔

استعمار نے اپنے فائدہ کو بڑھانے اور اسے محفوظ کرنے کے لئے ہمیشہ حکومتوں اور قوموں کو ایک دوسرے کے خلاف اکسایا ہے ،اس مہم میں استعمار کا سب سے بڑا ہتھیار تکفیر ہے اسی وجہ سے اسلامی سماج میں تکفیر نامی کینسر کے وجود کی سب سے بڑی وجہ اور اصلی عامل استعمار اور دشمنان اسلام ہیں ۔

آج کے دور میں بیگانوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی کمزوری اور اسلامی ممالک کے درمیان کینسر کے طور پر اسرائیل کا وجود اسی شجرہ خبیثہ اور منحوس درخت کا کڑوا پھل ہے ۔

ان لوگوں نے مذہب کو مذہب کے خلاف اور اسلام کو خود اسلام کے خلاف استعمال کیا ، عوام کو علماء سے متنفر کرکے اور جاہل عوام پر مذہبی جذبات کی چادر ڈال کر انہیں اپنے اہداف کو پانے کی راہ میں استعمال کیا، یہ ایک ایسا حربہ تھا جس میں لشکر کشی اور جانی و مالی نقصان اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑی۔

ایسے حالات میں بدگمانی اور تہمتوں کا بازار گرم ہوجاتا ہے اوروہ اسلامی سماج کے لئے اس طرح ناسور بن جاتا ہے کہ اس کا علاج بہت مشکل ہے اس لئے کہ ایسے حالات میں جاہل عوام دینی فریضہ سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کے خلاف اس طرح کے اقدامات انجام دیتے ہیں۔

سید جمال اسد آبادی کی آگاہی

سید جمال مسلمانوں کو بیدار کرتے ہوئے کہتے ہیں :کہ "صلیبی روح" بھی مغربی ممالک میں مخصوصاً انگلینڈ میں زندہ اور شعلہ ور ہے مغربی ممالک اگرچہ آزادی اور تعصب کی مذمت کرتے ہیں (لیکن مسلمانوں کے خلاف) وہ سخت تعصب کے شکار ہیں۔

مغربی ممالک اور مغرب زدہ لوگ اگرچہ تعصب کی مذمت کرتے ہیں لیکن سید جمال کے دعوے کے مطابق تعصب ہمیشہ اور ہر اعتبار سے بُرا نہیں ہے بلکہ ہر چیز کی طرح اس میں افراط و تفریط اور میانہ روی کا راستہ ہے ،انسان تعصب میں افراط اور زیادتی کی وجہ سے اندھا اور بے منطق ہوجاتاہےجس کی بناپر تعصب کی یہ قسم بہت بُری ہے،لیکن اگر یہی تعصب غیرت اور اپنے عقیدے کی معقول ومنطقی حمایت میں ہو تو نہ تنہا برا نہیں بلکہ بہت اچھا اور مستحسن بھی ہے۔

مغربی ممالک کے متعلق سید جمال کی دور اندیش نگاہ اور روشن فکری تقریباً ۵۰ سال بعد کھل کر سامنے آگئی اور ان کی بات سچ نکلی ، اس لئے کہ جب یورپین فوج کے یہودی کمانڈر نے عرب اور اسرائیل کی پہلی جنگ میں فلسطین کو مسلمانوں سے چھین کر صیہونیز اسرائیل کے حوالہ کردیااور اسرائیلی حکومت کا تواس نے کہا : " اب صلیبی جنگ کا خاتمہ ہوا ہے "۔

اسلامی ممالک میں قوم پرستی یعنی"nationalism"جس کی مختلف تصویریں ان ناموں کے قالب میں نظر آئیں "panarabismus" "panhindoismum"،"pan Turkism"، "paniranists" اسلامی دشمنوں کی جانب سے زبردست تبلیغ ہوئی اور ہر طرف قوم پرستی اور مذہب پرستی کو ہوا دی گئی ،شیعہ سنی جھگڑوں اور اختلافات میں شدت بخشی گئی اور اسلامی ممالک کو چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی ، یہ سارے اقدامات اسلامی وحدت اور یکجہتی کو ختم کرنے کے لئے انجام دیئے گئے اور اب بھی دشمنوں کی کوششیں جاری ہیں ۔۶۶

دوسری فصل

تکفیر سے نجات کا راستہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و سنت پر عمل کرتے ہوئے کلمہ شہادتین پڑھنے والوں کی تکفیر نہ کرنا تکفیر سے سے چھٹکارے کے لئے بہترین راستہ ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے شمار روایتیں وارد ہوئی ہیں جن میں آنحضرت نے کلمہ شہادتین پڑھنے والوں کو کافر نہ کہنے کی تاکید فرمائی ہے ،ہم ان میں سے بعض حدیثوں کی طرف اشارہ کررہے ہیں؛

۱۔ سنن ابو داؤد میں وارد ہے:

"بنی الاسلام علی خصال؛ شهادة ان لا اله الا الله وان محمّدا رسول الله والاقرار بما جاء من عند الله والجهاد ماض منذ بعث رسله الی آخر عصابة تکون من المسلمین۔۔۔ فلا تکفروهم بذنب و لا تشهدوا علیهم بشرک "۶۷

اسلام کی بنیاد چند خصلتوں پر قائم ہے ؛ خدا کی وحدانیت کی گواہی (لا الہ الا اللہ) ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی ، ان چیزوں پر ایمان لانا جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اور جہاد پر اس عنوان سے ایمان رکھنا کہ انبیاء علیہم السلام کی ابتدائے بعثت سے مسلمانوں کی آخری جماعتوں اور گروہوں تک کے لئے جاری و نافذ ہے ،لہٰذا جس کا بھی عقیدہ ایسا ہو اور وہ ان باتوں پر ایمان رکھتا ہواسے اس کے گناہوں کی وجہ سے کافر نہ کہواور مشرک قرار نہ دو۔

۲۔ ابوداؤد نافع سے اور وہ ابن عمر سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

" پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ایما رجل مسلم اکفر رجلا مسلما فان کان کافرا والا کان هو الکافر"۶۸

جب بھی کوئی مسلمان اپنے دینی بھائی کو کافر کہتا ہے تو اگر وہ کافر ہے تو کوئی بات نہیں وگرنہ کہنے والا کافر ہوگا۔

۳۔ مسلم ، نافع سے اور وہ ابن عمر سے نقل کرتے ہیں:

" پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :اذاکفّرالرجل اخاہ، فقدباء بھااحدھما"۶۹ جب بھی ایک مسلمان کوئی اپنے دینی بھائی کو کافر کہتا ہے تو اس نسبت کا گناہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے سر پر ہوتا ہے۔

۴۔ مسلم، عبد اللہ بن دینار اور وہ ابن عمر سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ایماامرء قال لاخیہ یاکافر، فقدباء بھااحدھما، ان کان کماقال، والا رجعت علیہ"۷۰

جب بھی ایک شخص اپنے دینی بھائی کو کافر کہتاہے تو اس نسبت کا گناہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے سر پر ہوتا ہے، اگر کہنے والے نے سچ کہا ہے تو کوئی بات نہیں وگرنہ خود اسی کے سرپر ہوتا ہے۔

۵۔ ترمذی اپنی سنن میں نائب بن ضحاک سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا:

"لیس علی العبد نذر فیما لا یملک ولا عن المومن کقاتلہ ومن قذف مومنا بکفر، فھو کقاتلہ"۷۱

کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے مال میں نذر کرے اور مومن کو لعنت کرنے والا اس کے قاتل کے جیسا ہوتا ہے اور جو بھی کسی مومن کی طرف کفر کی نسبت دے گویا وہ ایسا ہے کہ اس نے بندہ مومن کو قتل کردیا ہے۔

۶۔ ابو داؤد، اسامہ بن زید سے نقل کرتے ہیں؛

" پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سرزمین حرقات کی جانب ایک جنگ کے لئے روانہ فرمایا، ہم لشکر کے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب دشمن کو شکست ہوگئی اور وہ بھاگنے لگے تو ہم نے ان میں سے ایک کو زندہ گرفتار کرلیا، اس نے فوراً اپنی زبان پر کلمہ شہادتین جاری کردیا، لیکن ہم نے اسے اتنا مارا کہ وہ مرگیا، جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا :" تم لوگ قیامت کے دن" لاالہ الااللہ " کے سامنے کیونکر روبرو ہوگے؟ میں نے کہا : یارسول اللہ؟ اس نے اپنی زبان پر کلمہ شہادتین تلوار اور موت کے ڈر سے جاری کیا تھا، آپ نے فرمایا :کیا تمہیں اس کے دل کا حال معلوم تھا کہ اس نے موت کے خوف سے اپنی زبان پر کلمہ شہادتین جاری کیا ہے ؟! ۷۲

قرآن کریم میں وارد ہوا ہے:

"جو بھی حق کے آشکار ہونے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستے کی پیروی کرے تو وہ گمراہ اور جہنمی ہے۔

ایک دوسری آیت میں وارد ہے:

" ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ۔۔۔" ۷۳

تکفیریوں کے افراطی اعتراضات

عقیدے کی دنیا میں زیادہ تر مسائل اور اعتراضات اور ایک دوسرے کی تکفیر کا تعلق ان چیزوں سے نہیں ہے جنہیں آنحضرتؐ نے ایک فرد مسلمان سے مانگا ہے، پیغمبر اکرم ﷺ نے صرف کلمہ شہادتین مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھا ہے، اس کے علاوہ بقیہ مسائل جیسے؛ ۱۔ خدا کے صفات عین ذات ہے یا زائد برذات ہے؟ ۲۔قرآن حادث ہے یا قدیم؟ ۳۔ بندوں کے افعال، خدا کی مخلوقات ہیں یا نہیں؟ ۴۔قرآن کریم میں بیان ہونے والی صفات خبری جیسے ہاتھ، صورت، کیا ایسے صفات ظاہر پر حمل ہوں گے یا ان کی تاویل کی جائے گی؟ ۵۔ کیا آخرت میں خدا کو دیکھنا ممکن ہوگا یا نہیں؟ ۶۔انبیاء علیہم السلام کی عصمت بعثت سے پہلے ہے یا اس کے بعد بھی ہے؟ ۷۴

امیر المومنین علی علیہ السلام کا مخالفین کے ساتھ طرز عمل

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جنگ میں اپنے دشمنوں کو ہمیشہ ظالم اور ستمگار کے عنوان سے جانا ہے لیکن ہرگز انہیں کافر قرار نہیں دیا، امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد بزرگوار سے نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام مقابل میں آنے والے دشمنوں کے سلسلہ میں فرمایا کرتے تھے:

" انا لم نقاتلھم علی التکفیر لھم ولم نقاتلھم علی التکفیر لنا ولکنا راینا انا علیٰ حق و رأوا انھم علیٰ حق"۔ ہم ان سے ان کے کفر کی وجہ سے جنگ نہیں کررہے ہیں اور نہ ہی وہ لوگ ہم سے ہمارے کفر کی وجہ سے جنگ کررہے ہیں بلکہ اپنے آپ کو ہم نے حق پر پایا اور ان لوگوں نے

بھی اپنے آپ کو حق پر دیکھا ہے ۔یعنی آپ نے ہر گز اپنے دشمنوں کو کافر نہیں کہا بلکہ انہیں گنہگار اور خطاکار کہا ہے ۔۷۵

" ان علیا لم یکن ینسب احدا من اھل حربہ الی الشرک ولا الی النفاق ولکنہ کان یقول ھم اخواننا بَغَوا علینا" ۷۶

حضرت علی علیہ السلام اپنے مد مقابل دشمنوں کی طرف ہر گز شرک کی نسبت نہیں دیتے تھے اور نہ ہی انہیں منافق خطاب کرتے تھے،بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ لوگ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے ۔یعنی آ پؑ ہر گز انہیں کافر اورمشرک نہیں کہتے بلکہ انہیں ستمگار سمجھتے تھے۔

تکفیر کے سلسلہ میں شیعہ سنی علماء کے نظریات اور اس کا راہ حل

تکفیر؛ یعنی ان چیزوں پر ایمان نہ رکھنا جن پر ایمان لانا ضروری ہے چاہے وہ تفصیلی ایمان ہو یعنی توحید، نبوت اور قیامت پر ایمان لانا چاہے اجمالی ایمان ہو یعنی ضروریات دین پر ایمان رکھنا۔

فاضل مقداد ، ابن میثم بحرانی اور قاضی ایجی کہتے ہیں:" کفر ایمان کی ضد ہے یعنی ان چیزوں کی تصدیق نہ کرنا جسے آنحضرتؐ اپنے ساتھ لائے : "الکفر اصطلاحا ھو انکار ما علم ضرورۃ مجیی الرسول(ص) بہ و۔۔۔"۷۷

علامہ طباطبائی کفر کے مصادیق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :" کافر وہ شخص ہے جو الوہیت ، توحید ، رسالت اور ضروریات دین کا انکار کرے"۷۸

کفر کے اسباب

فریقین کے علماء کی تعریفوں کے پیش نظر تین چیزیں کفر کا باعث ہوتی ہیں:

ا۔ اس چیز کا انکار جس پر ایمان لانا واجب ہے ، جیسے خالقیت، توحید (ذاتی ،فعلی اور عبادی) رسالت و قیامت۔۷۹

کفر کے اسباب

اگر فریقین کے علماء کی تعریفوں کا خلاصہ کیا جائے تو تین چیزیں کفر کا باعث ہوں گی:

اول: اس چیز انکار جس پر ایمان لانا واجب ہے: جیسے توحید ذاتی، فعلی اور عبادی، خدا کا خالق ہونا، رسالت اور قیامت۔ دوم: اسلام کے ان ارکان اور فروعات کا انکار کرنا جو دین کا جزء شمار ہوتے ہیں۔ جب امام صادق علیہ السلام سے سوال ہوا کہ اگر کوئی شخص گناہ کبیرہ کے ساتھ مرے تو کیا اس کی موت مشرکوں کے جیسی ہوگی؟ امامؑ نے جواب دیا: اگر اس نے گناہ کبیرہ اس عنوان سے انجام دیا ہے کہ وہ حلال ہے تو وہ دین سے خارج ہے اور دردناک عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ اسے گناہ سمجھتے ہوئے انجام دے تو وہ دین سے خارج نہ ہوگا اور ہلکے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ ۸۰

سوم: ضروریات دین میں سے اس چیز کا انکار کرنا جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ دین کا جزء ہے۔

اہل قبلہ کی عدم تکفیر پر اجماع

علامہ محمد احمد مشہور کہتے ہیں:

"علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جاسکتا؛۔۔۔جو چیزیں ضروریات دین کا حصہ شمار کی جاتی ہیں وہ عبارت ہیں؛ توحید، نبوت، خاتمیت، آنحضرتؐ کی رسالت، قیامت، حساب، جزا، جنت اور جہنم، لہٰذا جو بھی ان چیزوں کا انکار کرے تو وہ کفر ہوگا۔

جب حضرت علی علیہ السلام سے دشمنوں کے سلسلہ میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ لوگ کافر ہیں تو آپ نے فرمایا: نہیں، وہ کفر سے بیزار ہیں، اس کے بعد سوال کیا گیا کہ کیا وہ لوگ منافق ہیں؟ فرمایا: نہیں، اس لئے کہ منافق بہت کم خدا کو یاد کرتے ہیں، جب کہ یہ لوگ خدا کو بہت یاد کرتے ہیں، پھر سوال ہوا: پس یہ لوگ کون ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو فتنہ کی وجہ سے اندھے اور بہرے ہوگئے ہیں۔ ۸۱

علّامہ سیف الدین آمادی کہتے ہیں: "جو بھی جسم (مادہ) اور غیر خدا کو خدا کہے وہ کافر ہے۔ شاید وہ لوگ جو جناب عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں کافر ہوں؛ اس لئے کہ وہ بھی جسم (مادہ) ہیں (لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم) لیکن مسلمانوں کو ایسے کفر سے متہم نہیں کیا جاسکتا ۸۲

واجبات کو انجام دینا دین نہیں ہے بلکہ واجبات کی تصدیق کرنا دین ہے: (ذلک دین القیمۃ) ان آیتوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو دلالت کرسکے کہ نماز قائم کرنا اور زکات دینا

دین ہے ، دین اور دینی افعال میں بڑا فرق ہے ، قرآن کریم میں وارد ہوا ہے: " وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدّین" اس کے بعد فرمایا : " حنفاء ویقیموا الصلاۃ ویوتوا الزکاۃ" تو معلوم ہوا کہ دین اور اس کے واجبات میں فرق ہے۔۸۳

مذکور عالم دین اور فریقین کے دیگر علماء کی نظر میں افعال اور فرعی احکام میں خطا کفر کا باعث نہیں ہوتا بشرطیکہ اس کا تعلق دین کے ضروریات میں سے نہ ہو۔

آیۃ اللہ سبحانی فرماتے ہیں : " اذا تعرفت علی ما یخرج الانسان من الایمان ویدخلہ فی الکفر یعلم انہ لا یصح تکفیر فرقۃ من الفرق الاسلامیۃ مادامت تعترف بالشھادتین ولا تنکر ما یعد من ضروریات الدین۔۔۔" اس حقیقت کے جاننے کے بعد کہ ایمان اور کفر کی حدیں کیا ہیں، اسلامی فرقوں میں سے کسی بھی فرقے کے ماننے والے کو جب تک کہ وہ ضروریات دین کا انکار نہیں کرتا اور اپنی زبان پر کلمہ شہادتین جاری کررہا ہے، تکفیر نہیں کی جاسکتی ، لیکن بڑے افسوس کا مقام ہے کہ صدیوں سے شبہات ، مجہولات اور مذہبی تعصب کے نام پر ایک دوسرے کی تکفیر ہوتی چلی آرہی ہے جب کہ کتاب و سنت اور اجماع کی روسے کسی کو کافر قرار دینا حرام ہے ۔

توجب سارے مسلمان خدا کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کے قائل ہیں تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اس سلسلہ میں دینی اور ایمانی تقاضوں کی مراعات کریں اور جو مسائل مختلف فرقوں کے درمیان اختلاف کا باعث ہیں انہیں بہانہ بناکر کسی کی تکفیر نہ کریں۔

لہٰذا اسلامی قوانین کی رو سے اہل قبلہ جو اپنی زبان پر کلمہ شہادتین جاری کررہے ہیں انہیں کفر و شرک سے متہم نہیں کیا جاسکتا بلکہ ایسی تہمت لگانا بھی جرم ہے جیسا کہ فریقین کے علماء جیسے ابن حزم جنہوں نے اس بات کو بڑی تاکید سے بیان کیا ہے ۔

شیخ الاسلام تقی الدین السبکی کہتے ہیں : مومنین کو کافر کہنا بہت دشوار امر ہے ، جس شخص کے دل میں ایمان ہو اور خدا کی وحدانیت کے ساتھ آنحضرتؐ کی رسالت کا اقرار کرتا ہو اسے کافر کہنا بہت خطرناک کام ہے۔۸۴

احمد بن زاہر سرخسی اشعری کہتے ہیں : " شیخ ابو الحسن اشعری نے اپنی وفات سے پہلے مجھے حکم دیا تاکہ میں ان کے چاہنے والوں کو جمع کروں ، اور جب سب اکٹھا ہوگئے تو آپ نے فرمایا :

تم لوگ گواہ رہنا کہ میں نے اہل قبلہ میں سے کسی بھی فرد کو اس کے گناہوں کی وجہ سے نہ ہی تکفیر کی ہے اور نہ ہی اسے کافر کہا ہے اس لئے کہ وہ سب ایک خدا کے ماننے والے اور مسلمان ہیں"۔۸۵

قاضی ایجی نے بھی اس بات پر زور دیا ہے : متکلمین اور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ " اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جاسکتا" ،"اختلافی مسائل جیسے ؛ کیا خدا اپنے علم سے باخبر ہے یا وہ اپنے بندوں کے افعال کا بھی خالق ہے ۔۔۔یہ وہ مسائل ہیں جن کے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، اصحاب اور تابعین نے ہرگز بحث نہیں کی ، ایسے مسائل تکفیر کا باعث اور کسی کے مسلمان ہونے کی راہ میں خلل وارد نہیں کرسکتے۔۸۶

اشعریوں کے عظیم عالم دین غزالی کہتے ہیں:" تکفیر سے دور رہنا چاہئے ، اہل قبلہ جو کلمہ شہادتین کی گواہی دیتے ہیں ان کی جان و مال کو مباح کرنا ایک ایسا گناہ ہے جو ہزار کافر کے گناہ سے چشم پوشی کرنا آسان ہے لیکن ایک مسلمان کا خون بہانا بہت سخت ہے ، اس کے بعد آنحضرتؐ کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا:

" امرت ان اقاتل النّاس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمّد رسول اللہ ، فاذا قالوھا فقد عصموا منی دمائھم واموالھم الا بحقھا"

مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اسی وقت تک لوگوں سے جنگ کروں جب تک کہ وہ کلمہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار نہیں کرلیتے اس لیے جیسے ہی انہوں نے اقرار کرلیا ان کے خون اور مال امان میں ہیں مگر یہ کہ ایسا کرنا (جنگ و قتل) برحق ہو۔

غزالی کی نظر میں بہت سے تکفیری احکام تعصب کی وجہ سے صادر ہوئے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ تاویل میں خطا کسی کے کفر کا باعث نہیں ہوسکتی بلکہ تکفیر کے لئے ایک محکم دلیل کی ضرورت ہے ، اس کے بعد کہتے ہیں : " توحید کا اقرار کفر سے دوری کی علامت ہے اور کسی کے اقرار کے انکار کے لئے محکم دلیل کی ضرورت ہے ، اس کے بعد اپنے کلام کے آخر میں کہتے ہیں:

" وھذا القدر کاف فی التنبیہ علی ان اسراف من بالغ فی التکفیر لیس عن برھان فان البرھان اما اصل او قیاس علی اصل ، والاصل ھو التکذیب الصریح و من لیس بمکذب فلیس فی معنی الکذب اصلا

فیبقی تحت عموم العصمة بکلمة الشهادة۔" غزالی کے یہ جملات تکفیری گروہ کے فتووں کی زبردست رد ہے۔۸۷

مذہب امامیہ پر ابن تیمیہ کی تہمتیں

دین میں نادانی اور خود غرضی بہت سی خطاؤں کا باعث بنی ہے لیکن ابن تیمیہ جیسے شخص پر بڑا افسوس ہے جسے شیخ اور ایک بزرگ عالم دین کا لقب دیا جاتا ہے یہ جناب مذہب امامیہ کو ایسے امور سے متہم کرتے ہیں جن کا غلط اور باطل ہونا اظہر من الشّمس ہے ، یقینا کینہ اور دشمنی انصاف کی دشمن ہے ، کیونکر ممکن ہے کہ یزید تو دینی ذمہ داری پر عمل کرے اور امام حسین علیہ السلام جو فرزند رسولؐ ہیں وہ اپنی ذمہ داریوں پر عمل نہ کریں؟! کیونکر معاویہ کی مخالفت اسلامی حکمراں ہونے کی حیثیت سے کفر کا باعث قرار پائے لیکن حضرت علی علیہ السلام سے مخالفت کرنے میں کوئی حرج نہ ہو؟! ابن تیمیہ کی تہمتوں میں سے ہے کہ امامیہ کے نزدیک اصول دین صرف چار ہیں؛

" اصول الدین عند الامامیة اربعة ؛ التوحید والعدل والنبوة والامامة هی آخر المراتب، والتوحید والعدل والنبوة قبل ذالک ، وهم یدخلون فی التوحید نفی الصفات ، والقول بانّ القرآن مخلوقٌ ، وانّ الله لایُری فی الآخرة ویدخلون فی العدل التکذیب بالقدرة وان الله لا یقدر ان یهدی من یشاء ، ولا یقدر ان یضل من یشاء ، وانه قد یشاء ما لایکون ویکون ما لایشاء ، وغیر ذلک فلا یقولون : انه خالق کل شئ ولا انه علی کل شئ قدیر، ولا انه ماشاء الله کان ومالم یشاء لم یکن "۔۸۸

امامیہ کے نزدیک اصول دین چار ہیں؛ توحید ، عدل ، نبوت اور امامت ، امامت سب سے آخر میں ہے اور توحید ، عدل اور نبوت اس سے پہلے ہیں ، یہ لوگ توحید میں نفی صفات کو شامل کرتے ہیں ، ان کا عقیدہ ہے کہ قرآن مخلوق ہے اور قیامت کے دن خدا دکھائی نہیں دے گا۔ اور عدل میں قدرت کی تکذیب کو شامل کرتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ خدا جسے چاہے اس کی ہدایت پر قدرت نہیں رکھتا اور جسے چاہے اسے گمراہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور جس چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے وہ ہوتی نہیں ہے اور وہ چیزیں ہوجاتی ہیں جس کا اس نے ارادہ نہیں کیا ہے، اسی طرح کی دیگر باتیں۔ اور ان کا عقیدہ اس بات پر نہیں ہے ؛ کہ خداوند ہر

شے کا خالق ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور ان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ خدا جو چاہے وہ ہو جائے اور جو نہ چاہے وہ نہ ہو۔

علّامہ امینی کا جواب

اس شخص کی جہالت کس قدر زیادہ ہے کہ اسے اصول دین اور اصول مذہب کا فرق نہیں معلوم ، یہی وجہ ہے کہ اسے اپنے علاوہ دوسروں کے عقیدے کی خبر نہیں ہے،اس نے اصول میں سے قیامت کو شمار نہیں کیا"بلغ من جهل الرجل انه لم يفرق بين اصول الدين و اصول المذاهب فيعد الامامة التي هي من تالي القسمين في الاول، وانه لا يعرف عقائد قوم هو يبحث عنها و لذلك اسقط المعاد من اصول الدين و لا يختلف من الشيعة اثنان في عدة منها على ان احدا لو عد الامامة من اصول الدين ۔۔اگر کوئی امامت کو اصول دین کا حصہ سمجھے تو یہ ادّعیٰ بغیر دلیل کے نہیں ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں خداوند عالم نے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کو رسول اللہ ﷺ کی ولایت سے جوڑ دیا ہے : (انّما وليكم الله ورسوله و الذين آمنوا۔۔۔)۸۹ لیکن قیامت کو اصول کا حصہ نہ سمجھنا۔۔۔؟!۹۰

نتیجہ

اسلامی اصول سے جہالت ،زیادتی اور شدت پسندی ، استعمار کی سیاست اور ان کی حمایت کی وجہ سے آج مسلمان تکفیر جیسی مصیبت میں مبتلا ہوگئے ہیں لہٰذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس مصیبت سے چھٹکارے کے لئے اپنی پوری کوشش کریں۔

اگر آج کے دور میں تکفیریوں نے کھلم کھلا مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیا ہے اور قتل عام کے لئے اسلام اور احکام اسلامی کے نفاذ کو بہانہ بنا رکھا ہے تو یہ جرأت ہم مسلمانوں کے اختلاف اور تفرقے کی وجہ سے ان میں پیدا ہوئی ہے ۔

اگر اعتراضات کا دروازہ بند ہوجائے اور تکفیر کے فتووں کا سلسلہ منقطع کردیا جائے،اسلامی سماج کے فاصلوں کو ختم اور فریقین کے علماء کی دشمنی کو دوستی میں بدل دیا جائے تو ایسا کرنے سے داخلی اور خارجی دشمنوں کی امیدیں ناکام اور اسلام تکفیریوں سے اپنے سارے حساب و کتاب برابر کرسکتا ہے ۔

کیا وہ باتیں جنہیں اس وقت تکفیریوں نے بہانہ بنالیا ہے اور ان کی وجہ سے مسلمانوں پر کفر و شرک کی تہمت لگا رہے ہیں ، کیا یہ سب کچھ کتاب و سنت سے اخذ کیا ہے اور دین کا راستہ وہی ہے جو وہ تکفیری گروہ دکھا رہا ہے ؟

اگر اسلامی منابع میں تھوڑا بہت جستجو کیا جائے تو اس بات کے خلاف سیکڑوں شواہد ہوں گے ، اسلام محبت و عطوفت کا دین ہے اور اس کی شریعت، آسانیوں پر استوار ہے ، جس میں انسانوں کو زبانی طور پر کلمہ شہادتین کی گواہی کے بعد قبول کرلیا جاتا ہے ، یہ وہ چیز ہے جو آیات و روایات اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت و سنت او ر فریقین کے علماء کے فتوں سے ثابت ہے ۔

" وانّ ھٰذا صراطی مستقیماً فاتّبعوہ ولا تتبعوا السّبل فتفرّق بکم عن سبیلہ"۹۱

خداوند عالم نے ہم سب کو ایک راستے اور صراط مستقیم کی جانب دعوت دی ہے اور سب کو گمراہی کے راستے پر جانے سے روک دیا ہے اور جن لوگوں نے اپنے عقیدوں کو برباد اور دین کو گمراہی کے راستے پر ڈال دیا ہے ، ان سے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کو دور اور خود ان سے حساب و کتاب لینے کے لئے اقدام کرے گا۔"ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شئ"۹۲ جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہم سب کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری نجات کا راستہ وحدت اور حبل الٰہی سے تمسک ہے ، بے شمار آیتیں اور روایتیں محبت و الفت اور وحدت و یکجہتی کی طرف دعوت دیتی ہیں اور ہر ایک کو تہمت و تکفیر اور فسق و فجور سے دور رہنے کا حکم دیتی ہیں:

" واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا ، و اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعدآءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا و کنتم علی شفا حفرۃ من النّار فانقذکم منھا کذلک یُبیّن اللہ لکم آیاتہ لعلکم تھتدون۔"۹۳

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی تو

تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم جہنم کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں نکال لیا اور اللہ اسی طرح اپنی آیتیں بیان کرتا ہے کہ شاید تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔

ایک اسلامی سماج اسے کہتے ہیں جس میں وحدت اور یکجہتی ہر طرف موجزن ہو اور ہر گز اسلامی بھائی چارگی پر رنگ و نسل اور ذات پات کا فرق غالب نہ آنے پائےاور ہماری معنویت اور ثقافت کو ٹھیس نہ پہنچے اور اس سماج میں جینے والے مسلمان زمانہ شناس ہونے کے ساتھ ہر قسم کے ظلم و ستم اور جبر و تشدد سے آزاد ہوں ، مغربی ثقافت کو اسلامی تہذیب سے نزدیک نہ ہونے دیں اور عزت و شرافت کے ساتھ زندگی گزاریں اور ہر گز ظلم وستم کے سایہ میں نہ جائیں۔[۹۴]

ان الاسلام یوکد علی وحدۃ المسلمین والتمسک بالعروۃ الوثقیٰ و نبذ کل ما یھدم ھذہ الوحدۃ من التھم والظنون او التکفیر والتفسیق و یراھا امرا ضروریا للمسلمین ، و تری الترغیب فی الالفۃ والوحدۃ اذا تدبرت معانی الآیات النازلۃ فی ھذا المجال حیث قال سبحانہ :

جب انسان انصاف کی نگاہ ذیل کی آیتوں پر ڈالے گا اور غور و فکر کرے گا تو اسی نتیجہ پر پہنچے گا جو خدا نے بتانا چاہا ہے:

۱۔ انما المؤمنون اخوۃ "[۹۵]

۲۔ والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض[۹۶]

۳۔ محمّد رسول اللہ والّذین معہ اشدّاء علی الکفّار رحمآء بینھم [۹۷]

۴۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا[۹۸]

۵۔ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینات و اولئک لھم عذاب عظیم[۹۹]

۶۔ ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شیء انما امرھم الی اللہ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون [۱۰۰]

۷۔ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ [۱۰۱]

۸۔ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ [۱۰۲]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں بھی اتحاد و وحدت کی بہت تاکید ہوئی ہے اور اختلافات سے دوری کا حکم دیا گیا ہے، آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

"لا تدخلون الجنة حتی تومنوا، ولا تومنون حتی تحابوا أولا ادلکم علی شئ اذا فعلتموه تحابیتم افشوا السلام بینکم"[۱۰۳]

حوالے:

۱۔ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۵۰۔۲۵۲
۲۔شرح نہج البلاغہ، ج ۸، ص ۱۱۳
۳۔وسائل الشیعہ، ج ۲۸ص۲۴۸
۴۔سلفی گری و وہابیت، ج ۱، ص ۳۱
۵۔سابق حوالہ، ص ۳۳۳۔۳۵۰
۶۔نہج البلاغہ، کلمات قصار ۱۱۷
۷۔ وہابیت بر سر دوراہی، ص ۱۰و۱۴۱
۸۔ شہر کرمانشاہ کے علماء کے درمیان ہونے والی تقریر ۲۰/۷/۹۰
۹۔مفردات راغب، ص ۶۸۳۔۶۸۶
۱۰۔سورۂ بقرہ، آیت ۶
۱۱۔سورۂ انفال، آیت ۵۶
۱۲۔سورۂ نساء، آیت ۱۵۰
۱۳۔سورۂ بقرہ، آیت ۸۹
۱۴۔سورۂ بقرہ، آیت ۶۱
۱۵۔سورۂ آل عمران، آیت ۴
۱۶۔سورۂ نساء، آیت ۱۳۶
۱۷۔ سورۂ کہف، آیت ۱۰۵
۱۸۔سورۂ غافر، آیت ۴۲
۱۹۔سورۂ غافر، آیت ۱۲
۲۰۔مرتضی مطہری، مجموعہ آثار، ج ۱۵، ص ۹۹۷

۲۱۔ پھر تم لوگ لوگوں میں سے زیادہ برے ہو اور وہ ہو جن کی کمانوں میں شیطان تیر رکھتا ہے اور ان کے ہاتھوں سے وار کرتا ہے۔ مرتضی ، مطہری ، مجموعہ آثار ، ج۱۶ ۔ ص ۳۲۲، ۳۲۴

۲۲۔ابن تیمیہ کے افکار کا خلاصہ آئندہ پیش کریں گے ۔

۲۳۔وہابیت بر سر دو راہی ، ص ۱۵۹

۲۴۔ سابق حوالہ ، ص ۱۶۰۔۱۶۲

۲۵۔سورۂ نساء ، آیت ۹۴

۲۶۔بحار الانوار ، ج ۷۴، ص۲۸۲

۲۷۔وہابیت بازنگری از درون ص ۳۳، ۳۶

۲۸۔ تحریر المواعظ العددیہ ، ص ۵۲۷

۲۹۔ نہج البلاغہ ، خطبہ ۲۳۴، خطبہ قاصعہ

۳۰۔سورۂ زخرف ، آیت ۲۲

۳۱۔پیام پیامبر، ص ۸۶۲

۳۲۔مرتضٰی مطہری، مجموعہ آثار، ج ۴ ص ۸۲۴

۳۳۔ نہج البلاغہ ، خطبہ نمبر ۹۱

۳۴۔مرتضی مطہری ، مجموعہ آثار ، ج ۱۸، ص۴۵۶، ۴۵۶

۳۵۔سید مہدی علی زادہ موسوی ، سلفی گری و وہابیت ، ص ۱۱۱ ۔ ۱۲۳

۳۶۔پیام پیامبر ، ص ۷۵۶

۳۷۔ نقدی بر افکار ابن تیمیہ ، ص ۱۶ و۱۷ بحوث فی الملل و النحل ، ص۹۵، ۸۳ سلفی گری و۔۔۔ ص ۲۰۱۔۱۹۹

۳۸۔ نقدی بر افکار ابن تیمیہ بہ نقل از مجموعہ الرسائل والمسائل ، ج ۱، ص ۶۰

۳۹۔ سابق حوالہ ، بہ نقل از التوسل والوسیلہ ، ص ۱۵۶

۴۰۔ زیارۃ القبور ، ص ۱۷، ۱۸

۴۱۔ مجموعۃ الرسائل والمسائل ، ج ۱، ص ۱۷

۴۲۔ الفتاوی ، ج ۵، ص ۱۹۲

۴۳۔ نقدی بر افکار ابن تیمیہ منقول از " رحلۃ ابن بطوطۃ" ص ۹۵، و نقدی بر افکار ابن تیمیہ ، ص ۱۸، ۱۹

۴۴۔ منہاج السنہ ، ج ۲، ص ۴۳۵، ۴۳۷

۴۵۔ ابن تیمیہ ، تفسیر سورۂ نور ، ص ۱۷۸، و۱۷۹

۴۶۔ منہاج السنہ ، ج ۴، ص ۱۰۴

۴۷۔ البانی ، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج ۵، ص ۲۶۲
۴۸۔ الحقائق الجلیہ ، ص ۳۱، ۳۲
۴۹۔ نقدی بر افکار ابن تیمیہ ، ص ۲۴، ۲۵
۵۰۔ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی ، ج، ص ۴۹۸
۵۱۔ نقدی بر افکار ابن تیمیہ منقول از مراۃ الجنان ، ج ۴ ص ۲۷۷
۵۲۔ دفع شبہۃ من شبہ و تمرد ، ص ۲۱۶
۵۳۔ الدرر الکامنہ ، ج ۱، ص ۱۵۰
۵۴۔ مؤلفات محمد بن عبد الوہاب ، ج ۱، ص ۴۳۳ والجامع الفرید فی شرح کتاب التوحید ، ج ۱، ص ۵۵۰
۵۵۔ سورۂ نساء ، آیت ۹۴
۵۶۔ سورۂ نساء ، آیت ۹۳
۵۷۔ وہابیت بر سر دوراہی ، ص ۱۶۵۔۱۶۶
۵۸۔ بحار الانوار ، ج ۷۱، باب ۴۱، ص ۱۹۰
۵۹۔ ارشاد القلوب ، ترجمہ طباطبایی ، ص ۲۷۳
۶۰۔ سورہ ہود آیت نمبر ۲۷
۶۱۔ امالی الصدوق ، ص ۳۰۴
۶۲۔ ۰۷ مرتضی مطہری ، مجموعہ آثار ، ج ۲۵، ۳۰۷
۶۳۔ سورۂ آل عمران، آیہ ۱۰۳
۶۴۔ سورۂ آل عمران ،آیت ۱۰۵
۶۵۔ سورۂ انفال، آیت ۴۶
۶۶۔ مرتضی مطہری ، مجموعہ آثار ، ج ۲۴، ص ۳۹
۶۷۔ کنز العمال ، ج ۱، ص ۲۹، ش ۳۰
۶۸۔ سنن ابی داود ، ج ۴، ص ۲۲۱، ردیف ۷۸۶۴، کتاب السنۃ
۶۹۔ صحیح مسلم ، ج ۱، ص ۵۶، کتاب الایمان ، باب "من قال لاخیہ المسلم یا کافر"
۷۰۔ ۲۴۱، و سنن ترمذی ، ج ۵، ص ۲۲، شمارہ ۲۶۳۷، کتاب الایمان سابق حوالہ ، ص ۵۷، کتاب الایمان ، باب " من قال لاخیہ المسلم یا کافر" مسند احمد ، ج ۲، ص ۲۲، و ۱۴۲، ۶۰، شمارہ ۳۶۲۷، کتاب الایمان۔
۷۱۔ سنن الترمذی ، ج ۵، ص ۲۲، شمارہ ۲۶۳۶، کتاب الایمان
۷۲۔ مرزہای توحید و شرک در قرآن ، ص ۲۴۔۲۸

۷۳۔ سورۂ نساء ، آیت ۱۱۵
۷۴۔الایمان و الکفر ، ص ۵۹و۶۰
۷۵۔ کنزالعمال ، ج ۱، ص ۲۹، شمارہ ۳۰
۷۶۔الایمان والکفر فی الکتاب والسنۃ ، ص ۵۰، و۵۳
۷۷۔الایمان والکفر ، منقول از ارشاد الطالبین ، ص۴۴۳، قواعد المرام ، ص ۱۷۱، والمواقف ، ص ۳۸۸
۷۸۔الایمان والکفر ، منقول از عروۃ الوثقی ، کتاب طہارت ، مبحث نجاسات
۷۹۔ الایمان والکفر ، ص ۴۰، ۵۲
۸۰۔کافی ، ج ۲، ص ۲۸۵ ج ۲۳
۸۱۔وہابیت بازنگری از درون ، ص ۳۳، ۳۶
۸۲۔ ابکار الافکار فی اصول الدین ، ج ۵، ص ۱۰۳۔
۸۳۔ سابق حوالہ ، ص ۱۰۲
۸۴۔ابکار الافکار فی اصول الدین ، منقول از الشعرانی ، الیواقیت والجواہر ، ص ۵۸
۸۵۔سابق حوالہ
۸۶۔الایمان والکفر، ص ۶۰، ۶۱
۸۷۔ الاقتصاد فی الاعتقاد ، ص ۱۵۸، ۱۵۹
۸۸۔ نظرۃ فی کتاب منہاج السنۃ النبویۃ ، منقول از منہاج السنۃ ، ج ۱، ص ۹۹
۸۹۔ سورۂ مائدہ، آیت ۵۵
۹۰۔ نظرۃ فی کتاب منہاج السنۃ النبویۃ ، ص ۳۴، ۳۶
۹۱۔سورۂ انعام ، آیت ۱۵۳
۹۲۔ سورۂ انعام، آیت ۱۵۹
۹۳۔ سورۂ آل عمران ، آیت ۱۰۳
۹۴۔ مرتضی مطہری ، مجموعہ آثار ، ج ۲۴، ص ۴۰
۹۵۔سورۂ حجرات ، آیت ۱۰
۹۶۔سورۂ توبہ ، آیت ۷۱
۹۷۔سورۂ فتح ، آیت ۲۹
۹۸۔ سورۂ آل عمران ، آیت ۱۰۳
۹۹۔ سورۂ آل عمران ، آیت ۱۰۵

۱۰۰۔ سورۂ انعام، آیت ۱۵۹
۱۰۱۔ سورۂ شوری، آیت ۱۵
۱۰۲۔ سورۂ انعام، آیت ۱۳۴، ۱۳۵
۱۰۳۔ الایمان والکفر، ص ۴۳۱، ۵۳۱

منابع

قرآن کریم
سید رضی، نہج البلاغہ، نشر ہجرت، قم ۱۴۱۴
کلینی، اصول کافی، انتشارات اسلامیہ، چاپ دوم، تہران ۱۳۶۲
حر عاملی، محمد بن حسن، وسایل الشیعہ، موسسہ آل البیتؑ، قم ۱۴۰۹
مکارم شیرازی، ناصر، وہابیت بر سر دو راہی، چاپ نہم، نشر مدرسہ امام علی بن ابی طالب، قم ۱۳۸۶
طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری، دارالفکر، بیروت ۱۴۱۸
سبحانی، جعفر، وہابیت و مبانی فکری و کارنامہ عملی، موسسہ امام صادقؑ، چاپ چہارم، قم ۱۳۸۸
سبحانی، جعفر، مرزہای توحید و شرک در قرآن، ترجمہ مہدی عزیزان، نشر مشعر، تہران ۱۳۸۴
سبحانی، جعفر، الایمان والکفر فی الکتاب والسنۃ، نشر موسسہ امام صادقؑ، چاپ دوم، قم ۱۳۸۵
سبحانی، جعفر، بحوث فی الملل والنحل، موسسہ نشر اسلامی و امام صادقؑ، قم، سبحانی، جعفر، نقدی بر وہابیت، دفتر انتشارات اسلامی، قم ۱۳۶۴
رضوانی علی اصغر، شناخت سلفی ہا، انتشارات مسجد مقدس جمکران، چاپ سوم، قم ۱۳۸۶
رضوانی علی اصغر، نقدی بر افکار ابن تیمیہ، نشر مشعر، تہران ۱۳۸۶
قرشی، سید علی اکبر، قاموس قرآن، دار الکتب الاسلامیہ، چاپ دہم، تہران ۱۳۸۴
مصطفوی، حسن، التحقیق فی کلمات القرآن الکری، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، تہران ۱۳۶۰
مہیار، رضا، فرہنگ ابجدی، نشر اسلامی، چاپ دوم، تہران ۱۳۷۵
دیلمی، حسن، ارشاد القلوب الی الصواب، نشر شریف رضی، قم ۱۴۴۲
فیروزآبادی، سید مرتضی، فضایل الخمسہ من الصحاح الستہ، انتشارات فیروزآبادی، قم ۱۳۷۴
علوی مالکی، سید محمد، وہابیت بازنگری از درون، مترجم انیسہ خز علی، نشر مشعر، تہران ۱۳۸۶
ابو زہرہ، محمد تاریخ مذاہب اسلامی، مترجم علی رضا ایمانی، مرکز مطالعات و تحقیقات ادیان و مذاہب، قم ۱۳۸۴
خطیب، ضحیٰ، ضوابط التکفیر بن الامس والیوم، باشراف د، رضوان السید و د، ہشام نشابہ، بیروت، دارالبراق ۱۴۲۸، ق ۲۰۰۷

عنایت حمید ، سیری در اندیشہ سیاسی عرب ، شرکت سہامی کتاب ہای جیبی ، تہران ۱۳۵۶
یوسفی اشکوری ، حسن ، اخوان المسلمین ، در دایرۃ المعارف بزرگ اسلامی ، زیر نظر کاظم موسوی بجنوردی ، تہران، مرکز دایرۃ المعارف بزرگ اسلامی مجلسی ، محمد باقر ، بحار الانوار ، موسسہ الوفا ، بیروت ۱۳۰۳
جعفریان ، رسول ، تاریخ سیاسی اسلام ، تاریخ خلفاء ، قم ۱۳۷۷ ش
زیر نظر غلام علی حداد عادل ، دانش نامہ جہان اسلام ، بنیاد دائرۃ المعارف اسلامی ، تہران ۱۳۷۵ ، ش
علی زادہ ، موسوی ، سید مہدی ، سلفی گری و وہابیت ، جلد یکم ، تبار شناسی ، ناشر ، پاد اندیشہ ، چاپ الہادی ، چاپ اول ، قم ۱۳۸۹ ، ش
عدالت نژاد ، سعید ، سلفیان تکفیری یا الجہادیون ، خاستگاہ و اندیشہ ہا
نظام الدینی ، سید حسین ، تاریخ و تمدن اسلامی ، ش ۱۳۹۰
سجستانی ، ابو داود سلیمان ابن اشعث ، سنن ابی داود ، دارالفکر ، بیروت (بیتا)
ابن ابی الحدید ، شرح نہج البلاغہ ، ناشر کتاب خانہ آیت اللہ مرعشی ، قم ۱۴۰۴ق
نیشاپوری ، مسلم بن حجاج ، صحیح مسلم ، در احیاء التراث العربی ، چاپ دوم ، بیروت (بیتا)
نوبختی ، حسن بن موسی ، فرق الشیعہ ، تحقیق محمد صادق آل بحر العلوم ، نجف ، ۱۳۵۵
شہرستانی ، محمد بن عبد الکریم ، الملل و النحل ، تحقیق محمد سید گیلانی ، قاہرہ ۱۳۸۷،
النبی المسلح (۱) :الرافضون ، (جمعہ و دقم علیہ سید احمد رافعت) لندن ، ریاض الریس للکتب والنشر ۱۹۹۱ ،
النبی المسلح (۲) :الثائرون ، (جمعہ و دقم علیہ سید احمد رفعت) ریاض الریس للکتب والنشر ، لندن ۱۹۹۱
مالکی ، حسن بن فرحان ، مبلغ نہ پیامبر ، مترجم سید یوسف مرتضوی ، نشر ادیان ، چاپ دوم ، قم ۱۳۸۶
مطہری ، مرتضی ، مجموعہ آثار ، انتشارات صدرا ، تہران ، (بی تا)
ژیل کوپل ، پیامبر و فرعون ، ترجمہ حمید اسدی ، انتشارات کیہان ، چاپ سوم ، تہران ۱۳۸۲
سید قطب ، نشانہ ہای راہ ، مترجم محمود محمودی ، نشر احسان ، چاپ دوم ، تہران ، ۱۳۹۰
فرمانیان ، مہدی ، درآمدی بر پراکندگی سلفی گری و وہابیت در جہان اسلام ، نشر مرکز مطالعات فرہنگی بین المللی ، تہران ۱۳۰۵
فرمانیان ، مہدی ، گرایش ہای فکری سلفیہ در جہان امروز ، مجلّہ مشکوہ ، شمارہ ۴۰۱، پاییز ۸۸۳۱ ،
فاضل مقداد،ارشاد الطالبین الی نہج المسترشدین، تحقیق سید مہدی رجائی ،ناشر کتاب خانہ آیۃ اللہ مرعشی ،قم ۱۴۰۵
قاضی ایجی ، المواقف ، نشر عالم الکتب ، بیروت (بی تا)

بحرانی ابن میثم ، قواعد المرام فی علم الکلام ، محقق سید احمد حسینی ، چاپ دوم ، قم ۱۴۰۶
طباطبائی یزدی ، سید کاظم ، عروۃ الوثقی ، موسسہ اعلمی ، بیروت ۱۴۰۹
حسینی تقی الدین ، دفع شبہ من شبہ و تمرد ، تحقیق زاہد کوثری ، دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۵ ،
بخاری ، محمد بن اسماعیل ، صحیح بخاری ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت ۱۴۰۰
آمدی ، سیف الدین ، ابکار الافکار ، تحقیق احمد محمد مہدی ، دار الکتب ، قاہرہ ، ۱۴۲۳
غزالی ، ابو حامد، الاقتصاد فی الاعتقاد ، دار الکتب العلمیہ ، بیروت چاپ اول ۱۴۰۹
غزالی ، ابو حامد ، مجموعہ رسائل ، دار الفکر ، بیروت ۱۴۱۶
علامہ امینی ، نظرہ فی کتاب منہاج السنہ ، (بی تا)
خرم شاہی ، بہاء الدین ، پیام پیامبر ، نشر منفرد ، تہران ۱۳۷۶
شیخ صدوق ، امالی صدوق ، نشر اعلمی ، بیروت ، چاپ پنجم ۱۴۰۰
زیر نظر سید کاظم موسوی ، بجنوردی ، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی ، نشر مرکز دائرۃ المعارف ، تہران ۱۳۸۵
مشکینی ، علی ، تحریر المواعظ العددیہ ، نشر الہادی ، قم ،چاپ ہشتم ۱۴۲۴

علمائے اسلام کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر حرام ہے

تحریر: مولوی نذیر احمد سلامی
استاذ حوزہ علمیہ و یونیورسٹی، نمائندہ مردم و ممبر ماہرین قیادتی کونسل (ایران)
ترجمہ: سید محمد حسنین باقری
استاذ جامعہ ناظمیہ و نائب مدیر ماہنامہ اصلاح (لکھنؤ)

خلاصہ:

اس مقالہ کا اصلی سوال یہ ہے کہ:

آیا داعش اور اس طرح کے دوسرے تکفیری گروہ جواز رکھتے ہیں، کیا ان کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ اور کیا کتاب و سنت اور علمائے اسلام کے نزدیک ان کے اسلامی خلافت کے دعوے کی توجیہ کی جاسکتی ہے؟

داعش، جبھۃ النصر اور اس طرح کے دوسرے تمام تکفیری گروہوں کو جو اسلامی خلافت کے بہانے بیگناہ افراد کا قتل عام، شہروں، مکانوں، مساجد اور عبادت گاہوں کی تخریب و مسماری کرتے ہیں، سادہ لوح افراد کے دینی و مذہبی جذبات سے غلط فائدہ اٹھاتے اور اپنے مغربی آقاؤں کی خوش خدمتی و چاپلوسی کرتے، انسانیت، اسلام اور اخلاق کے برخلاف بدترین خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان اعمال و طرز سلوک اور کردار اور ان کے نظریات و عقائد کو کتاب و سنت اور اسلامی علماء کے فتاویٰ کی روشنی میں پرکھا جائے۔

اس مقالہ میں آیات کی شرح و تفسیر، روایات اور فقہاء و محدثین اور علمائے اسلام کے فتاویٰ کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر، ان کو کافر قرار دینا غلط عمل اور شرعی اصولوں کے خلاف ہے اور مسلمانوں کا قتل عام، شہروں، مسجدوں اور عبادت گاہوں کی تخریب اور اس طرح کے کام اسلامی جہاد کے بہانے انجام دینا شیطانی عمل ہے۔ جس کا مکمل فائدہ غاصب حکومت (اسرائیل) کو ہوتا ہے اور نقصان امت مسلمہ کا ہوتا ہے۔

یہاں پر تکفیریوں کے نظریات کو باطل قرار دینے اور غیر شرعی ہونے پر کتاب وسنت اور علمائے کرام کے فتاویٰ کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ داعش اور اس طرح کے دیگر تکفیری افراد و گروہ در حقیقت ایک امریکی، اسرائیلی اور عربی گٹھ جوڑ ہے تاکہ پہلے سے معین شدہ مقاصد یعنی اسرائیل کو تحفظ فراہم کیا جائے اور اس پورے خطہ نیز اسلامی معاشرہ کو ایران اسلامی و اخوان المسلمین کے نفوذ سے روکا جائے۔

مستعمل ضروری اصطلاحیں: تکفیر اہل قبلہ، داعش، النصرہ، کتاب، کتاب وسنت، فقہا و محدثین۔

تکفیر اہل تفسیر کے نزدیک:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (۱)

(ترجمہ): ''ایمان والو! جب تم راہِ خدا میں جہاد کے لئے سفر کرو تو پہلے تحقیق کرلو اور خبردار جو اسلام کی پیش کش کرے اس سے یہ نہ کہنا کہ تو مومن نہیں ہے کہ اس طرح تم زندگانی دنیا کا چند روزہ سرمایہ چاہتے ہو اور خدا کے پاس بکثرت فوائد پائے جاتے ہیں۔ آخر تم بھی تو پہلے ایسے ہی کافر تھے۔ خدا نے تم پر احسان کیا کہ تمہارے اسلام کو قبول کرلیا (اور دل چیرنے کی شرط نہیں لگائی) تو اب تم بھی اقدام سے پہلے تحقیق کرو کہ خدا تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔''

انسان کے اندر اس کے مسلمان ہونے کے لئے اسلامی علامتوں و نشانیوں کا ہونا کافی ہے، باطن کی تفتیش و جستجو جائز نہیں ہے۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں پاکستان کے مفتی اعظم علامہ مفتی محمد شفیع ابن کثیر کے کلام کی روشنی میں کہتے ہیں:

''مذکورہ آیت سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جو بھی ایمان و اسلام کا اظہار کرے، تو کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ بغیر تحقیق کے اس کے مسلمان ہونے کے دعوے کو نفاق پر حمل کرے مذکورہ بالا آیت کا شان نزول اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں بعض اصحاب بعض کے سلسلے میں بدگمانی کا شکار تھے۔''

امام ترمذی اور مسند احمد نے حضرت عبداللہ بن عباس سے اس طرح نقل کیا ہے:

''قبیلۂ بنی سلمہ کا ایک شخص اپنی بھیڑیں چرانے صحرا لے گیا راستے میں صحابہ کی ایک جماعت سے روبرو ہوا ان کو سلام کیا اور اظہار اسلام کیا۔ اصحاب نے سوچا کہ شائد اس نے اپنی جان و مال بچانے کے لئے اظہار اسلام کیا ہے اس لئے ان لوگوں نے اس کو قتل کرکے اس کی بھیڑیں غنیمت کے طور پر لے لیں اور

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا۔ جس کے بعد مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔" (۲)

دوسری حدیث میں عبد اللہ بن عباس سے نقل ہوا ہے کہ جسے امام بخاری نے مجمل طور پر اور بزاز نے مفصل و شرح کے ساتھ بیان کیا ہے:

"حضرت رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجاہدین کے ایک گروہ کو مقداد بن اسود کی سرداری میں روانہ کیا۔ جب یہ لوگ طے شدہ جگہ پر پہنچے تو سوائے ایک کے تمام کفار بھاگ گئے۔ جو شخص نہیں بھاگا وہ دولت مند تھا اس نے کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کیا۔ حضرت مقداد نے یہ سوچ کر کہ اس نے اپنی جان و مال کی حفاظت کی وجہ سے کلمۂ شہادتین پڑھا ہے اور دل سے اقرار نہیں کیا ہے لہٰذا اسے قتل کر دیا۔ لشکر اسلام کے ایک سپاہی نے اس عمل کی مذمت کرتے ہوئے پیغمبر اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آنحضرت ﷺ نے مقداد کو حاضر کرکے فرمایا: قیامت کے دن کیا جواب دوگے؟ کلمۂ لا الہ الا اللہ قیامت کے دن تمہاری شکایت کرے گا۔" (۳)

(تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا) (۴)

"یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو"، کہ چاہو دنیا کی ناپائیدار زندگی حاصل کرو۔

آیت کا یہ حصہ جو سورہ نساء کی آیت ۹۴ کا تکملہ ہے، یہ تکفیر اور دہشت گردوں کے اہداف و مقاصد کی طرف، بہترین انداز میں اور بطور احسن اشارہ کر رہا ہے اور یہ داعش والوں کے غلط اہداف و مقاصد پر منطبق ہے۔ یعنی یہ کارروائیاں اور ظلم و بربریت معمولی دنیاوی فائدے اور اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے انجام دی جارہی ہیں۔ (۵)

اہل قبلہ کو کافر نہ کہو:

مذکورہ آیات و روایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص بھی اپنے کو مسلمان کہے چاہے کلمۂ شہادتین پڑھنے کے ذریعہ ہو یا اسلامی شعائر کو ظاہر کرنے کے ذریعہ ہو مثلاً اذان دینے، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے کے ذریعہ ہو تو ضروری ہے کہ تمام مسلمان ایسے شخص کو مسلمان سمجھیں اور اس کے جان و مال کے محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کریں اس لئے کہ باطنی و قلبی کیفیات اور پوشیدہ باتوں کو صرف خداوند عالم جانتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اعمال بھی مسلمانوں کے لئے اس کے ساتھ تعامل و برتاؤ کا مبنا و محور قرار پائیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان کہتے ہیں:

''نیز اس سلسلے میں اس کے اعمال بھی مسلمانوں کے ساتھ اس کے برتاؤ کا ملاک و معیار قرار پائیں۔ مثلاً بالفرض اگر وہ نماز نہ پڑھتا ہو روزہ نہ رکھتا ہو گناہ و معصیت کا مرتکب ہوتا ہو پھر بھی کسی کو حق نہیں ہے کہ اس کو دائرۂ اسلام سے خارج کرے یا کافروں کی طرح اس کے ساتھ پیش آئے۔'' (۶)

: امام اعظم ابو حنیفہ کی نگاہ میں تکفیر

: امام ابو حنیفہ اپنی مشہور کتاب فقہ اکبر اور شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں

''ولا نکفر بذنب مسلما من الذنوب و ان کانت کبیرۃ ولانزیل اسم الایمان عنہ و نتمیہ مومناً حقیقۃ''

''یعنی گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہم کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں سمجھتے اور ایمان کو اس سے سلب نہیں کرتے اور اس کو مومن واقعی سمجھتے ہیں۔'' (۷)

قابل توجہ نکتہ:

قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ جو اپنے کو مسلمان کہے اس کی طرف کفر کی نسبت دینا جائز نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر جب تک ایسا قول و یا عمل جو یقینی کفر کی علامت ہے اس سے سرزد نہ ہو اور اس سے انجام نہ پائے، اس کے مسلمان ہونے کے دعوے کو قبول کیا جائے گا اور مسلمانوں کی طرح اس سے برتاؤ ہوگا۔ اس کی باطنی و قلبی کیفیت و حالت اور منافق و غیر منافق ہونا خدا پر موکول ہے۔ (لایعزب عنہ شی) خدا سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع اس سے سلسلے میں کہتے ہیں:

''کلمہ پڑھنے والوں اور اہل قبلہ کو مسلمان سمجھو۔ اور یہ کہ اس کے باطن اور دل میں کیا پوشیدہ ہے؟ یہ پتا لگانا مسلمانوں کا فریضہ و ذمہ داری نہیں ہے۔ اس بات کو خدا پر چھوڑ دو۔''

محدثین کی نگاہ میں تکفیر:

امام بخاری نے باب المغازی میں حدیث نمبر ۱۶۰۲ عبد اللہ بن عمر سے اس طرح نقل کی ہے۔

رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خالد کو قبیلۂ خزیمہ کی طرف روانہ کیا۔ خالد نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے دعوت اسلام کو قبول کیا۔ لیکن بعض وجوہات سے اپنے مسلمان ہونے کو زبان سے ظاہر نہیں کیا۔ اور اَسلمنا (ہم مسلمان ہوئے) کے بجائے کلمہ صبنا نا (اپنے پدری دین سے نکل آئے) استعمال کیا۔ خالد نے ان میں سے بعض کو قتل کر دیا اور بعض کو گرفتار کرکے مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کرے۔ عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں: میں نے اور

میرے ساتھیوں نے اپنے قیدیوں کو قتل نہیں کیا۔ جب رسول اکرم ﷺ کو واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے ہاتھوں کو بلند کرکے فرمایا:

اللھم انی ابرء الیک مماصنع خالد

پروردگارا! خالد نے جو کام انجام دیا ہے میں اس سے تیری بارگاہ میں عذر خواہی کرتا ہوں (میں اس کے عمل سے بیزار ہوں)۔

قبیلۂ خزیمہ کے افراد نے باوجودیکہ اپنے مسلمان ہونے کو زبان سے ظاہر نہیں کیا تھا لیکن رسول اکرم ﷺ نے ان کے قتل کئے جانے سے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور خالد کے عمل کی مذمت کی۔

اسی طرح امام بخاری نے المغازی میں حدیث نمبر ۱۶۰۲ نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

حضرت علی (علیہ السلام) نے ایک مقدار میں خالص سونا یمن سے پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں مدینہ بھیجا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کو تقسیم کررہے تھے کہ حاضرین میں سے ایک نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: اتق اللہ یا رسول اللہ۔ اے پیغمبر خدا ﷺ! تقسیم کرنے میں عدالت کا خیال کیجئے۔ حضرت سرکار رسالت نے فرمایا:

الست احق اھل الارض ان یتق اللہ۔

کیا میں زمین پر عدالت قائم کرنے والے اور خدا سے ڈرنے والے افراد میں سب سے زیادہ مناسب شخص نہیں ہوں؟

یہ سن کر خالد نے کہا: یارسول اللہ! اجازت دیجئے تاکہ اس کی گردن اڑادوں۔

حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اجازت نہیں ہے۔ شاید وہ اہل نماز ہو۔

خالد نے کہا: بہت سے اہل نماز زبان سے کہتے ہیں لیکن اس پر یقین نہیں رکھتے۔

حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ''میں مامور نہیں ہوں کہ لوگوں کے دل چاک کروں اور شکم پارہ کروں''۔ (بلکہ میں ظاہر کو دیکھنے پر مامور ہوں اور ظاہر کو دیکھ کر اس کے مطابق عمل کرتا ہوں)۔

اس کے علاوہ حضرت علی (علیہ السلام) نے خوارج کے اس گروہ کو ہرگز کافر نہیں کہا جنہوں نے پند و نصیحت کو قبول نہیں کیا اور آپ کے خلاف وارد جنگ ہوئے۔ بلکہ اپنے بعض اصحاب سے جو خوارج کو کافر کہہ رہے تھے فرمایا:

ھم اخواننا بغوا علینا۔

یہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف شورش کی ہے۔

یہ تمام آیات و روایات اور علمائے اسلام کے آراء و نظریات اور فتاویٰ داعش (اور اس جیسے تمام گروہوں) کے دعوے اور اعمال و طرز سلوک کے خلاف ہیں۔ جھوٹی خلافت اور اسلامی حکومت کے دعوے دار داعش کا رویہ اور طریقہ کار کتاب و سنت اور سیرہ ائمہ کی روشنی میں غلط عمل ہے یہ ساری دلیلیں بہترین سند اور انتہائی معتبر چیزیں ہیں ان کے اعمال و طرز سلوک کے باطل ہونے پر۔

اگر مسلمانوں کی تاریخ کی تحقیق و جستجو کی جائے تو ہم کو بہت سے نمونے ملیں گے جو داعش کے دعوے کے باطل ہونے پر دلالت کرتے ہیں لیکن اس تحریر میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

حواشی:

۱۔ سورۂ نساء، آیت ۹۴

۲۔ معارف القرآن ص ۱۹

۳۔ معارف القرآن ص ۱۹

۴۔ سورۂ نساء، آیت ۹۴

۵۔ حوالہ سابقہ

۶۔ جواہر اللغۃ جلد ا ص ۱۲

۷۔ شرح فقہ اکبر ص ۱۷۷

منابع:

۱۔ قران کریم

۲۔ معارف القرآن، علامہ مفتی محمد شفیع، دائرۃ المعارف مطبوعہ کراچی (بی تا)

۳۔ جواہر اللغہ، دائر المعارف مطبوعہ کراچی۔

۴۔ فقہ اکبر، ابو حنیفہ بیروت ۱۴۱۰ق۔

۵۔ صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری۔

تکفیریت کے خاتمہ کے لئے قرآنی راہ وروش

تحریر: جناب وحید خورشیدی*
ترجمہ: سید محمد حسنین باقری*

قرآن کریم میں جن مسائل کے سلسلے میں تاکید ہوئی ہے ان میں سے ایک، مسلمانوں کی عدم تکفیر ہے۔ یعنی قرآن کریم نے سختی سے منع کیا ہے کہ کسی مسلمان کو بغیر وجہ و سبب کے کافر قرار دیا جائے۔قرآن نے اس سلسلے میں مسلمانوں کے سامنے راستے اور طریقے بیان کئے ہیں جن کے ذریعہ مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کی جاسکے۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ جو اظہار اسلام کررہا ہو اس کو کافر قرار دینے میں جلد بازی نہ کریں۔ دوسروں کے اسلام میں شک نہ کریں۔ "جنگ کی حالت میں مسلمانوں کے دونوں گروہوں کو مسلمان کہہ کر پیش کرنا، نزاع واختلاف کی صورت میں دو گروہوں کے درمیان صلح و صفائی کا حکم دینا اور مسلمان کے خون کو باعظمت قرار دینا"۔ یہ سب تکفیر کو ختم کرنے اور اس کے علاج کے راستے ہیں جنہیں قرآن نے پیش کیا ہے۔ اس مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ آیات الٰہی میں غور و فکر کے ذریعہ تکفیریت کو ختم کرنے اور اس کے علاج کے لئے قرآنی راستے بیان کئے جائیں۔

تاریخ اسلام میں ایسے افراد اور گروہ پائے گئے ہیں جنہوں نے اپنے مخالفین کو کافر قرار دیا ہے اور معمولی سبب سے ان کو دین اسلام سے خارج قرار دیتے ہوئے ان کے واجب القتل ہونے کا حکم صادر کیا ہے۔ ہمیشہ ہی مسلمانوں کے ایک گروہ کی طرف سے دوسرے گروہ کو اعتقادی مبانی و بنیاد جدا ہونے کی وجہ سے یا ایک دوسرے کے مبانی نہ سمجھ پانے کی وجہ سے کافر قرار دینے کی وجہ سے امت مسلمہ کو بہت سے ناقابل جبران نقصانات ہوئے ہیں۔ اسلام کی نظر میں ہر وہ شخص مسلمان ہے جو زبان پر شہادتین جاری کرے، چاہے باطن میں دوسرا عقیدہ رکھتا ہو۔اسلامی شریعت کی بنیاد پر ہرگز صحیح نہیں ہے کہ کسی

---

* محقق مؤسسہ تحقیقاتی دار الاعلام لمدرسۃ اہل البیت، وکارشناسی ارشد (ایم فل) شیعہ شناسی
* استاد جامعہ ناظمیہ و نائب مدیر ماہنامہ اصلاح، لکھنؤ

اسلامی فرقہ یا امت مسلمہ سے وابستہ کسی شخص کو بغیر دلیل کے کافر قرار دیا جائے جب تک کہ شہادتین کا اعتراف کر رہا ہے اور ضروریات دین میں سے کسی ضرورت کا انکار نہیں کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے اس مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ اس خطرناک اور مخرب دین وبا یعنی کسی مسلمان کو کافر قرار دیئے جانے کا علاج اور اس وبا کو ختم کرنے کا طریقہ قرآن کی روشنی میں بیان کیا جائے اور یہ بیان کیا جائے کہ قرآن اس وبا کا کس طرح مقابلہ کرتا ہے۔ اور چونکہ یہ تکفیری گروہ خود کو تو مسلمان سمجھتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں لہٰذا سب کے سامنے یہ واضح ہو جائے کہ اس گروہ کا یہ طریقہ قرآن اور حقیقی اسلام کے برخلاف ہے۔ اس موضوع کے مختلف عناوین سے متعلق مثلاً تکفیر قرآن وسنت کی روشنی میں وغیرہ کافی مطالب بیان تو کئے گئے ہیں اور بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن زیادہ تر کلی گوئی سے کام لیا گیا ہے، جزئیات و تفصیلات بیان نہیں ہوئے ہیں لیکن اس مقالہ میں آیات کو جزئی صورت میں البتہ مزید دقّت اور باریکی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تاکہ یہ موضوع قابل استفادہ ہو جائے۔

اس مقالہ میں موضوع کو اس طرح پیش کیا گیا ہے: تکفیر کے لغوی واصطلاحی معنی۔ تکفیر کا علاج اور اس سے نجات پانے کا قرآنی راستہ۔ تکفیر (کافر قرار دینے) کا حق کس کو ہے؟ اور آخر میں تکفیریوں بالخصوص وہابیوں کی مخالفت کو قرآن کی نظر سے بیان کیا گیا ہے۔

لغت واصطلاح میں تکفیر

کلمۂ تکفیر مصدر ہے باب تفعیل کا، جو مادّہ "کفّر یکفّر" سے لیا گیا ہے۔ اس کا ثلاثی مجرد 'کفر' ہے جیسا کہ المفردات میں آیا ہے کہ کفر لغت میں کسی چیز کے چھپانے کے معنی میں ہے، رات کو کافر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ لوگوں کو چھپاتی ہے۔ کسان کو کافر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ دانے کو زمین میں چھپاتا ہے۔ صاحب المفردات آگے لکھتے ہیں کہ: کفرِ نعمت یہ ہے کہ نعمت پر شکر ادا نہ کیا جائے، تو یہ اس کو چھپانا ہے۔ سب سے بڑا کفر، خداوند عالم کی وحدانیت یا نبوت کا انکار ہے۔ (۱)

زبیدی اور جوہری نے کفر کے معنی ایمان کی ضد کے بیان کئے ہیں اور تکفیر کا مطلب تواضع و انکساری اور کسی چیز کو محو کرنا اور ختم کرنا بیان کیا ہے۔ (۲) زبیدی نے تکفیر کے ایک معنی "دوسرے کو کافر سمجھنا" بیان کیا ہے۔: وکفره تکفیراً: نسبه الی الکفر۔ (۳) کتاب معجم اللغۃ العربیہ المعاصر کے الفاظ یہ ہیں: "کفّر الشخص: کفّره: حمله علی الکفر ونسبه الیه وقال له کفرت۔ (۴)

کسی شخص کی تکفیر یعنی اس کو کافر سمجھنا یا اس کی طرف کفر کی نسبت دینا یا اس سے کہنا کہ تم کافر ہو گئے ہو۔ وہ آگے لکھتے ہیں: جن لوگوں کو تکفیری جماعت کہا جاتا ہے یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ شدت پسند افراد ہیں جو اہل معصیت و گنہگار شخص کو کفر سے متہم کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو کافر قرار دیتے

ہوئے اور قتل کرتے ہیں۔ (۵)۔ عبدالمنعم نے بھی مادہ تکفیر کے ذیل میں لکھا ہے: تکفیر کا مطلب ہے کسی اہل قبلہ کی طرف کفر کی نسبت دینا۔ (۶)

کفر کے جو معانی بیان کئے گئے ہیں ان میں سے جب یہ کلمہ بطور مطلق استعمال کیا جائے تو اکثر ایمان کی ضد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۷) جیسا کہ ایجی نے بیان کیا ہے کہ اصطلاح میں کفر کا مطلب ہے ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم تصدیق ہے۔ (۸) ابن حزم نے بھی لکھا ہے: دین میں کفر کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے جس چیز پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے اتمام حجت کے بعد اس کا انکار کرنا۔ (۹) ابن تیمیہ بھی اسی عقیدہ کے قائل ہیں کہ کفر سے مراد خدا اور رسولؐ پر عدم ایمان ہے۔ (۱۰) انہوں نے دوسری جگہ پر کفر کا مطلب ضروریات دین اور احکام متواتر کا انکار بیان کیا ہے۔ (۱۱) اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں کہ: کفر سے مراد یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس بات کی خبر دی ہے اس کو جھٹلانا اور صداقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یقین کے ساتھ فرعون و یہود وغیرہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی نہ کرنا۔ (۱۲) فخر رازی کہتے ہیں: کفر کا مطلب عدم ایمان ہے یعنی جن ضروریات کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائیں ان کی تصدیق نہ کرنا۔ (۱۳) ابن الوزیر نے اس سلسلے میں لکھا ہے: اصل کفر یہ ہے کہ کتاب خدا میں سے کسی بات یا کسی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرنا یا جو چیزیں انبیاء لائے ہیں ان کی تکذیب کرنا البتہ اس وقت کہ جب وہ چیز بطور معین ضروریات دین میں سے ہو۔ (۱۴) لہٰذا اصطلاح میں کفر کا مطلب ہوا خدا ورسولؐ پر ایمان نہ لانا اور ضروریات دین کا انکار کرنا۔ علمائے اہل سنت کی اس تعریف کی روشنی میں جو شخص منکر خدا و نبوت نہ ہو اور ضروریات دین کا انکار نہ کر رہا ہو وہ کفر کے دائرہ سے خارج ہے۔ تکفیر کا مطلب بھی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مسلمان کو کافر سمجھے۔

پہلا حصہ: دوسروں کے اسلام میں تامل اور شک نہ کرنا

الف) دوسروں کے بارے میں حکم لگانے میں جلدی نہ کرنا۔

تکفیر کی بیماری کو ختم کرنے کے لئے قرآن کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ دوسروں کے اسلام کے بارے میں حکم لگانے میں جلد بازی نہ کریں اگرچہ یہ حکم جنگ کے موقع پر نازل ہوا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا"۔ (۱۵)

ایمان والو! جب تم راہ خدا میں جہاد کے لئے سفر کرو تو پہلے تحقیق کرلو اور خبر دار جو اسلام کی پیش کش کرے اس سے یہ نہ کہنا کہ تو مومن نہیں ہے کہ اس طرح تم زندگانی دنیا کا چند روزہ سرمایہ چاہتے ہو اور خدا کے پاس بکثرت فوائد پائے جاتے ہیں۔ آخر تم بھی تو پہلے ایسے ہی کافر تھے۔ خدا نے تم پر احسان کیا کہ تمہارے اسلام کو قبول کرلیا (اور دل چیرنے کی شرط نہیں لگائی) تو اب تم بھی اقدام سے پہلے تحقیق کرو کہ خدا تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

روایات و تفاسیر میں اس آیت کے سلسلے میں متعدد شان نزول ذکر ہوئے ہیں جو آپس میں مشابہت رکھتے ہیں۔ جس میں سے ایک یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے جنگ خیبر سے واپسی پر اسامہ بن زید کو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ان یہودیوں کی طرف بھیجا جو فدک کے ایک گاؤں میں رہتے تھے تاکہ ان یہودیوں کو اسلام یا شرائط ذمی قبول کرنے کی دعوت دیں۔ ایک یہودی جس کا نام مرداس تھا، جب وہ لشکر اسلام کے آنے سے باخبر ہوا تو اس نے اپنے مال و اولاد کو ایک پہاڑ کے پاس چھپا دیا اور خدا کی وحدانیت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی گواہی دیتے ہوئے مسلمانوں کے استقبال کے لئے آگے بڑھا۔ اسامہ بن زید نے سوچا کہ یہ یہودی جان و مال کے خوف سے اظہار اسلام کر رہا ہے اور باطن میں مسلمان نہیں ہے یہ خیال کرکے اس پر حملہ کیا اور اس کو قتل کردیا اور اس کی بھیڑیں مالِ غنیمت کے طور پر لے لیں۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ سخت ناراض ہوئے پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ (۱۶)

اس آیت میں غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی کو کافر کہنے کے سلسلے میں چاہے وہ پہلے کافر ہی رہا ہو یا یہ کہ باطن میں کافر ہو اور بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے زبان پر شہادتین جاری کر رہا ہو، جلد بازی نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کی بات کو مانا جائے۔

اہل سنت کے مشہور مفسر طبری نے اس آیت کو جنگ کے زمانہ سے مخصوص جانا ہے اور اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ دوسروں کو کافر قرار دینے میں جلد بازی نہیں کرنا چاہئے"۔

"اذا ضربتم فی سبیل اللہ " یقول اذا سرتم مسیر اللہ فی جہاد اعدائکم (فتبینوا) یقول فتانوا فی قتل من اشکل علیکم امرہ فلم تعلموا حقیقۃ اسلامہ ولا کفرہ ولا تعجلوا فتقتلوا من التبس علیکم امرہ ولا تتقدموا علی قتل احد الا علی قتل من علمتموہ یقیناً حربالکم وللہ ولرسولہ۔ (۱۷)

جس وقت تم راہ خدا میں قدم اٹھا رہے ہو یعنی جس وقت تم خدا کے لئے دشمنوں کے ساتھ جہاد کے راستے میں ہو تو تحقیق و جستجو کرو۔ یعنی جس شخص کے بارے میں حقیقت تمہارے لئے واضح نہ ہو اور تم کو معلوم نہ ہو کہ آیا اس نے واقعاً اسلام قبول کیا ہے یا کافر ہے تو اس کے قتل میں جلدی نہ کرو اس لئے کہ اسی شخص کو قتل کرنے کا حق ہے جس کے بارے میں یقین ہو کہ وہ تمہارے ساتھ اور رسولؐ خدا کے ساتھ جنگ کا ارادہ رکھتا ہے۔

البتہ انہوں نے مطلب کی وضاحت کے لئے " فتبینوا" کے لفظی معنیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کا مطلب تانّی یعنی تامل و ٹھہرنا اور جلد بازی نہ کرنا بیان کئے ہیں۔ (۱۸)

بیضاوی نے بھی یہی تفسیر کی ہے اور ان کا نظریہ ہے کہ "فتبینوا" سے مراد اس شخص کے سلسلے میں حکم لگانے اور فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا ہے جو جنگ میں اظہار اسلام کرے (۱۹)۔ وہ آگے لکھتے ہیں:

ولاتبادروا الی قتلھم ظنابانھم دخلوا فیہ اتقاء و خوفاً فان ابقاء الف کافر اھون عند اللہ من قتل امرئ مسلم وتکریرہ تاکید لتعظیم الامر۔ (۲۰)

اس خیال سے کہ وہ خوف و تقیہ کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوئے ہیں تم ان کے قتل میں جلد بازی نہ کرو اس لئے کہ خداوند عالم کے نزدیک کسی ایک مسلمان کے قتل ہونے سے ہزار کافروں کا باقی رہنا آسان تر ہے اور جملہ " فتبینوا" کی تکرار اس بات کی عظمت کو بیان کر رہی ہے۔

غزالی نے بھی مسلمانوں کو کافر قرار دینے میں جلدی بازی سے کام نہ لینے کے سلسلے میں کہا ہے:

سزاوار ہے کہ تکفیر سے اجتناب کیا جائے اس لئے کہ اس مسلمان کے خون کو مباح سمجھنا جو توحید کا اقرار کرتا ہو، اشتباہ و غلطی ہے اور ہزار کافروں کا باقی رہ جانا ایک مسلمان کا خون بہائے جانے سے آسان تر ہے۔ (۲۱) (یعنی ایک مسلمان کی جان بچ جائے بہتر ہے چاہے ہزار کافروں کی جان بخشی کی نتیجے میں ہو)۔

وہابیوں کے قابل اعتماد مفسر ناصر سعدی بھی جملہ " فتبینوا" کی تفسیر میں کہتے ہیں: جب کوئی شخص دشمنان خدا کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو اور ان سے مقابلے کے لئے نکلے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس شخص کے بارے میں تحقیق و جستجو کرے جو کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور اس بات پر قرینہ بھی موجود ہو۔ جو جنگ کے موقع پر اپنی جان بچانے کے لئے اسلام ظاہر کرے تو آیت کہتی ہے کہ اس کے بارے میں جستجو کی جائے تاکہ حقیقت واضح ہو جائے اور کوئی غلطی نہ ہو۔ (۲۲)

اسی طرح وہ دوسری جگہ اس آیت کے ذیل میں دوسروں کے سلسلے میں کفر کا حکم لگانے میں جلدی نہ کرنے کے فائدے کو بیان کرتے ہوئے معتقد ہیں کہ اس سلسلے میں تامل کرنا بہت سے فائدوں کا سبب اور بڑے شر کے دفع ہونے کا سبب ہے۔ اور اس کام سے اس شخص کا دین بھی معلوم ہو جائے گا یہ برخلاف

اس عمل کے ہے کہ جس کے بارے میں حکم لگانے میں جلدی کرو اس لئے کہ جلد بازی میں نوبت وہاں تک پہنچ جاتی ہے جو نامناسب ہے۔ (۲۳)

فخر رازی بھی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: اس آیت کا مقصود مومنوں کے قتل کے حرام ہونے میں مبالغہ و شدت حرمت اور ان کے قتل کے ترک میں بھی مبالغہ اور سخت مناہی ہے تاکہ ضعیف تاویل کی وجہ سے ناحق خون نہ بہایا جائے۔ (۲۴)

آیت میں غور و فکر کرنے اور اس کے سلسلے میں مفسرین کے آراء و نظریات کو سامنے رکھنے کے بعد بخوبی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کس طرح خداوند عالم نے دوسروں کی تکفیر اور ان پر بے جا کافر ہونے کا حکم لگانے میں تامّل کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ بھی سخت ترین موقع پر یعنی جنگ کے موقع پر جہاں جھوٹ و فریب کا امکان پایا جاتا ہے لیکن خداوند عالم ایسے موقع پر بھی حکم دیتا ہے کہ جو شخص اسلام ظاہر کر رہا ہو اس کے بارے میں جلد بازی نہ کرو۔ اور اس کو کافر نہ گردانو، جیسا کہ قرطبی نے بھی اس جانب اشارہ کیا ہے کہ فقہ میں ظاہر پر حکم لگانا معیار و ملاک قرار پاتا ہے نہ کہ باطن پر (۲۵)۔ اس بات کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ آیت کے آخر میں جلدی نہ کرنے کی تکرار ہوئی ہے! " فتبینوا ان اللہ بما تعملون خبیراً" گویا خداوند عالم کا اس جانب اشارہ ہے کہ تکفیر کا حکم کتنا خطرناک ہے۔ کسی شخص کے اسلام کا انکار جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کے کافر ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہ ہو۔ روایات بھی اس بات کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً اسامہ بن زید کہتے ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو قبیلۂ حُرقات کی جانب روانہ کیا۔ صبح ہم نے ان پر حملہ کیا اور ان کو شکست دی۔ میں اور ایک انصاری ایک شخص کے پاس پہنچے جب ہم اس پر مسلط ہو گئے تو اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ انصاری نے تو ہاتھ روک لیا لیکن میں نے اس پر اتنے نیزے مارے کہ وہ مر گیا جب ہم مدینہ واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بات پہنچی۔ آپؐ نے فرمایا: اے اسامہ، جب اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تھا تو اس کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟

میں نے کہا: اس نے جان بچانے کے لئے گواہی دی تھی۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جملہ کی اتنی تکرار فرمائی کہ میں نے آرزو کی کہ کاش اس سے قبل میں مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ (۲۶)

(ب) دوسروں کے اسلام میں شک نہ کرنا

تکفیر کے علاج کا ایک راستہ قرآن کی نظر میں یہ ہے کہ دوسروں کے اسلام میں شک نہ کیا جائے اور حتیٰ جنگ کے موقع پر بھی ان کے کفر کا حکم نہ لگایا جائے۔ قرآن اس سلسلے میں بیان کرتا ہے: " وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ

أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا"۔ (۲۷)۔ جو شخص اسلام و صلح کا اظہار کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

اس آیت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب کوئی اظہار اسلام کرے تو واجب ہے کہ اس کی بات قبول کی جائے اور اس کو کافر نہ سمجھا جائے۔ اور اس آیت کے اطلاق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو اسلام کا دعوی کر رہا ہے اس کے دعوے کو تقیہ یا خوف پر بھی حمل نہ کیا جائے بلکہ اس کے اس قول کو "کہ میں مسلمان ہوں" بغیر قید و شرط کے قبول کیا جائے۔

فخر رازی نے بھی اسلام کے معنی بیان کرنے کے ذیل میں بیضاوی ہی کی بات کو پیش کیا ہے۔ اسلام کے دو معنی ہیں: پہلے یہ کہ اسلام کا مطلب مسلمانوں پر تحیت ہے یعنی جب کوئی تم کو سلام کرے، سلام تحیت کہے تو یہ نہ کہو کہ اس نے پناہ حاصل کرنے کے لئے یہ جملہ کہا ہے اور ایسا نہ ہو کہ اس کی بات قبول نہ کرتے ہوئے اس پر تلوار اٹھالو اور اس کے مال پر قبضہ کرلو۔ بلکہ اس سلسلے میں اس سے دستبردار ہوتے ہوئے جو اس نے ظاہر کیا ہے اس میں اس کی بات قبول کرو۔ اور اسلام کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جو جنگ میں تم سے کنارے ہٹ جائے تو اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ (۲۸)

طبری نے سورہ نساء کی آیت کے اس حصے کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ جو شخص اظہار اسلام کرے اس کے ساتھ جنگ نہیں کی جاسکتی::

"ولاتقولوا لمن استسلم لکم فلم یقاتلکم مظهراً لکم انه من اهل ملتکم و دعوتکم لست مومناً"(۲۹) جو تمہارے سامنے تسلیم ہو جائے اور تم سے جنگ نہ کرے اور یہ ظاہر کرے کہ میں تمہارا دین رکھتا ہوں تو اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔

شوکانی نے آیت کے اس حصے کی بہت اچھی تفسیر کی ہے:

"وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ ۔۔۔ "اس آیت میں نہی سے مراد یہ ہے کہ "کافر جب اپنے اسلام کے بارے میں کسی چیز سے استدلال کرے" تو اس میں مسلمانوں کو جلد بازی یا غلط قدم اٹھانے سے روکا جائے نیز مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا جائے کہ وہ یہ کہیں کہ کافر کا اسلام ظاہر کرنا پناہ حاصل کرنے اور تقیہ کے لئے تھا۔ (۳۰)

لہٰذا اس آیت کے مطابق دوسروں کے بارے میں اسلام کا حکم لگانے میں اصل و معیار "ظاہر" ہے نہ کہ باطن یعنی کسی شخص کے کفر سے نکلنے کے لئے تظاہر بہ اسلام یعنی اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا کافی ہے۔

جیسا کہ علمائے اہل سنت اسی اصل کو قبول کرتے ہیں اور اس پر تاکید کرتے ہیں۔ شاطبی نے کتاب الموفقیات میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے: احکام میں اصل و بنیاد ظاہر پر حکم ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجودیکہ وحی کے ذریعہ منافق و غیر منافق کو جانتے تھے پھر بھی ظاہر کے مطابق عمل کرتے تھے۔ (۳۱)

دوسرا حصہ: ایمان کی توصیف اور ایمانی بھائی چارگی کی تاکید

الف: اصلی اور حقیقی ایمان سے واقف کرانا

افراد اور سماج و معاشرہ کو منحرف ہونے سے محفوظ رکھنے اور اس انحراف کے علاج کے لئے قرآن کا ایک طریقہ اصلی و حقیقی ایمان کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ خداوند عالم نے مسلمانوں کے ان گروہوں کو اہل ایمان کہا ہے جو آپس میں جنگ کی حالت میں ہیں:

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۳۲)

اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں جھگڑا کریں تو تم سب ان کے درمیان صلح کراؤ اس کے بعد اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے تو سب مل کر اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرنے والا گروہ ہے یہاں تک کہ وہ بھی حکم خدا کی طرف واپس آجائے پھر اگر پلٹ آئے تو عدل کے ساتھ اصلاح کردو اور انصاف سے کام لو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مومنین آپس میں بالکل بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ شاید تم پر رحم کیا جائے۔

ان آیات کا شان نزول مدینہ کے دو مشہور قبیلوں یعنی اوس و خزرج کے درمیان نزاع و اختلاف ہے۔

جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس آیت میں مسلمانوں کا آپس میں لڑنا جو کہ گناہان کبیرہ میں سے ہے، ان کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا سبب نہیں ہے۔ (۳۳)

بخاری بھی اس آیت اور دوسری آیات کی روشنی میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایک شخص گناہ کرنے کی وجہ سے اگرچہ وہ گناہ بڑا ہو پھر بھی دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا ہے۔ (۳۴) ثعلبی بھی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ آیات دلات کرتی ہیں کہ " بغی" (ظلم و زیادتی کرنا) ایمان کو ختم نہیں کرتا ہے اس لئے کہ خداوند عالم نے ان لوگوں کو گرچہ وہ اہل بغی ہیں لیکن ایمانی بھائی کہا ہے۔ (۳۵)

ابن قدامہ نے بھی ان آیات کے ذیل میں پانچ فائدے ذکر کئے ہیں: پہلا فائدہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان مسلمانوں کو جو آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کی حالت میں ہیں اور اہل بغی ہوگئے ہیں، ایمان سے خارج نہیں کیا ہے بلکہ ان کو مومن کہا ہے۔ (۳۶) عینی نے بھی اس آیت کے ذیل میں اشارہ کیا ہے کہ

خداوند عالم نے اہل قتال کو مومن قرار دیا ہے اور دائرۂ ایمان سے خارج نہیں کیا ہے۔ (۳۷) البانی بھی اس آیت کے ذیل میں اہل بغی کے کافر ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خداوند عالم نے اس آیت میں تجاوز و زیادتی کرنے والے گروہ کو جو مومن اور صاحبان حق کے ساتھ جنگ کرے، اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا ہے۔ (۳۸) بن باز نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مومنین کا آپس میں جنگ و جدال کرنا ان کو ایمان کے دائرہ سے باہر نہیں کرتا ہے اگرچہ ان کے ایمان کے کمزور و ضعیف ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ (۳۹) البتہ اہل سنت کی روایات میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہ جو آپس میں جنگ کی حالت میں ہوں ان دونوں گروہوں کو مسلمان کہا گیا ہے اور ان پر مسلمان ہونے کا اطلاق ہوا ہے مثلاً یہ روایت جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین "۔ (۴۰)

میرا یہ بیٹا (حسن مجتبیٰ علیہ اسلام) سید و سردار ہے، امید ہے کہ خداوند عالم اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں (لشکر امام حسن علیہ السلام و لشکر معاویہ) کے درمیان صلح برقرار کرے۔ گویا خداوند عالم نے ان دو گروہوں کے ایمان کی نفی نہیں کی ہے جو جنگ و جدال کی حالت میں ہیں اور کسی کو کافر قرار نہیں دیا ہے بلکہ ذکر کیا ہے کہ وہ (بظاہر) اہل ایمان ہیں اور یہ (ظاہری) ایمان ہے جو ان کے درمیان صلح کا سبب قرار پائے گا۔ اس لئے کہ اگر ایک گروہ کافر ہوتا تو صلح کے کیا معنی تھے۔ لہٰذا اس قرآنی منطق اور قرآنی روش و طریقے کی روشنی میں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کی تکفیر نہ کریں، کسی مسلمان کو کافر قرار نہ دیں اس لئے کہ خداوند عالم نے جنگ کرنے والے مسلمانوں کو بھی اہل ایمان میں شمار کیا ہے۔

ایک اعتراض کا جواب:

ہوسکتا ہے کہ یہاں پر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض صحیح روایات میں مسلمانوں کے آپس میں جنگ و قتال کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے لہٰذا ایسی صورت میں ان روایات کو ان آیات کے ساتھ جو اہل قتال کو مومن قرار دیتی ہیں کس طرح جمع کیا جائے؟ مثلاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث شریف میں ذکر ہوا ہے کہ "سباب المسلم فسوقٌ و قتالہ کفر" (۴۱)

مسلمان کو برا بھلا کہنا گالی دینا فسق ہے اور اس کے ساتھ جنگ و قتال کفر ہے۔

اسی طرح دوسری روایت میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لاترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض" (۴۲) میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ:

اولاً ان روایات میں اور اس طرح کی روایات میں کفر سے مراد، کفر اصغر ہے جو دین سے خارج ہونے کا سبب نہیں ہوتا ہے۔ برخلاف کفر اکبر کے جو دین سے خارج ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ کفر اصغر وہی کفر عملی ہے اور اس طرح کا کفر انسان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ قرآن وسنت میں جن گناہوں کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان پر کفر کا اطلاق ہوا ہے لیکن کفر اکبر کی حد تک نہیں پہنچتے ان میں سے کفران نعمت ہے۔ لیکن کفر اکبر انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کرکے اعمال کو برباد کر دیتا ہے۔ البتہ یہ تقسیم اہل سنت نے پیش کی ہے۔

ابن قیم جوزیہ نے اپنی کتاب مدارج السائلین میں کفر کی دو قسمیں اکبر واصغر کرنے کے بعد لکھا ہے: کفر اکبر جہنم میں خلود اور ہمیشہ رہنے کا سبب ہوتا ہے برخلاف کفر اصغر کے جو صرف مستحق عذاب ہے نہ کہ خلود جہنم کا سبب۔ (۴۳) سلسلۂ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے یہ روایت "سباب المسلم فسوقٌ وقتالہ کفر" اور اس طرح کی دیگر روایات کے سلسلے میں راہ حل پیش کرتے ہوئے ان کو کفر اصغر پر حمل کیا ہے اور اسی طرح "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون" (۴۴)، اور وہ لوگ جو خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہیں لگاتے وہ کافر ہیں"۔ اس آیت کے سلسلے میں ابن عباس کے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آیت میں کفر سے مراد ملت و دین سے خارج ہونا نہیں ہے اور یہ کافر اس کافر کی طرح نہیں ہے جو خداوند عالم، فرشتوں، کتابوں اور پیغمبروں کا انکار کرنے والا ہے۔ ابن تیمیہ نے بھی اسی طرح کی توجیہ پیش کی ہے۔ (۴۵)

ثانیاً: ان جگہوں پر لفظ کفر کا اطلاق، شدت تغلیظ اور انتہائی مذمت کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ جیسا کہ ابن حجر اس آیت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فدل علی ان بعض الاعمال یطلق علیہ الکفر تغلیظاً(۴۶)

یہ آیات دلالت کرتی ہیں کہ بعض اعمال پر کفر کا اطلاق تغلیظ و' شدت کے سبب ہے' حقیقی معنی یعنی دین سے خارج ہونے کے معنی میں نہیں ہے۔

لہٰذا یہ روایات دین سے خارج ہونے کے معنی والے کفر سے کوئی ربط نہیں رکھتی ہیں۔ یعنی یہ روایات اس کفر کو بیان نہیں کر رہی ہے جو دین سے خارج ہونے کے معنی میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے ان روایات میں وہ کفر مراد نہیں جو دین سے خارج ہونے کے معنی میں ہے کہ جس کی بناپر یہ کہا جائے کہ روایات مذکورہ آیات سے تعارض رکھتی ہیں بلکہ ان روایات میں کفر سے مراد کفر اصغر ہے جو ممکن ہے مسلمان بھی بعض گناہوں کے مرتکب ہونے کی وجہ سے اس کا مصداق قرار پائیں۔ اگر دینی متون اور روایات وغیرہ میں کسی فعل و عمل یا عقیدہ کے سلسلے میں کفر کا لفظ استعمال ہوا ہو تو ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ کفر اکبر کو بیان کررہا ہو یعنی ایسے کفر کو جو انسان کو دین سے خارج کردیتا ہے۔ لہٰذا تکفیر اور کسی کو کافر قرار دینے میں یہ توجہ رکھنا چاہئے کہ ہم آیات و روایات کے صرف ظاہر سے سہارا لینے کی کوشش نہ کریں اور ہر کفر کو کفر اکبر پر حمل نہ کریں۔ مسلمانوں کے آپس میں جنگ وجدال کو کفر کہا گیا ہے لیکن قطعاً یہ کفر، کفر اکبر نہیں ہے بلکہ کفر اصغر ہے۔

(ب) اہل نزاع کے درمیان صلح و صفائی کا حکم

جنگ میں بر سرپیکار دو گرہوں کے درمیان اختلاف کو دور کرنے کا سب سے پہلا راستہ جسے قرآن نے بھی پیش کیا ہے یہ ہے کہ دونوں کے درمیان صلح وآشتی کرائی جائے ارشاد خداوندی ہے: "فاصلحوا بینهما" (۴۷) یہ حکم خداوند عالم کی طرف سے مومنین کے لئے تاکید ہے کہ جنگ کررہے دو گروہوں کے درمیان صلح قائم کریں اور ان کو کتاب خدا کی طرف دعوت دیں۔ جیسا کہ مفسرین نے اس جانب اشارہ کیا ہے: مثلاً جصاص کا کہنا ہے: یہ حالت جنگ میں مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان اصلاح و بھائی چارہ قائم کرنے کا حکم ہے اور کتاب وسنت اور بغی سے پلٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۴۸)

اس آیت میں صلح وآشتی کا حکم ایک عمومی حکم ہے جو اختلاف و جھگڑا کررہے دو گروہوں کے درمیان انجام دیا جائے گا۔ اس میں نہ ہی کسی ایک طرف میلان و رجحان ہونا چاہئے یا نہ ہی کسی کو کافر قرار دیا جانا چاہئے۔ ضروری ہے کہ دونوں کے درمیان عدالت و انصاف کے ساتھ صلح کرائی جائے۔ صرف اس وقت کہ جب ایک گروہ دوسرے پر بغی اور ظلم وزیادتی کرے اور حکم خدا نہ مانے تو اس سے جنگ کی جائے تاکہ حکم خدا کے آگے سر جھکادے۔ جیسا کہ مفسرین نے بھی اس مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۴۹)

اس صلح کی تو اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ ایک ہی آیت میں دو مرتبہ تکرار ہوئی ہے۔ ایک یہ کہ آغاز جنگ میں ان کے درمیان صلح کی کوشش کرو دوسرے یہ کہ اگر تجاوز وزیادتی کرنے والا گروہ جنگ کے بعد اصلاح کا امکان رکھتا ہو تو ان کے درمیان عدالت و انصاف کے ساتھ صلح کراؤ۔ اس آیت میں اہم نکتہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے ان کے کفر کا حکم نہیں لگایا ہے بلکہ ان کے ساتھ اہل ایمان والا برتاؤ کیا ہے۔ اس صلح کی تکرار بعد والی آیت میں بھی ہوئی ہے" فاصلحوا بین اخویکم۔ "اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ" تاکہ مسلمانوں کو باور کرائے کہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ واختلاف سے صلح وآشتی بہتر ہے لہٰذا

ان آیات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ افراد یا گروہوں کے درمیان نزاع واختلاف کی صورت میں صلح کرانے میں کسی پر کفر کا حکم نہ لگایا جائے بلکہ ان کے ساتھ اہل ایمان والا رویہ اپنایا جائے۔

(ج) ایمانی بھائی چارگی کی تاکید

ایک دوسرے کی تکفیر سے روکنے اور اس کو ختم کرنے کا ایک قرآنی راستہ مسلمانوں کے گروہوں کے درمیان ایمانی بھائی چارگی کی تاکید ہے۔ خداوند عالم نے صریحی طور پر مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے: "انّما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتّقوا اللہ لعلّکم ترحمون" (۵۰)

مومنین آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور خدا سے ڈرو، شاید تم پر رحم کیا جائے۔

عقیدہ و دین میں بھائی ہونا، نسب میں بھائی ہونے سے کہیں مضبوط تر و پائیدار تر ہے اس لئے کہ نسب میں بھائی ہونا دین کی مخالفت کی صورت میں ختم ہو جاتا ہے لیکن دین میں بھائی ہونا نسب کے منقطع ہونے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا۔ (۵۱) اسی وجہ سے خداوند عالم آپس میں جنگ میں مصروف مومنین کو تاکید کر رہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں تاکہ ان کے درمیان اصلاح کرے۔ گویا خداوند عالم اس بات کی تاکید کر رہا ہے کہ مومنین جو آپسمیں جنگ کی حالت میں ہیں وہ نسب و ولادت میں ایک دوسرے کے بھائی کی طرح ہیں۔

ابن تیمیہ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

باوجودیکہ مسلمان آپسمیں جنگ کی حالت میں ہیں پھر بھی ان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے جبکہ خود خداوند عالم نے اہل بغی و شر پسند کے ساتھ قتال کا حکم دیا ہے لیکن ہر بغی و ہر ظلم، عموم افراد کو ایمان کے دائرہ سے خارج نہیں کرتا ہے۔ (۵۲)

ذہبی نے بھی لکھا ہے: یہ آیت آپس میں جنگ کر رہے مومنین کو اہل ایمان قرار دے رہی ہے اور خبر دی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ (۵۳)

کتاب اعلام السند مومنین میں بھی ذکر ہوا ہے کہ خداوند عالم نے اس آیت کے ذریعہ مومنین کو ایمان سے متصف کیا ہے اور ان کو برادر ایمانی، کہکر خطاب کیا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کے ایمان کی ذرہ برابر نفی نہیں کی (۵۴)۔ سعدی نے آیت کے اس حصے کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہ خداوند عالم کے عہد و پیمان میں سے ہے جو مومنین کے درمیان اس بات پر ہے کہ اگر کوئی شخص دنیا کے کسی کونے میں خدا، ملائکہ، کتب، پیغمبران خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ مومنین کا دینی بھائی ہے اور اخوت سبب بنتی ہے کہ مومنین جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہ اپنے دینی بھائی کے لئے بھی پسند

کریں اور جو بات اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں وہ ان کے لئے بھی ناپسند کریں۔ انہوں نے اس اخوت و بھائی چارگی کو مومنین کے درمیان جنگ و اختلاف سے بچنے کا راستہ بیان کیا ہے اس طریقہ سے کہ مومنین کو چاہیئے اپنے درمیان اصلاح کریں۔ (۵۵)

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان آیات کا شان نزول اور سیاق و سباق مومنین کے دو گروہوں کے درمیان جنگ و اختلاف کے سلسلے میں ہے لیکن خداوند عالم نے دونوں گروہوں کو مومن کہہ کر خطاب کیا ہے اور ان کو ایک دوسرے کا بھائی کہا ہے جبکہ وہ لوگ گنہگار اور اہل بغی تھے۔ اسی طرح اہل سنت کی حدیثی، تفسیری، تاریخی اور اعتقادی کتابوں میں کثرت سے روایات موجود ہیں جن میں حضرت علی علیہ السلام نے جمل، صفین اور نہروان والوں کو جو حضرت کے خلاف برسرپیکار تھے کافر نہیں قرار دیا بلکہ ان کو اپنا بھائی کہہ کر خطاب کیا ہے ان کو صرف اہل بغی اور نافرمان بتایا ہے۔ تفسیر بغوی میں آیا ہے کہ: ان علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سئل۔ وھو القدوۃ فی قتال اھل البغی۔ عن اھل الجمل و صفین أمشرکون ھم؟ فقال لا من الشرک فروا، فقیل، أَمنافقون ھم فقال: لا ان المنافقین لا یذکرون اللہ الا قلیلاً قیل: فما حالھم قال: اخواننا بغوا علینا۔ (۵۶)

حضرت علی علیہ السلام جو اہل بغی کے ساتھ جنگ میں پیشوا و سردار تھے آپ سے اہل جمل و صفین کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ مشرک ہیں؟ حضرت نے فرمایا: انہوں نے شرک سے فرار اختیار کی ہے، پوچھا گیا، کیا وہ منافق ہیں؟ حضرت نے فرمایا: منافق ذکر خدا نہیں کرتا مگر بہت معمولی، سوال کیا گیا: تو پھر ان کی حالت کیا ہے؟ فرمایا: وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت و نافرمانی کی ہے۔

اسی طرح کی روایت نہروان والوں کے بارے میں بھی نقل ہوئی ہے۔ (۵۷)

واضح رہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی ان گروہوں کے خلاف جنگ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صریحی حکم کے مطابق تھی۔ جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "عھد الی رسول اللہ فی قتال الناکثین والقاسطین والمارقین"۔ (۵۸)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ناکثین و قاسطین و مارقین کے خلاف جنگ کے لئے عہد لیا۔

یہ روایت اہل سنت کی دسیوں کتابوں میں متعدد اسناد کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

ان روایات کے مطابق حضرت نے جمل، صفین اور نہروان والوں کے ساتھ اسلام والا معاملہ کیا ہے اور ان کے ظاہری ایمان پر حکم لگاتے ہوئے ان کو اپنا بھائی خطاب کیا ہے ورنہ معاویہ جیسے افراد یقیناً

باطنی طور پر کافر تھے جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے خود اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے آپ نہج البلاغہ میں اپنے مکتوب نمبر ۱۶ میں ارشاد فرماتے ہیں:

۔۔۔ وَاَعْطُوا السُّیُوفَ حَقُوقَها. وَ وَطِّئُوا لِلْجُنُوبِ مَصارِعَها، وَاذْمُرُوا اَنْفُسَکُمْ عَلَی الطَّعْنِ الدَّعْسِیِّ، وَالضَّرْبِ الطِّلَحْفِی، وَاَمیتُوا، الاَصْواتَ فَاِنَّهُ اَطْرَدُ لِلْفَشَلِ. فَوَالَّذی فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَاَ النَّسَمَةَ، ما اَسْلَمُوا وَلکِنِ اسْتَسْلَمُوا وَاَسَرُّوا الْکُفْرَ، فَلَمّا وَجَدُوا اَعْواناً عَلَیْهِ اَظْهَرُوهُ. (۵۹)

۔۔۔ تلواروں کو ان کا حق دے دو اور پہلو کے بَل گرنے والے دشمنوں کے لئے مقتل تیار رکھو۔ اپنے نفس کو شدید نیزہ بازی اور سخت ترین شمشیر زنی کے لئے آمادہ رکھو اور آوازوں کو مردہ بنا دو کہ اس سے کمزوری دور ہو جاتی ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا ہے، اور جاندار چیزوں کو پیدا کیا ہے کہ یہ لوگ اسلام نہیں لائے ہیں بلکہ حالات کے سامنے سپر انداختہ ہو گئے ہیں اور اپنے کفر کو چھپائے ہوئے ہیں اور جیسے ہی مددگار مل گئے ویسے ہی اظہار کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے جو لوگ آپ سے لڑ رہے تھے باطن میں ان کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے لیکن ظاہر میں چونکہ اظہار اسلام کیا تھا اس لئے ان کے ساتھ اسلامی سلوک کیا اور ان کو اپنا بھائی خطاب کیا اور ظاہر میں ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا۔

قرآن کریم نے مومنین کو بھائی قرار دے کر بالخصوص جنگ و نزاع کی صورت میں، مومن کی تکفیر سے روکا ہے اور جو لوگ اہل بغی ہیں ان کو ایمان سے خارج نہیں سمجھا ہے بلکہ ان کو بھائی خطاب کرکے چاہا ہے کہ اختلاف و تفرقہ کو روکے اور اس کام میں ان کے لئے صلح کو پیش کرے۔ جیسا کہ دوسری آیات میں قاتل اور ولی دم کو ایک دوسرے کا بھائی کہا ہے:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلَی الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَیٰ بِالْأُنثَیٰ فَمَنْ عُفِیَ لَهُ مِنْ أَخِیهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَیْهِ بِإِحْسَانٍ ذَٰلِکَ تَخْفِیفٌ مِّن رَّبِّکُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَیٰ بَعْدَ ذَٰلِکَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِیمٌ۔ (۶۰)

ایمان والو! تمہارے اوپر مقتولین کے بارے میں قصاص لکھ دیا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، اب اگر کسی کو مقتول کے وارث کی طرف سے معافی مل جائے تو نیکی کا اتباع کرے اور احسان کے ساتھ اس کے حق کو ادا کر دے. یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے حق میں تخفیف اور رحمت ہے لیکن اب جو شخص زیادتی کرے گا اس کے لئے دردناک عذاب بھی ہے۔

تیسرا حصہ: مسلمان کے خون کی عظمت واہمیت اور اس کی حفاظت کی تاکید

الف) مومن کا قتل تمام لوگوں کے قتل کے برابر۔

سب سے اہم چیز جو کسی مسلمان کے خون کے حلال ہونے کا سبب بنتی ہے وہ تکفیر ہے اور تکفیر کا مطلب ہے اہل قبلہ کی طرف کفر کی نسبت دینا۔ قرآن کریم میں قتل و غارت کی اتنی زیادہ مذمت ہوئی ہے کہ ناحق ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے اور ایک شخص کے حیات دینے کو پوری بشریت کو حیات دینے کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ناحق کسی مسلمان کا خون بہائے جانے سے روکنے کے لئے ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل جانا ہے:

"مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ"۔ (۶۱)

ترجمہ: اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو شخص کسی نفس کو کسی نفس کے بدلے یا روئے زمین میں فساد پھیلانے کی سزا کے علاوہ قتل کر ڈالے اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے ایک نفس کو زندگی دے دی اس نے گویا سارے انسانوں کو زندگی دے دی اور بنی اسرائیل کے پاس ہمارے رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے مگر اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہی رہے۔

مقصد یہ ہے کہ ایک شخص کا قتل، تمام لوگوں کے قتل کے برابر ہے۔ اور شک نہیں کہ یہاں عمدی قتل کی مذمت اور اس کی سزا کی سختی کو بیان کرنا اور اس کام کو بہت بڑا پیش کرنا مقصود ہے جیسا کہ تمام مخلوق کا قتل ہر ایک کے لئے بہت بڑی بات ہے اسی طرح ایک شخص کا بھی قتل ہے۔ فخر رازی نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۶۲)

قرطبی نے بھی ابن عباس سے اس طرح نقل کیا ہے:

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایک انسان کو قتل کرے اور حرمت کا خیال نہ رکھے گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا ہے۔ اور اگر کوئی ایک انسان کے قتل سے اپنے کو روکے اور اس کے خون کو خوف خدا کی وجہ سے محفوظ رکھے گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی عطا کی ہے۔ (۶۳)

سعدی نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

اگر کوئی ایسے شخص کو قتل کرنے کے لئے اقدام کرے جو قتل کا مستحق نہیں ہے، یہ آیت اعلان کر رہی ہے اس مقتول اور دوسرے افراد میں کوئی فرق نہیں ہے یہ نفس امارہ ہے جو قاتل کو قتل کرنے کے لیے وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ اگر قاتل یہ کام انجام دے گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خوف خدا کی وجہ سے ایسے شخص کو قتل کرنے سے اپنے کو روک لے جس کے قتل کرنے کے لئے نفس امارہ وسوسہ کر رہا ہے تو گویا اس نے تمام انسانیت کو زندہ کیا ہے۔ (۶۴)

البتہ بعض مفسرین کا یہ نظریہ ہے کہ: "وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا"۔ میں احیا اور زندہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی شخص کی بقاء و نجات کا سبب بنے چاہے اس شخص کے قاتل کو روک کر یا خطرات سے نجات دے کر۔ (۶۵)

بہت زیادہ روایات اسی آیت کی تائید میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناحق خون بہانے سے منع فرمایا ہے یہاں دو روایات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے:

"لا یزال المومن فی نفسہ من دینہ مالم یصیب دما حراما" (۶۶)

مومن اپنے دین اسلام کی جانب سے ہمیشہ فائدہ حاصل کرتا ہے جب تک کہ ناحق خون نہ بہائے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ:

"من قتل معاھداً لم یرح رائحۃ الجنۃ" (۶۷)

جو بھی ایسے شخص کو ناحق قتل کر دے جو اسلام کی پناہ میں ہے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

(ب) دوزخ، قاتل مومن کے انتظار میں

خداوند عالم نے ایک دوسری آیت میں قتل و خونریزی سے روکنے کے لئے قاتل کے لئے بہت سخت عذاب کو بیان کیا ہے تاکہ اس ذریعہ سے بھی مومن کی جان محفوظ رہنے کی اہمیت کو پیش کیا جائے:

" وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا"۔ (۶۸)

اور جو بھی کسی مومن کو قصداً قتل کر دے گا اس کی جزا جہنم ہے۔ اسی میں ہمیشہ رہنا ہے اور اس پر خدا کا غضب بھی ہے اور خدا لعنت بھی کرتا ہے اور اس نے اس کے لئے عذاب عظیم بھی مہیّا کر رکھا ہے۔

قرآن کریم نے اس آیت میں اس شخص کے لئے سزاؤں کا تذکرہ کیا ہے جو کسی مومن کو عمداً قتل کر دے:

(۱) جہنم کی سزا (۲) دوزخ میں ہمیشہ رہنا۔ (۳) غضب خدا (۴) لعنت خدا۔ (۵) عذاب عظیم۔

گویا جرم کے بہت سخت اور بہت بڑے ہونے کی جانب اشارہ ہے جیسا کہ وہابی مفتی ابن عثیمین نے بھی اسی آیت کے ذیل میں اس بات کو بیان کیا ہے:

ان العمد اعظم جرماً من ان تدخله الکفارة ولیس فیه إلا هٰذا الوعید الشدید وهٰذا القول اصح (۶۹)
بیشک عمداً قتل کا جرم اتنا سخت اور بڑا ہے کہ اس پر کفارہ بھی نہیں ہو سکتا اور اس قتل کا کوئی بھی چیز جبران نہیں کر سکتی سوائے وعدۂ عذاب کے۔ یہ صحیح ترین قول ہے۔

جیسا کہ مذکورہ دو آیات میں ملاحظہ ہوا کہ خداوند عالم نے کسی بھی مسلمان کے قتل کو بہت بڑا جرم بتا کر، نفس کی حفاظت کی جانب خصوصی توجہ کرتے ہوئے اور مومن کے قاتل کے لئے سخت عذاب و سزا معین کرکے مومنین کے حقوق کے سلسلے میں تجاوز و زیادتی کو روکنا چاہا ہے اور بالخصوص ان کے نفوس کی اہمیت اور ان کی حفاظت کا پیغام دیا ہے۔ لیکن تکفیری گروہوں نے دوسروں کو کافر قرار دے کر اور ان آیات کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلمانوں، جن میں بچے بڑے، عورت مرد سب شامل ہیں ان سب کے ناحق خون کو بہایا جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

چوتھا حصہ: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم

ریسمان الٰہی کو پکڑنے اور تفرقہ واختلاف سے دوری، تکفیر کے علاج اور اس وبا سے نجات پانے کے لئے بہترین راستہ ہے لہٰذا قرآن نے ایک راستہ بتایا کہ تمام مسلمان کتاب خدا و سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہوں اور اختلاف و تفرقہ سے دوری اختیار کریں:

"وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ"۔ (۷۰)

اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم جہنم کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں نکال لیا اور اللہ اسی طرح اپنی آیتیں بیان کرتا ہے کہ شاید تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔

طبری نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ: اپنے کو ریسمان خدا سے لٹکا لو، دین الٰہی اور عہد و پیمان (یعنی الفت و محبت، حق پر متفق اور جمع ہونا، امر الٰہی کے آگے تسلیم ہونا کہ ان چیزوں کے بارے میں کتاب خدا میں عہد لیا گیا ہے) سے تمسک کرو۔ (۷۱) خداوند عالم نے اتحاد کا حکم دینے کے بعد تفرقہ و اختلاف سے بھی منع کیا ہے ارشاد ہے: "وَلَا تَفَرَّقُوا"

یعنی خدا کے دین اور اس کے ساتھ کئے گئے عہد (خدا اور رسولؐ کی اطاعت و پیروی میں متحد رہنا) سے جدا نہ ہو۔ (۷۲)

قرطبی نے بھی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: فان اللہ تعالیٰ یامر بالالفة وینھی عن الفرقة فان الفرقة ھلکة والجماعة نجاة (۷۳)

خداوند عالم نے الفت و بھائی چارگی کا حکم دیا ہے اور اختلاف و تفرقہ سے منع فرمایا ہے اس لئے کہ تفرقہ میں ہلاکت اور جماعت و اتحاد میں نجات ہے۔

ایک دوسری آیت میں خدا و اس کے رسول کی اطاعت و پیروی کا حکم دینے کے بعد اختلاف و تفرقہ کے نتیجے کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ قدرت و شوکت ختم ہو جاتی ہے:

"وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ رَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَ تَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ"(۷۴)۔

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ اور تمہاری ہوا بگڑ جائے اور صبر کرو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اختلاف و تفرقہ سب سے بڑا سبب ہے ضعف و کمزوری کا۔ تفرقہ کا سبب ہونے والی چیزوں میں سے ایک، مسلمانوں کی تکفیر ہے۔ لیکن کتاب خدا و سنت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمسک مسلمانوں کے درمیان وحدت و ہمدلی کے اسباب میں سے ہے اور مسلمانوں کے ایک دوسرے سے جدائی کے راستہ کو بند کر دیتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی اس موضوع کی جانب اشارہ کیا ہے اور خدا و رسولؐ کی طرف رجوع و بازگشت کو اختلاف کے دور ہونے کا راستہ بیان کیا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا"۔ (۷۵)

ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو رسول اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں پھر اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف پلٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہو۔ یہی تمہارے حق میں خیر اور انجام کے اعتبار سے بہترین بات ہے۔

لہٰذا قرآنی دستورات و احکامات میں سے ایک یہ ہے کہ تمام امت مسلمہ آپس میں متحد رہے۔ اس قرآنی تعلیم کے مقابلے استعمار کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالا جائے اور انہیں آمادہ کیا جائے کہ ایک دوسرے کی تکفیر و لعن کریں۔

تکفیر (کسی کا کوفر قرار دینا) ،خداورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق

تکفیری وبا کو روکنے کے لئے قرآنی تعلیمات اور قرآنی علاج کو پیش کرنے کے بعد ضروری ہے کہ یہ بیان کیا جائے، کون لوگ تکفیر کا حق رکھتے ہیں؟ کیا ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ دوسرے کو کفار کے گروہ میں داخل کرے؟ اور تکفیر کس وقت جائز ہے؟

علماء کے مطابق تکفیر کا مسئلہ شرعی ہے جو خدا اور رسولؐ کے اختیار میں ہے۔ شہرستانی نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

" لان التکفیر حکم شرعی" (۷۶) اس لئے کہ تکفیر حکم شرعی ہے۔ امام قرانی بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ تکفیر ایک شرعی مسئلہ ہے عقلی نہیں۔ (۷۷) ابن حجر ہیثمی نے لکھا ہے:

التکفیر حکم شرعی سببہ جحد (۷۸) تکفیر حکم شرعی ہے جس کا سبب جحد اور انکار ہے۔

ابن تیمیہ جو وہابیت کے فکری و عقیدتی رہبر کے عنوان سے مشہور ہیں انہوں نے بھی تکفیر کو فقہی مسئلہ قرار دیا ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ تکفیر، خدا کا حق ہے، کسی کو حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے کو کافر قرار دے اور اس خدائی حق میں تجاوز کرے اور تکفیر کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جس میں خدا اور رسول ہی اظہار نظر کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب الاستغاثہ میں لکھا ہے:

"علم وسنت والے اپنی مخالفین کی تکفیر نہیں کرتے خواہ مخالف اس علم وسنت والے کی تکفیر کرے۔ اس لئے کہ کفر ایک شرعی حکم ہے لہٰذا انسان کو حق حاصل نہیں ہے کہ اس بارے میں مقابلہ بہ مثل کرے اور اس کی تکفیر کرے۔ جیسا کہ اگر کوئی تمہاری تکذیب کرے یا تمہارے اہل کے ساتھ تجاوز کرے تو تم کو حق نہیں ہے کہ اس کی تکذیب کرو یا اس کے اہل کے ساتھ تجاوز کرو۔ اس لئے کہ جھوٹ اور زنا حق اللہ ہے۔ اسی طرح تکفیر بھی حق اللہ ہے اور کسی کو تکفیر کا حق حاصل نہیں ہے۔ صرف خدا و اس کے رسولؐ تکفیر کر سکتے ہیں اس طرح کسی بھی شخص کی تکفیر اور اس کے قتل کا جواز، اس بات پر موقوف ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دلیل موجود ہو کہ اس کے مخالف کی تکفیر جائز ہے۔ ورنہ جو بھی دین سے جاہل ہو اس کی تکفیر نہیں ہوتی" ۔ (۷۹)

انہوں نے دوسری جگہ لکھا ہے کہ یہ وجوب و تحریم، ثواب و عقاب، تکفیر و تفسیق خدا و رسولؐ کا کام ہے۔ اور کوئی بھی اس سلسلے میں دخالت نہیں کر سکتا۔ (۸۰)

اسی طرح دوسری جگہ لکھا ہے کہ کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ کسی مسلمان کی تکفیر کرے چاہے اس نے غلطی ہی کی ہو مگر یہ کہ اس تکفیر پر دلیل موجود ہو۔ (۸۱)

ابن تیمیہ کے مشہور شاگرد ابن قیم کہتے ہیں : الکفر حق اللہ ثم رسولہ بالشرع یثبت لا بقول فلان(۸۲)

کفر حق خدا ہے پھر خدا کے رسولؐ کا حق ہے جو شریعت سے ثابت ہے کسی کے کہنے سے نہیں۔

وہابیوں کے بزرگ عالم، ابن عثیمین بھی تکفیر کو خدا و رسولؐ کا حق قرار دیتے ہوئے معتقد ہیں کہ جو کسی کی تکفیر کرے در حقیقت خود وہ کافر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

خدا کی پناہ، جو لوگ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں وہ امت مسلمہ سے خارج ہیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ کفار میں سے ہیں اس لئے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اگر کوئی اپنے بھائی سے کہے۔ : اے کافر! دو ہی صورتیں ہیں : جس کی تکفیر کی گئی ہے اگر وہ واقعی طور پر کافر ہو تو وہ کافر ہے لیکن اگر تکفیر ہونے والا کافر نہ ہو تو کہنے والا کافر ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنی زبان و قلب کو مسلمانوں کی تکفیر سے محفوظ رکھے، اور یہ تکفیر، خدا و اس کے رسولؐ کا حق ہے وہ جس کی تکفیر کریں وہ کافر ہے چاہے ہمارے نزدیک مسلمان ہو اور وہ جس کی تکفیر نہ کریں وہ مسلمان ہے چاہے کوئی کہے کہ وہ شخص کافر ہے۔(۸۳)

ولید بن راشد بن عبد العزیز السعیدان نے کتاب الاجماع العقدی میں ۱۶۱۹ ایسے مسائل جمع کئے ہیں جو اہل سنت کے درمیان متفق علیہ ہیں۔ انہوں نے تکفیر کو بھی ان مسائل میں سے قرار دیا ہے جس پر اہل سنت کا اتفاق ہے کہ یہ شارع کا حق ہے، وہ لکھتے ہیں:

" واجمعوا علی ان التکفیر حق الشارع فلا نکفر الا من کفرہ اللہ تعالیٰ و رسولہ " (۸۴) ۔

اہل سنت کا اجماع ہے کہ تکفیر، شارع کا حق ہے (یعنی کسی کو کافر قرار دینے کا حق صرف شارع کو ہے) ۔ ہم کسی کی تکفیر نہیں کرتے، کسی کو کافر قرار نہیں دیتے صرف اس کو جس کو خدا و رسولؐ نے کافر قرار دیا ہو۔

حمد محمد بوقرینی بھی تکفیر کو ایک شرعی مسئلہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں : تکفیر و کافر قرار دینے میں کسی کی ذاتی و شخصی رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لئے کہ یہ مسئلہ شرعی ہے نہ کہ عقلی، لہٰذا کافر وہی ہے جس کو خدا و رسولؐ کافر، سمجھیں۔(۸۵)

لہٰذا جب معلوم ہو گیا کہ تکفیر حق ہے خدا و رسولؐ کا، تو اب کسی کو اس سلسلے میں حدود الٰہی سے تجاوز کرنے کا یا صرف اسی وقت کسی کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے جب شرع کی جانب سے اس کے پاس کوئی قطعی دلیل ہو۔ جیسا کہ علمائے اہل سنت نے اس بات کا اقرار کیا ہے۔ ذہبی بھی تکفیر کو صرف اسی وقت جائز سمجھتے ہیں کہ جب دلیل قطعی ہو۔ وہ علماء کو خطاب کرکے کہتے ہیں : فما ینبغی لک یا فقیہ ان تبادر الی

تکفیر المسلم الا ببرھان قطعی۔ (۸۶) اے فقیہ ! تمہارے لئے ہر گز سزاوار نہیں ہے کہ کسی مسلمان کی تکفیر کرو مگر اسی وقت کہ جب تمہارے پاس قطعی دلیل موجود ہو۔ اہل سنت کے بزرگ عالم شوکانی بھی واضح و روشن دلیل کے ساتھ تکفیر کو جائز قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں: میرا کہنا ہے کہ کسی مسلمان کے بارے میں یہ حکم لگانا صحیح نہیں ہے کہ وہ دین سے خارج ہو گیا ہے اور کفر میں داخل ہو گیا ہے۔ خاص طور پور سے ایسے شخص کے لیے جو خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے جب تک کہ بالکل واضح و روشن دلیل نہ ہو۔ (۸۷)

عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے بھی اس بارے میں لکھا ہے :

" تکفیر کے مسئلہ میں واجب ہے کہ کوئی اپنی زبان پر ایک حرف بھی نہ لائے جب تک کہ خدا کی طرف سے علم و برہان نہ ہو۔ اور کسی کو اپنی سمجھ اور استحسان عقلی کی بنیاد پر دین اسلام سے خارج کرنے سے اجتناب کرے۔ اسلئے کہ دین اسلام سے کسی کو خارج کرنا یا کسی کو دین اسلام میں داخل کرنا بہت بڑا دینی امر ہے۔" اور تاکید کی ہے کہ تکفیر کے مسئلے میں معصوم یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے نص ہونا ضروری ہے۔ ممکن ہے شیطان نے بہت سے افراد کو اس سلسلے میں فریب دیا ہو جو انہوں نے اس شخص کو مسلمان سمجھا جس کے بارے میں کتاب و سنت و اجماع نے کافر ہونے کا حکم لگایا تھا اور اس کو کافر قرار دیا جسے کتاب و سنت و اجماع نے مسلمان قرار دیا تھا۔" (۸۸)

اسی طرح ابن الوزیر جو یمن کے عظیم علماء میں سے ہیں، انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر کسی کے کافر ہونے پر دلیل بھی موجود ہو پھر بھی تکفیر کے سلسلے میں احتیاط کرنا چاہئے وہ لکھتے ہیں :

جمہور علماء جب اس شخص کی تکفیر میں احتیاط کا حکم لگاتے ہیں جس کے بارے میں کفر پر دلیل موجود ہو تو ایسے شخص کے بارے میں جس کے کفر پر کوئی نص و دلیل نہ ہو بدرجہ اولیٰ احتیاط و تقویٰ کا خیال کرنا چاہئے۔

آگے وہ اس بات کا بھی جواب دیتے ہیں کو نص کے موجود ہونے کی صورت میں بھی تکفیر سے اجتناب کرنا چاہئے۔ عدم تکفیر کی سب سے اہم دلیل حضرت علی علیہ السلام کے ذریعہ خوارج کی تکفیر نہ کرنا ہے۔

پھر وہ لکھتے ہیں: باوجودیکہ خوارج حضرت سے بغض و کینہ رکھتے تھے اور یہ دشمنی ان کے نفاق کی، دلیل تھی اور باوجودیکہ وہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی تکفیر کر رہے تھے لیکن حضرت نے ان کی تکفیر نہیں کی ان کو کافر نہیں کہا۔ (۸۹)

اب تک جو باتیں میں نے اہل سنت وہابیوں کے بزرگ علماء سے نقل کی ہیں ان سے واضح ہو گیا کہ تکفیر (کسی کو کافر قرار دینا)، خدا کا حق ہے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی کسی کو

کافر قرار نہیں دے سکتا صرف اس صورت میں کہ شرعی و قطعی (نہ کہ ظنی) دلیل، موجود ہو۔ اور دلیل قطعی کے ہونے کے باوجود بھی احتیاط ہی کرنا چاہئے اور اگر بغیر دلیل کسی مسلمان کی تکفیر کرنے سے تو خود وہ کافر ہو جاتا ہے جیسا کہ ابن عثیمین نے اشارہ کیا ہے۔

تکفیریوں کا طریقہ اور مسلمانوں کی تکفیر قرآن کی مخالفت

اسلامی تاریخ میں تکفیر کا ماضی ہے لیکن وہابی فرقہ کا وجود میں آنا اسلامی مذاہب کے درمیان تکفیر کی بحث کا وجود میں آنے کا آغاز ہے جب سے وہابی فرقہ وجود میں آیا ہے اس وقت سے اسلامی مذاہب کے درمیان مسلمانوں کو کافر قرار دینے کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس لئے کہ وہابیت کے وجود میں آنے سے پہلے کسی بھی اسلامی فرقہ کا مذہبی و بنیادی عقیدہ تکفیر نہیں تھا صرف وہابیوں ہی کی یہ منطق اور طریقہ ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دینے اور تکفیر کو اہمیت دیتے ہیں۔

وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ صرف وہی مسلمان ہیں بقیہ جو بھی ان کے عقائد و نظریات کے خلاف ہے وہ مشرک ہے اسی وجہ سے وہ اہل سنت اور علمائے اسلام کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں۔ (۹۰) مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے اپنی کتاب میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور آلوسی نے بھی اپنی کتاب تاریخ نجد میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہابیوں نے مسلمانوں کو حج سے روکا اور ان کو کافر قرار دینے میں زیادہ روی کی۔ (۹۱) کتاب السحب والوائلہ میں بھی ذکر ہوا ہے کہ جو بھی محمد بن عبد الوہاب کی مخالفت کرتا یہ لوگ اس کی تکفیر کرتے اور اس کے خون کو مباح قرار دیتے۔ (۹۲) البتہ محمد بن عبد الوہاب کے بھائی نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا بھائی ہر اس شخص کو کافر سمجھتا تھا جو ان کا مخالف ہو۔ (۹۳)

وہابی مورخ ابن غنام نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ: بارہویں صدی کے آغاز میں یعنی محمد بن عبد الوہاب کے قیام سے پہلے اکثر مسلمان مشرک تھے اور ارتداد جاہلیت کی طرف پلٹ چکے تھے۔ (۹۴) مؤلف نے اس کتاب میں محمد بن عبد الوہاب کی بہت زیادہ تعریف و تمجید اور حمایت کی ہے۔

وہابی علماء، آل شیخ کے راستے کی پیروی کو تنہا نجات کا راستہ سمجھتے ہیں اور اپنے مخالفین کو گمراہ و اہل جہنم قرار دیتے ہیں۔ (۹۵) اسی تکفیر اور دوسروں کو کافر قرار دینے ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے مردوں، عورتوں اور بچوں کے خون کو اپنے اوپر حلال سمجھا جیسا کہ جبرتی نے اپنی تاریخی کتاب میں اس بربریت کی طرف اشارہ کیا ہے: مردوں کو قتل کیا اور عورتوں و بچوں کو قیدی بنایا، کہ وہابیوں کا یہی طریقہ ہے۔ (۹۶)

ابن بشیر نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ وہابیوں نے اسلامی ممالک میں ہزاروں بے گناہ افراد کا خون بہایا ہے۔ (۹۷)

وہابیوں نے مسلمانوں کو کافر قرار دے کر قرآن کے اس حکم کی مخالفت کی جس میں مومنین کے درمیان بھائی چارے کا حکم دیا گیا اور مسلمانوں کی تکفیر سے منع کیا گیا۔ وہ مومنین کے ناحق خون کو زمین پر بہا رہے ہیں جس سے قرآن نے شدت سے روکا ہے۔ یہ تو قرآن و منطق کی عین مخالفت ہے۔ اہل سنت بھی طول تاریخ میں وہابیوں کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہے جبکہ طول تاریخ میں شیعہ حضرات سب سے زیادہ اس تکفیر کی قربانی کی نذر ہوئے۔ یہاں تک کہ محمد بن عبد الوہاب نے نہ صرف شیعوں کو بے وجہ کافر قرار دیا، بلکہ ان کے کافر ہونے میں شک کرنے والوں کو بھی کافر جانا ہے وہ لکھتا ہے: ومن شک فی کفرھم بعد قیام الحجۃ علیھم فھو کافر (۹۸) جو بھی شیعوں کے سلسلے میں حجت تمام ہونے کے بعد ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر ہے۔

افندی ان تکفیری افراد میں سے ہے جس نے طول تاریخ میں شیعوں کی فکر کے حوالہ سے سب سے خطرناک فتوے دیئے ہیں۔ مشہور حنفی فقیہ محمد امین جو ابن عابدین کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے اپنی کتاب "تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ" میں شیعوں کی تکفیر اور ان کے قتل کے جواز کے بارے میں عبد اللہ افندی کے مشہور فتووں کو بیان کیا ہے اور افندی کی اس بات کو بھی نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شیعوں کے کفر یا ان کے قتل کے جائز ہونے میں شک یا توقف کرے وہ بھی کافر ہے، ابن عابدین افندی نے ان فتووں کو اس انداز سے بیان کیا ہے:

شیخ الاسلام عبد اللہ افندی کے ۱۱۴۶ھ میں مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد میں نے ان کے بعض رسالوں میں دیکھا کہ سوال کیا گیا تھا: شیعوں کے قتل کئے جانے کے سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ایسی صورت میں کہ جب وہ حاکم اسلامی پر خروج کریں؟ اگر کفر کی وجہ سے ہو تو ان کے کفر کی وجہ کیا ہے؟ اور کفر ثابت ہونے کی صورت میں اگر توبہ کرلیں تو کیا ان کی توبہ اور ان کا اسلام مرتد کی طرح قابل قبول ہوگا؟۔ یا اس شخص کی طرح جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دے۔ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اور قتل کئے جائیں گے؟۔ اور اگر کافر ہیں تو کیا حد قتل جاری ہوگی یا حدّ کفر؟ اور کیا جائز ہے کہ ان سے جزیہ لیا جائے اور وہ قتل نہ کئے جائیں اور ان کی عورتیں کنیز کے طور پر لی جائیں؟

افندی نے جواب میں لکھا: "ان ھولاء الکفرۃ والبغاۃ الفجرۃ جمعوا بین اصناف الکفر والبغی والعناد وانواع الفسق والزندقۃ والالحاد ومن توقف فی کفرھم والحادھم و وجوب قتالھم وجواز قتلھم فھو کافر مثلھم"۔

ان کفار و ستمگر اور باغی و خطاکار (شیعوں) نے ہر طرح کے کفر، ظلم، فسق اور بے دینی کو اپنے اندر جمع کرلیا ہے۔ جو بھی ان کے کفر، شرک، بے دینی اور قتل میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔۔۔ کافر گروہ

(شیعہ) چاہے توبہ کرے یا نہ کرے ان کا قتل واجب ہے۔ اس لئے کہ اگر توبہ کریں اور مسلمان ہو جائیں تو ان پر حد جاری ہو گی اور ایسے شخص کی حد اس کا قتل کیا جانا ہے۔ اور اگر توبہ نہ کریں تو قتل کئے جائیں گے اور ان پر کافروں کے احکام جاری ہوں گے اسی وجہ سے ان کا چھوڑ دینا اور جزیہ لینا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قتل کئے جائیں۔ اور ان کی عورتوں و بچوں کو کنیزی کے طور پر لیا جائے اس لئے کہ بچہ، ماں کے حکم میں ہے۔ (۹۹)

اس کے بر خلاف قاضی ایجی کا کہنا ہے کہ: اہل سنت کے جمہور فقہا و متکلمین اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جا سکتی، اور کسی بھی اہل قبلہ کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔۔۔ (۱۰۰) قاضی سبکی کا بھی کہنا ہے کہ مومنین کی تکفیر اور ان کو کافر قرار دینا بہت سخت ہے اور جس کے دل میں بھی ایمان ہے وہ اہل ایمان ہے اور اہل بدعت کی تکفیر کو بھی بہت سخت سمجھتا ہے بشر طیکہ وہ شہادتین کا اقرار کر رہا ہو، اس لئے کہ تکفیر سخت و خطرناک امر ہے۔ (۱۰۱)

نتیجہ:

قرآن کریم، مسلمانوں کا سب سے پہلا منبع و ماخذ ہونے کے ساتھ سب سے پہلی کتاب ہے جس نے مسلمانوں کی تکفیر اور ان کو بے وجہ کافر قرار دیئے جانے کی مذمت کی ہے۔ قرآن کریم نے تکفیر سے روکنے کے لئے اور اس بیماری کو ختم کرنے کے لئے بہت سے راستے بتائے ہیں ان میں سے ایک راستہ، دوسروں کی تکفیر میں جلد بازی سے پرہیز اور ظاہری طور پر اسلام کا دعویٰ کرنے والے کے اسلام میں شک نہ کرنا ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ جو مسلمان آپس میں جنگ کی حالت میں ہیں ان کو مومن کہنا اور ان کے درمیان ایمانی بھائی چارے کی تاکید ہے۔ اسی طرح نزاع و اختلاف کرنے والوں کے درمیان اصلاح، صلح و صفائی کا حکم دے کر تکفیر اور اختلاف کے راستے کو بند کیا ہے۔ قرآن کریم نے مومن کے خون کو بہت زیادہ اہمیت دے کر اس کی حفاظت کی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تکفیر کے ذریعہ یعنی بے وجہ کسی کو کافر قرار دے کر اس کے حقوق پامال کرے۔ تکفیر جیسے خطرناک مرض کو ختم کرنے کے لئے اولی الامر کی طرف رجوع بھی ایک قرآنی راستہ ہے۔ آخر میں اس جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ تکفیر ایک شرعی مسئلہ ہے، جو خدا و رسولؐ کا حق ہے صرف خدا اور رسولؐ کسی کو کافر قرار دے سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ بغیر قطعی دلیل کے دوسرے کو کافر سمجھے۔ اسی طرح تکفیریوں کے غلط اور غیر قرآنی طریقے کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے مخالفین کو باوجودیکہ وہ مسلمان تھے ان کی تکفیر کی اور ان کے خون کو اپنے اوپر مباح سمجھا۔

حوالہ جات:

۱۔المفردات غریب فی القرآن، راغب اصفہانی، جلد ا ص ۴۳۳۔

۲۔تاج العروس، محمد مرتضیٰ زبیدی، جلد ۱۴ ص ۵۰ ،الصحاح، جوہری، جلد ۲ ص ۸۰۷۔

۳۔تاج العروس، محمد مرتضیٰ زبیدی، ص ۴۵۶

۴۔ معجم اللغۃ العربیہ المعاصر، احمد عبد الحمید عمر، جلد ۳ ، ص ۱۹۴۳

۵ ۔ معجم اللغۃ العربیہ المعاصر، احمد عبد الحمید عمر، ص ۱۹۴۴۔

۶۔ معجم المصطلحات والالفاظ الفقہیہ، محمود عبد المنعم، جلد ا ، ص ۴۸۷

۷۔عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، بدر الدین عینی، جلد ا ص ۲۱۶

۸ ۔ المواقف، عضد الدین ایجی، جلد ۳ ، ص ۵۴۴،

۹۔الاحکام فی اصول الاحکام، علی ابن الحزم، جلد ا ، ص ۴۹۔

۱۰۔ کتب ورسائل و فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن تیمیہ جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۵۔

۱۱۔ کتب ورسائل و فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن تیمیہ جلد ا ص ۱۰۶

۱۲۔ درء تعارض العقل والنقل ابن تیمیہ، جلد ا ص ۲۴۲۔

۱۳۔ شرح المقاصد فی علم الکلام، سعد تفتازانی، جلد ۲ ص ۲۶۷۔

۱۴۔ایثار الحق علی الخلق فی رد الخلافات الی المذہب الحق من اصول التوحید، محمد بن وزیر، جلد ا ص ۳۷۶۔

۱۵۔سورہ نساء آیت ۹۴۔

۱۶۔ تفسیر البغوی، حسین البغوی جلد ا ص ۴۶۶۔ تفسیر ال قرطبی، محمد قرطبی جلد ۵ ص ۳۳۶۔

۱۷۔ تفسیر الطبری، محمد طبری جلد ۵ ص ۲۲۱۔

۱۸۔ تفسیر الطبری ص ۲۲۵۔

۱۹۔ تفسیر البیضاوی، ناصر الدین بیضاوی، جلد ۲ ص ۲۳۷۔

۲۰۔ تفسیر البیضاوی، ناصر الدین بیضاوی، جلد ۲ ص ۲۳۷

۲۱۔نیل الاوطار من احادیث سید الاخبار شرح منتقی الاخبار، محمد شوکانی جلد ۷ ص ۳۵۳۔

۲۲۔ تفسیر السعدی، عبد الرحمان، سعدی، جلد ا ص ۱۹۵۔

۲۳۔ تفسیر السعدی، عبد الرحمان، سعدی، جلد ا ص ۱۹۴۔

۲۴۔ التفسیر الکبیر اؤ مفاتیح الغیب، فخر الدین رازی، جلد ۱۱۔ ص ۳۔

۲۵۔الجامع الاحکام القرآن، محمد قرطبی، جلد ۵ ص ۳۳۹۔

۲۶۔ صحیح البخاری، محمد بخاری، جلد ۴، ص ۱۵۵۵۔
۲۷۔ سورہ نساء آیت ۹۴۔
۲۸۔ التفسیر الکبیر، فخر الدین رازی، جلد ۱۱ ص ۳۔
۲۹۔ تفسیر الطبری، محمد طبری، ج ۵، صفحہ ۲۲۱۔
۳۰۔ فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، محمد شوکانی جلد ۱، ص ۵۰۱۔
۳۱۔ الموافقات فی اصول الفقہ، ابراہیم شاطبی، جلد ۲، ص ۲۷۱۔
۳۲۔ سورہ حجرات، آیت ۹و۱۰۔
۳۳۔ شرح العقیدہ الطحاویہ، سفر بن عبد الرحمٰن حوالی، ص ۴۲۔
۳۴۔ تفسیر القرآن العظیم، اسماعیل ابن کثیر، جلد ۴ ص ۲۱۲۔
۳۵۔ الکشف والبیان (تفسیر الثعلبی)، ابو اسحاق احمد ثعلبی، جلد ۹، ص ۷۹۔
۳۶۔ المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل الشیبانی، ابن قدامہ مقدسی، جلد ۹، ص ۳۔
۳۷۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بدر الدین عینی، جلد ۱ ص ۲۰۹۔
۳۸۔ فتنۃ التکفیر، ناصر الدین البانی، ص ۲۷۔
۳۹۔ مجموع فتاویٰ العلامہ عبد العزیز بن باز، عبد العزیز بن باز، جلد ۲، ص ۱۹۴۔
۴۰۔ صحیح البخاری، محمد بخاری، جلد ۳، ص ۱۳۲۸۔
۴۱۔ صحیح البخاری، محمد بخاری، جلد ۱، ص ۲۷۔
۴۲۔ صحیح البخاری، محمد بخاری، جلد ۴، ص ۱۰۵۹۔
۴۳۔ مدارج السالکین، محمد بن قیم، جلد ۱، ص ۳۳۶۔
۴۴۔ سورہ مائدہ آیت ۴۴۔
۴۵۔ کتب و رسائل و فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن تیمیہ جلد ۷ ص ۲۵۴۔
۴۶۔ فتح الباری، شرح صحیح البخاری، ابن حجر عسقلانی، جلد ۱ ص ۱۱۳۔
۴۷۔ سورہ حجرات، آیت ۹۔
۴۸۔ احکام القرآن، احمد جصاص جلد ۵ ص ۲۸۲۔
۴۹۔ تفسیر الطبری، محمد طبری جلد ۲۶ ص ۱۲۷۔
۵۰۔ سورہ حجرات، آیت ۱۰۔
۵۱۔ الجامع الاحکام القرآن، محمد قرطبی، جلد ۱۶، ص ۳۲۲۔

۵۲۔الفتاویٰ الکبریٰ الشیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن تیمیہ، جلد ۴ ص ۲۶۵۔
۵۳۔المنتقی من منہاج الاعتدال فی نقض کلام اہل الرفض والاعتدال، محمد ذہبی جلد ا ص ۵۵۹۔
۵۴۔اعلام النسۃ المنشورۃ، حافظ حکمی، جلد ا ص ۲۳۲۔
۵۵۔ تفسیر السعدی، عبد الرحمٰن سعدی، جلد ا، ص ۸۰۰۔ ۸۰۱۰۔
۵۶۔ تفسیر بغوی، بغوی، جلد ۴ ص ۲۱۳۔
۵۷۔البدایۃ والنہایہ، اسماعیل ابن کثیر جلد ۷ ص ۲۹۔
۵۸۔ البحر الزخار، (مسند البزار) ابو بکر بزار، جلد ۳ ص ۲۶۔۲۷۔
۵۹۔ نہج البلاغہ (صبحی صالح)، شریف رضی، ص ۳۷۴۔
۶۰۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۷۸۔
۶۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۳۲۔
۶۲۔التفسیر الکبیر، فخر الدین رازی، جلد ۱۱۔ ص ۱۶۸۔
۶۳۔الجامع الاحکام القرآن، محمد قرطبی، جلد ۶ ص ۱۴۶۔
۶۴۔ تفسیر الکریم الرحمان فی تفسیر کلام المنان، عبد الرحمان سعدی، جلد ا ص ۲۲۹۔
۶۵۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، سید محمود آلوسی جلد ۶ ص ۱۱۸۔
۶۶۔ صحیح بخاری، محمد بخاری، جلد ۶ ص ۲۵۱۷۔
۶۷۔ صحیح بخاری، محمد بخاری، جلد ۳ ص ۱۱۵۵۔
۶۸۔سورۂ نسا، آیت ۹۳۔
۶۹۔الشرح الممتع علی زاد المستقنع، محمد بن عثیمین، جلد ۱۴ ص ۱۹۱۔
۷۰۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۳۔
۷۱۔ تفسیر الطبری، محمد طبری، جلد ۴ ص ۳۰۔
۷۲۔ تفسیر الطبری، محمد طبری جلد ۴ ص ۳۲۔
۷۳۔ الجامع الاحکام القرآن، محمد قرطبی جلد ۴ ص ۱۵۹۔
۷۴۔سورۂ انفال، آیت ۴۶۔
۷۵۔سورۂ نساء، آیت ۵۹۔
۷۶۔ الملل والنحل، محمد شہرستانی، جلد ا ص ۲۰۲۔
۷۷۔ الفروق او انوار البروق فی انواء الفروق (مع الہوامش) احمد قرانی ج ۴۔ ص ۲۹۸

۷۸۔الصواعق المحرقہ علی اھل الرفض والضلال والزندقہ ،احمد ابن حجر ج ا۔ ص ۱۳۲
۷۹۔ الاستغاثہ فی الرد علی البکری، ابن تیمیہ، جلد ا ص ۳۸۱۔
۸۰۔کتب ورسائل وفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، جلد ۵ ص ۵۵۴۔
۸۱۔کتب ورسائل وفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، جلد ۱۲، ص ۵۰۱۔
۸۲۔توضیح المقاصد و تصحیح القواعد فی شرح قصیدۃ الامام ابن القیم، احمد بن قیم جلد ۲، ص ۴۱۲۔
۸۳۔شرح ریاض الصالحین، محمد بن عثیمین، جلد ۶ ص ۴۷۹۔
۸۴۔الاجماع العقدی، ولید سعیدان، شمارہ ۵۶۸۔ ص ۵۲۔
۸۵۔ لتکفیر، مفہومہ واخطارہ وضوابطہ، حمد محمد بوقرین، ص ۵۰۔
۸۶۔ محمد ذہبی، سیر اعلام النبلاء، محمد ذہبی جلد ۱۴، ص ۳۴۳۔
۸۷۔ محمد شوکانی، السیل الجرار، المتدفق علی حدائق الازہار، جلد ۴ ص ۵۷۸۔
۸۸۔ الدر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیہ، علماء نجد، جلد ۱۰۔ ۳۷۴، نواقض الایمان القولیۃ والعملیۃ، عبد العزیز بن محمد بن علی العبد اللطیف ج ا۔ ص ۷
۸۹۔ایثار الحق علی الخلق فی رد الخلافات الی المذہب الحق من اصول التوحید، محمد ابن الوزیر جلد ا ص ۳۸۸۔
۹۰۔ عقائد علماء اھل السنۃ الدیوبندیہ (المہند علی المفند)، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، ص ۵۸
۹۱۔ تاریخ نجد، سید محمود آلوسی، ص ۹۴۔
۹۲۔ السحب الوائلہ علی ضرائح الحنابلہ، محمد ابن حمید، ص ۲۷۶۔
۹۳۔الصواعق الالہیۃ فی الرد علی الوہابیۃ، سلیمان بن عبد الوہاب ا، ص ۴۔
۹۴۔تاریخ نجد، حسین بن غنام، ص ۱۳۔
۹۵۔ الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیہ، علماء نجد، جلد ۱۴ ص ۳۷۵۔
۹۶۔ عجائب الآثار، عبد الرحمان جبرتی، ص ۳۷۳۔
۹۷۔عنوان المجد فی تاریخ نجد، عثمان بن بشر، ص ۲۵۷۔ ۲۵۸۔
۹۸۔ الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ، علما نجد جلد ۱۰ ص ۴۴۰۔
۹۹۔ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، محمد امین بن عابدین، جلد ا ص ۱۰۳
۱۰۰۔ المواقف، عضد الدین ایجی، جلد ۳، ص ۵۶۰۔
۱۰۱۔الیواقت والجواہر، سبکی، ص ۵۸۔

منابع:

۱۔قرآن کریم

۲۔ابن وزیر، محمد بن نصر المرتضیٰ ، ایثار الحق علی الخلق کی رد الخلافات الی المذہب الحق من اصول التوحید ، چاپ دوئم دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۹۸۷م،

۳۔ ابن باز، عبدالعزیز، مجموع فتاویٰ العلامہ عبدالعزیز بن باز، تحقیق اشرف علی جمعہ، محمد بن سعد الشویعر، ریاض (بی نا، بی تا)

۴۔ ابن بشر، عثمان بن عبداللہ، عنوان المجد فی تاریخ نجد، چاپ چہارم : مطبوعات دارۃ الملک عبدالعزیز، ریاض (بی تا)

۵۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، الاستغاثہ فی الرد علی البکریٰ، تحقیق عبد اللہ بن محمد سھلی ، چاپ اول : دار الوطن ، ریاض ۱۴۱۷۔

۶۔۔۔۔، کتب و رسائل و فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ، تحقیق عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم عاصمی نجدی، چاپ دوئم مکتبہ ابن تیمیہ، ریاض (بی نا)

۷۔ الفتاویٰ الکبریٰ لشیخ الاسلام ابن تیمیہ ، تحقیق قدم لہ حسنین محمد مخلوف، دار المعرفۃ، بیروت، (بی تا)

۸۔درء تعاض العقل والنقل، تحقیق عبد اللطیف عبد الرحمٰن، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۷ق/۱۹۹۷ء

۹۔ابن حجر، ابو العباس احمد بن محمد بن علی، الصواعق لا محرقۃ علی اہل الرفض والضلال والزندقۃ، تحقیق عبد الرحمٰن بن عبد اللہ ترکی، کامل محمد الخراط، چاپ اول: موسسہ الرسالہ، بیروت ۱۴۱۷ق/۱۹۹۷م

۱۰۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن حجر ابو الفضل، فتح الباری شرح صحیح البخاری، تحقیق محب الدین الخطیب، دار المعرفہ ، بیروت (بی تا)

۱۱۔ابن قیم، احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ، توضیح المقاصد و تصحیح القواعد فی شرح قصیدۃ الامام ابن القیم ، تحقیق زہیر الشاویش ، چاپ سوم، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۰۶ق۔

۱۲۔ ابن حزم، علی بن احمد، الاحکام، فی اصول الاحکام چاپ اول، دار الحدیث، قاہرہ ۱۴۰۴۔

۱۳۔ ابن حمید، محمد بن عبد اللہ ابن حمید، نجدی حنبلی مفتی مکہ، السحب الوائلہ علی ضرائح الحنابلہ، مکتبۃ امام احمد (بی جا، بی تا)

۱۴۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی حنفی، العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، (بی جا، بی تا)

۱۵۔ ابن عبد الوہاب، سلیمان، الصواعق الٰہیہ فی الرد علی الوہابیہ، چاپ سوم دار الشفقہ، استانبول، ۱۳۹۹ق۔

۱۶۔ ابن عثیمین، محمد بن صالح بن محمد عثیمین، شرح ریاض الصالحین، دار الوطن اللنشر، ریاض ۱۴۲۶۔ق

۱۷۔ الشرح الممتع علی زاد المستقنع چاپ اول۔ دار ابن الجوزی، ۱۴۲۲۔۱۴۲۸۔

۱۸۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر ایوب زرعی، مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد و ایاک نستعین، تحقیق محمد حامد فقی، چاپ دوم، در الکتاب العربی، بیروت ۱۳۹۳ق/۱۹۷۳م۔

۱۹۔ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، مکتبۃ المعارف، بیروت (بی تا)
۲۰۔ تفسیر القرآن العظیم، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۱ق
۲۱۔ آلوسی، شہاب الدین سید محمود، تاریخ نجد، تحقیق محمد بہجۃ اثری، مکتبۃ دار المدبلولی، قاھرہ، (بی تا)
۲۲۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت (بی تا)
۲۳۔ ایجی، عضدالدین عبدالرحمٰن، کتاب المواقف، تحقیق عبد الرحمٰن عمیرہ، چاپ اول، دار الجیل، بیروت ۱۴۱۷ق، ۱۹۹۷م۔
۲۴۔ البانی، محمد ناصر، فتنۃ التکفیر، چاپ دوئم، دار ابن خزیمہ، ریاض، (بی تا)
۲۵۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، تحقیق مصطفیٰ دیب البغا، چاپ سوم، دار ابن کثیر، یمامہ بیروت ۱۴۰۷ق، ۱۹۸۷۔
۲۶۔ بزار، ابو بکر احمد بن عمرو، البحر الزخار (مسند البزار) تحقیق محفوظ الرحمٰن زین اللہ، چاپ اول: موسسۃ علوم القرآن، مکتبۃ العلوم والحکم، بیروت ۱۴۰۹ق۔
۲۷۔بغوی، حسین بن مسعود، تفسیر البغوی، تحقیق خالد عبد الرحمٰن العک، دار المعرفہ، بیروت (بی تا)
۲۸۔ بوقرین، حمد محمد، التکفیر، مفہومہ واخارہ وضوابطہ، (بی نا، بی جا، بی تا)
۲۹۔بیضاوی، ناصر الدین ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بن محمد، انوار التنزیل واسرار التاویل (تفسیر البیضاوی) دار الفکر، بیروت (بی تا)
۳۰۔ تفتازانی، سعد الدین مسعود، شرح المقاصد فی علم الکلام، چاپ اول: دار المعارف النعمانیہ، پاکستان ۱۴۰۱ق/۱۹۸۱م۔
۳۱۔ ثعلبی، ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم، الکشف البیان، تحقیق الامام ابی محمد بن عاشور، چاپ اول، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۲ق/۲۰۰۲م۔
۳۲۔ جبرتی، عبد الرحمان بن حسن جبرتی، عجائب الآثار، تحقیق عبد الرحمان عبد الرحیم، چاپ سوم، دار الکتب المصریہ، قاہرہ، (بی تا)
۳۳۔ جصاص، احمد بن علی رازی، احکام القرآن، تحقیق محمد صادق قمحاوی، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۵ق۔
۳۴۔ جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ، تحقیق احمد عبد الغفور عطار، چاپ چہارم: دار العلم اللملایین، بیروت ۱۴۰۷ق۔
۳۵۔حسین بن غنام، تاریخ نجد، چاپ چہارم، دار الشروق ۱۴۱۵ق۔
۳۶۔ حکمی، حافظ بن احمد بن علی اعلام السنہ المنشورہ (بی نا، بی جا، بی تا)
۳۷۔ حوالی، سفر بن عبد الرحمٰن، شرح العقیدۃ الطحاویۃ، دار المعرفۃ (بی جا، بی تا)

۳۸۔ ذہبی، ابو عبد اللہ محمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، تحقیق شعیب الارناووطہ، محمد نعیم عرقسوسی، چاپ نہم، مؤسسہ الرسالہ، بیروت ۱۴۱۳ق۔

۳۹۔ المنتقی من منہاج الاعتدال فی نقض کلام اہل الرفض والاعتزال، تحقیق محب الدین الخطیب۔ (بی نا، بی جا، بی تا)

۴۰۔ رازی شافعی، فخر الدین محمد بن عمر تمیمی، التفسیر الکبیر اوٗ مفاتیح الغیب، چاپ اول، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ق، ۲۰۰۰م۔

۴۱۔ راغب اصفہانی، حسن بن محمد المفردات فی غریب القرآن، تحقیق محمد سید گیلانی، دار المعرفت، لبنان (بی، تا)

۴۲۔ رضی، شریف، نہج البلاغہ للصبحی صالح، تحقیق و تصحیح فیض الاسلام، چاپ اول، ہجرت، قم ۱۴۱۴ق۔

۴۳۔ زبیدی، محمد مرتضیٰ حسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، تحقیق جمعی از محققین، دار الہدایہ (بی جا، بی تا)

۴۴۔ سبکی، الیواقت والجواہر (بی نا، بی جا، بی تا)

۴۵۔ سعدی عبد الرحمٰن بن ناصر، تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان (تفسیر السعدی) تحقیق ابن عثیمین موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ق، ۲۰۰۰م۔

۴۶۔ سہارنپوری، عقائد علماء اہل السنۃ الدیوبندیہ (المہند علی المفند) مولانا خلیل احمد سہارنپوری، تحقیق دکتر سید طالب رحمان، چاپ اول، ریاض (بی، تا)

۴۷۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ الدرایۃ من علم التفسیر، دار الفکر، بیروت (بی، تا)

۴۸۔۔۔ السیل الجرار المتدفق علی حدائق الازہار، تحقیق محمود ابراہیم زاید، چاپ اول، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۵۔

۴۹۔۔۔ نیل الاوطار من احادیث سید والاخیار شرح منتقی الاخبار، دار الجیل، بیروت ۱۹۷۳م۔

۵۰۔ شہرستانی، محمد بن عبد الکریم، الملل والنحل، تحقیق محمد سید گیلانی، دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۴۔

۵۱۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب، جامع البیان عن تاویل ای القرآن (تفسیر طبری) دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵۔

۵۲۔ عبد الحمید عمر، احمد مختار، معجم اللغۃ العربیہ المعاصرۃ، چاپ اول، عالم الکتب، ۱۴۲۹ق، ۲۰۰۸م۔

۵۳۔ عبد المنعم، محمود عبد الرحمان، معجم المصطلحات والفاظ الفقہیہ، دار الفضیلہ (بی جا، بی تا)

۵۴۔ عقدی، ولید بن راشد بن عبد العزیز السعیدان، الاجماع العقدی (بی نا، بی جا، بی تا)

۵۵۔ علماء نجد، الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ، تحقیق عبد الرحمان بن محمد بن قاسم، چاپ ششم، (بی نا، بی جا، (بی تا)

۵۶۔ عینی، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت (بی تا)

۵۷۔ غرناطی کلبی معروف بہ شاطبیؒ، ابراہیم بن موسیٰ لخمی، الموافقات فی اصول الفقہ، تحقیق عبد اللہ دراز، دار المعرفۃ بیروت (بی تا)

۵۸۔ قرافی، ابو العباس احمد بن ادریس صنہاجی، الفروق او انوار البروق فی انواء الفروق (مع الہوامش) تحقیق خلیل المنصور، چاپ اول، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ق، ۱۹۹۸م۔

۵۹۔ قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح، الجامع الاحکام القرآن، دار الشعب، قاہرہ (بی تا)

۶۰۔ مقدسی، ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل الشیبانی، چاپ اول، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵۔

تکفیری افکار اور کارناموں سے متعلق شیوخ الحدیث کانفرنس کا مجوزہ شرعی منشور

۱۷ / مئی ۲۰۱۵ء کو لاہور میں تنظیم اتحاد امت کے زیر اہتمام "شیوخ الحدیث کانفرنس" منعقد ہوئی۔ کانفرنس کے آخر میں جو اعلامیہ جاری کیا گیا اسے "شرعی منشور" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ منشور نہایت اہم نکات پر مشتمل ہے۔ اس میں دو سو سے زائد علماء نے متفقہ طور پر اعلان کیا ہے کہ خود کش حملہ کرنے اور کروانے والے جہنمی ہیں۔ فرقہ وارانہ قتل و غارت میں ملوث عناصر، فساد فی الارض کے مجرم ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ تحریک طالبان پاکستان، القاعدہ، داعش، بوکو حرام، الشباب اور ان جیسی دوسری نام نہاد جہادی تنظیموں کا فلسفۂ جہاد، گمراہ کن، طرز عمل غیر اسلامی اور فہم ناقص اور جہالت پر مبنی ہے۔ ان تنظیموں کا طریقۂ جہاد اسلامی جہاد کی شرطوں کے منافی ہے۔ اسلام فرقوں اور نظریاتی اختلاف کی بنیاد پر کسی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ اجلاس اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل تھا کہ اس میں ۲۰۰ کے لگ بھگ مفتیان کرام شریک ہوئے اور انھوں نے عالم اسلام کو درپیش شدت پسندی کے مسائل کے بارے میں اپنا سنجیدہ اور مذہبی نقطۂ نظر واضح اور واشگاف الفاظ میں پیش کیا۔ اس منشور میں شدت پسندوں اور تشدد پیشہ افراد کی اسلام فہمی کے سلسلہ میں ناقص فہم کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مذہب کے نام کو استعمال کرنے والی شدت پسند تنظیموں کے حوالے سے یہ ایک نہایت اہم معاملہ ہے جسے عام طور پر نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ اس سے پہلے بعض مذہبی جماعتوں اور ان کے راہنماؤں کے بیانات اور طرز عمل کی وجہ سے شدت پسندوں کا پورا چہرہ سامنے نہیں آسکا تھا، جس کی وجہ سے ایک بڑے طبقے میں گومگو کی کیفیت ایک عرصے تک موجود رہی، ان ایام کے اخبارات میں اس سلسلے میں اہم شخصیات کی تذبذب انگیز باتوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ ان تنظیموں اور ان سے متاثر افراد کی طرف سے اسلام کا نام استعمال کرنے کی وجہ سے بعض گروہ اور افراد غلط فہمی کا شکار رہے ہیں اور بعض آج بھی ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ بعض اسلام پسند گروہ، نظام اسلام کے حوالے سے اپنی ترجیحات کا درست طور پر تعین کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے بارے میں اپنے فہم اور اس سے ماخوذ نظام کی ترجیحات پر ان لوگوں کو از سر نو غور کرنا چاہیے۔ انھیں یہ سمجھنا چاہیے کہ معاشرے پر کسی قانون کا نافذ ہونا اور اس قانون کا سب کے لئے مساوی ہونا سب سے زیادہ اہم ہے۔ اسلام عدل اجتماعی اور انسانی خیر خواہی کی بنیاد پر معاشرے کو چلانے کا آرزو مند ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ شدت پسندوں کے اندر انسانی خیر خواہی کا عنصر مفقود ہے۔ اسلحے کی طاقت سے اپنا ایجنڈا آگے بڑھانے والے شدت پسند گروہوں اور ان سے متاثر اسلحہ نہ اٹھانے والے گروہوں کی فکری نہج ایک ہی ہے۔ یہی فکری نہج دوسرے گروہ کو پہلے گروہ کا ہمدرد بنا دیتی ہے۔ اس اعلامیے میں ایک اور اہم نکتے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ طالبان اور داعش جیسی انتہا پسند اور دہشت گرد تنظیموں کے فکری توڑ کے لئے شیوخ الحدیث و جملہ علمائے اسلام کو متحد ہونا پڑے گا۔

عالم اسلام کے بہت سے دانشور ایک عرصے سے اس امر پر زور دے رہے ہیں کہ انفرادی فتووں سے بہت سی قباحتیں جنم لیتی ہیں۔ خاص طور پر ایسے فتوے جن کا تعلق انسانی معاشروں سے ہو اور جو انسانی معاشروں پر اثر انداز ہو سکتے ہوں۔ تکفیر و تفسیق کے فتوے معاشرے میں شدت پسندی، نفرت اور اختلافات کو ہوا دیتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایسے فتوے فتنہ و فساد کا باعث بنتے ہیں، جسے مذکورہ منشور میں بجا طور پر "فساد فی الارض" قرار دیا گیا ہے، تاہم خود کشی ایک ناجائز اور غیر اسلامی عمل ہے۔ اس کے علاوہ، تفسیر بالرّای پر مبنی مفاہیم کے پیش نظر اسلامی مملکتوں پر حملہ کرنا خلاف اسلام ہے۔ ایسے میں اسلامی مملکتوں کی بہی خواہی اور ان کا تعاون ہر ایک کا فریضہ ہے تاہم ایسے خود سوز اور خود کش حملوں میں مارے جانے والے بے گناہ لوگ اور حفاظتی دستے شہید کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح مسلم اکثریت والے ممالک میں غیر مسلم اقلیتوں کے مقدس مقامات، عبادت گاہوں کو ضرر پہونچانا، نشانہ بنانا، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام ساری بشریت کو امن وسالمیت کا پیغام دیتا ہے۔ مزید یہ کہ اسلحوں کے بل پر قانون اسلامی پر عمل درآمد کرانا قرآن کریم کی کھلی خلاف ورزی ہے اور جو لوگ ترویج اسلام کے نام پر نفرت، ظلم وستم کو روا رکھتے ہیں ان کے لئے دین میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ تمام ایسے دہشت گرد گروپ جو بنام اسلام شدت پسندی اور دہشت گردی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اسلام کے چہرہ کو مسخ کرنے کی کوشش میں ہیں۔

شیوخ الحدیث کانفرنس کے منشور میں عالم اسلام کے بعض نہایت اہم مسائل کے بارے میں بھی نقطۂ نظر بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ تمام اسلامی ممالک امریکہ نواز پالیسیاں ختم کریں، کیونکہ

امریکہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ عرب اور خلیجی ممالک آپس میں لڑنے کے بجائے قبلۂ اول اور فلسطین کی آزادی کے لئے متحد ہو جائیں۔ سعودی حکومت، حجازِ مقدس کو امریکی فوج کے ناپاک وجود سے پاک کرے اور امریکی فوج کو سعودی عرب سے نکالا جائے، کیونکہ سعودی عرب میں امریکی فوجیوں کی موجودگی سے حرمین شریفین کا تقدس پامال ہو رہا ہے۔ یمن کے بحران پر فریق بننے کے بجائے پارلیمنٹ کی قرارداد پر عمل کرتے ہوئے ثالث کا کردار ادا کیا جائے۔ مسلم ممالک، او آئی سی اور اقوام متحدہ یمن میں مکمل جنگ بندی کے لیے کوششیں تیز کریں۔

منشور کے اس حصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیوخ الحدیث کانفرنس میں شریک اہل علم کے نقطۂ نظر سے مشرق وسطیٰ اور عالم اسلام میں موجودہ صورت حال کے پیچھے صہیونی ایجنڈا کارفرما ہے۔ جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مسلمان فلسطین کے اہم ترین معاملے کو بھول جائیں اور ناجائز اسرائیلی ریاست سے صرف نظر کرتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے سے الجھے رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ منشور میں کہا گیا ہے کہ عرب اور خلیجی ممالک آپس میں لڑنے کے بجائے قبلہ اول اور فلسطین کی آزادی کے لئے متحد ہو جائیں۔

سعودی عرب کو بھی یہ مشورہ دیا جانا چاہیے کہ اس نے جو راستہ اختیار کیا ہے، اس کے نتیجے میں خود اس کی داخلی یکجہتی کو شدید خطرات لاحق ہو گئے ہیں، لہٰذا امن کا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ غریب اور کمزور پڑوسی ممالک کے تمام گروہوں کو ایک ساتھ بٹھا کر یمن کی قومی یکجہتی کے لئے ایک سیاسی راہ حل کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فصلنامہ "راہ اسلام"

زیر نظر مجلّہ کی وصولیابی، یقینی بنانے اور اشاعت سے لیکر ارسال تک کے جملہ مخارج میں سے کچھ کے تدارک کے لئے مبلغ ۳۰۰ روپیہ زر اشتراک درج ذیل اکاؤنٹ پر ارسال فرمائیں:

براہ کرم بینک ڈرافٹ اس نام سے بنوائیں:

Islamic Republic of Iran Cultural Counsellor, A/C No. 11084232692 ,
State Bank of India, IFSC : SBIN 0000961

اس کے علاوہ آپ سے گزارش ہے کہ منسلکہ فارم کے مندرجات کو پر کرکے جلد از جلد دفتر راہ اسلام کے پتہ پر بینک ڈرافٹ کے ساتھ ارسال فرمائیں۔

ممبر شپ فارم

فصلنامہ "راہ اسلام"

۱۸، تلک مارگ نئی دہلی۔۱۱۰۰۰۱

پورا نام: .....

عمر: ..... تعلیم: ..... مشغلہ: .....

مادری زبان: ..... (دوسری زبانیں جو آپ لکھ اور پڑھ سکتے ہوں) .....

مکمل پتہ انگریزی میں: .....

.....

.....

ٹیلیفون نمبر: ..... ای میل .....

آپ کن موضوعات کو ہندوستانی معاشرہ کے لئے مفید اور ضروری سمجھتے ہیں؟ ان کی نشاندہی فرمائیں تاکہ ہم آئندہ شماروں میں ان کو شامل کر سکیں۔؟

دستخط و تاریخ

مقالہ نگار حضرات!

السّلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

جیسا کہ آپ واقف ہیں فصلنامہ "راہ اسلام" صاحب قلم، علماء ودانشوروں کے افکار ورشحات قلم کے سایہ میں اسلامی، علمی وفکری مراحل گذشتہ کئی برس سے طے کر رہا ہے۔ متعدد خصوصی شماروں کی اشاعت کے بعد، ہمارا ارادہ ہے کہ **اتحاد وبصیرت** نیز **مسجد** سے متعلق خصوصی شماروں کی اشاعت عمل میں لائی جائے۔ ذیل میں مذکورہ خصوصی شماروں سے متعلق عناوین درج کیے جارہے ہیں۔ امید ہے ہمیں آپ کا قلمی تعاون حاصل رہیگا۔

عناوین مقالہ مسجد:

۱۔ ہندوستان میں مساجد کی تاریخ: (لکھنؤ، حیدرآباد، دہلی، بنارس و...) **۲۔** ہندوستانی مساجد کی طرز تعمیر پر ایرانی معماری کے اثرات، **۳۔** عظمت مساجد، قرآن وروایات اور علماء کی نظر میں (امام خمینیؒ، آیت اللہ خامنہ ای و۔۔۔) **۴۔** اسلامی معاشروں میں مساجد کا تربیتی، سماجی اور سیاسی کردار **۵۔** احکام مساجد **۶۔** مساجد کی دشواریاں اور امکانات: پیشنمازوں، متولیوں اور نمازیوں کی رو سے **۷۔** مساجد کے تئیں ہماری ذمہ داریاں **۸۔** حکومت ہند کی نظر میں مساجد کی اہمیت، **۹۔** مسجد میں خواتین کی دینی، عبادی اور اجتماعی شرکت کا تاریخی جائزہ (یا مسجد میں خواتین کی شرکت اسلامی تعلیمات کے پس منظر میں)

آپ سے التماس ہے کہ درج ذیل شرائط کے ساتھ، جلد از جلد مذکورہ بالا کسی عنوان پر اپنا تحقیقی مقالہ تحریر فرماکر ارسال فرمائیں۔ خداوند متعال آپ کی علمی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ آمین

شرائط:

۱۔ ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا ضروری ہے۔ اگر ممکن ہو تو ٹائپ شدہ MSword فائل ارسال فرمائیں۔

۲۔ صرف غیر مطبوعہ مقالہ ہی ارسال فرمائیں۔

۳۔ مقالہ کے متن میں جن مآخذ ومدارک کا استعمال کیا گیا ہو ان کا ذکر ضرور فرمائیں۔

۴۔ اگر ممکن ہو تو مقالہ، بذریعہ ای میل ichdelhi@gmail.com پر ارسال فرمائیں۔

۵۔ مقالہ ایران کلچر ہاؤس کے پتہ پر پوسٹ بھی کر سکتے ہیں۔

۶۔ مقالے کی اشاعت کے لئے ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

۷۔ آپ کے ارسال کردہ مقالہ کی اشاعت یا عدم اشاعت کے لئے ادارہ کو اختیار ہوگا۔

نوٹ: آپ اپنا مقالہ ۲ مہینہ کے اندر ادارہ کو ارسال کردیں۔ مذکورہ شرائط نہ پائے جانے کی صورت میں مقالہ، شامل اشاعت نہیں ہوگا۔

والسلام

چیف ایڈیٹر "راہِ اسلام"

خصوصی شمارہ اتحاد و بصیرت

عناوین مقالہ اتحاد و بصیرت:

۱۔ اتحاد و بصیرت علماء کی نظر میں

۲۔ مسلکی اتحاد اور عوام کی بصیرت میں علماء اور مبلغین کا کردار

۳۔ سامراج کے مقابل معاشروں کی بصیرت و اتحاد

۴۔ مقاومت، بصیرت اور یکجہتی، آزادی قدس کے عناصر کی حیثیت سے

۵۔ اسلامی دانشوروں کی بصیرت مسلمانوں میں اتحاد کی ضمانت

۶۔ ہفتہ وحدت، دشمنان اسلام کے مقابل دوراندیشی کا لائحہ عمل

۷۔ اتحاد کی بنیاد اور راہیں۔

آپ سے التماس ہے کہ درج ذیل شرائط کے ساتھ، جلد از جلد مذکورہ بالا کسی عنوان پر اپنا تحقیقی مقالہ تحریر فرما کر ارسال فرمائیں۔ خداوند متعال آپ کی علمی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ آمین

شرائط:

۱۔ ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا ضروری ہے۔ اگر ممکن ہو تو ٹائپ شدہ MSword فائل ارسال فرمائیں۔

۲۔ صرف غیر مطبوعہ مقالہ ہی ارسال فرمائیں۔

۳۔ مقالہ کے متن میں جن مآخذ و مدارک کا استعمال کیا گیا ہو ان کا ذکر ضرور فرمائیں۔

۴۔ اگر ممکن ہو تو مقالہ، بذریعہ ای میل ichdelhi@gmail.com پر ارسال فرمائیں۔

۵۔ مقالہ ایران کلچر ہاؤس کے پتہ پر پوسٹ بھی کر سکتے ہیں۔

۶۔ مقالے کی اشاعت کے لئے ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

۷۔ آپ کے ارسال کردہ مقالہ کی اشاعت یا عدم اشاعت کے لئے ادارہ کو اختیار ہوگا۔

نوٹ: آپ اپنا مقالہ ۲ مہینہ کے اندر ادارہ کو ارسال کردیں۔ مذکورہ شرائط نہ پائے جانے کی صورت میں مقالہ، شامل اشاعت نہیں ہوگا۔

والسلام

چیف ایڈیٹر "راہِ اسلام"